بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقبال خواتین کی نظر میں

اقبال خواتین کی نظر میں

حمیرا جمیل

DUA PUBLICATIONS

انتساب

فروغ اقبال شناسی میں سرگرم

دعا پبلی کیشنز لاہور

کے نام

فہرست

اکثر شاگردوں کو اپنے نامور اساتذہ پر فخر ہوتا ہے۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاگرد بہت زیادہ محنت کرتے ہیں اور اپنے اساتذہ سے بھی بڑا نام پیدا کر لیتے ہیں اور استادوں کو اپنے شاگردوں پر فخر محسوس ہونے لگتا ہے۔ ایسے شاگردوں میں ایک بڑا نام حمیرا جمیل احمد ہے۔ جس کا قلم اقبالیات کے لیے وقف ہے۔ شارحِ اقبال کی حیثیت سے وہ خاصی مشہور و مقبول ہیں اور خصوصاً طلبہ و طالبات ان کی تشریحات سے بھرپور استفادہ کر رہی ہیں۔ اس وقت انہوں نے بہت ہی اہم موضوع پر قلم اُٹھایا ہے اور اقبال شناسی میں خواتین کے کردار کو بھرپور انداز میں اُجاگر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خواتین کے ذکر کے بغیر اقبال شناسی کا شعبہ نامکمل ہے اور حمیرہ جمیل کے ذکر کے بغیر اقبال شناسی سے متعلّق خواتین کی مساعی کا ذکر نامکمل بھی ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ حمیرہ جمیل کو مزید عزت و شہرت اور علم و حکمت عطا فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر منوّر ہاشمی
ڈین فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز
ناردرن یونیورسٹی، نوشہرہ

اقبال خواتین کی نظر میں!

علامہ محمد اقبال کے افکار آفاقی قدروں کے حامل ہیں۔انھوں نے اپنے فلسفے کوشعر کی رعنائی میں ڈھالا اور علم وعمل اور حقائق کے بیان کو نغمہ وآہنگ کا پیکر عطا کیا۔وہ ایسے شاعر اور مفکر ہیں کہ جن کی شاعری اور افکار و نظریات محض اپنے عہد تک ہی محدود نہ رہے بلکہ آنے والے دور کے لیے بھی مشعل راہ ہیں۔ان کی شاعری راہ عمل کا تعیّن اور حرکت کا پیغام دیتی ہے۔انھوں نے اپنی شاعری میں ایسی صداقتوں کو بیان کیا جن کی اہمیّت ہر دور میں برقرار رہی ہے۔بقول اقبال:

جو بات حق ہو، وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی
خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خبیرو بصیر

کلیات اقبال (۷۷۹)

عصر حاضر میں کئی احبابِ فکر اقبال کی ترویج وتفہیم کے لیے کام کررہے ہیں۔انھی میں شہر اقبال سے تعلّق رکھنی حمیرا جمیل بھی ایک ہیں۔انھیں علامہ محمد اقبال سے گہری انسیت اور عقیدت ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ پچھلے دو سالوں میں انھوں نے کلیات اقبال کی اردو شرح اور اقبال لاہور میں جیسی تصانیف بڑی برق رفتاری سے مکمل کیں۔اس کے علاوہ ان کی مرتبہ کتاب بیان اقبال بھی منظر عام پر آ چکی ہے۔جس سے ان کی ہمت اور حوصلے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔بلاشبہ انھوں نے سیالکوٹ سے تعلّق رکھنے کا حق ادا کیا ہے۔یہی وجہ کہ انھوں نے ایم ایس کا تحقیقی مقالہ اقبالیات پر ہی لکھا ہے جس کا عنوان ''قیام پاکستان کے بعد اقبال شناسی میں خواتین کا حصّہ'' ہے۔اب انھوں نے یہ مقالہ کتابی صورت میں شائع کرالیا ہے۔اقبال خواتین کی نظر میں! کا انتساب فروغ اقبال شناسی میں سرگرم دعا پبلی کیشنز لاہور کے نام پر رکھا گیا ہے۔

دنیا بھر میں تحقیق وتنقید کے حوالے سے اقبال شناسی اور ان کے فکر وفن پر پر سینکڑوں کتب اور ہزاروں مضامین لکھے گئے ہیں اور لکھے جارہے ہیں اور لکھے جاتے رہے گے۔اگرچہ اقبال شناسی کا آغاز اقبال کی حیات میں شروع ہوگیا تھا۔اقبال کے فکر اور فلسفے کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش ہر دور میں رہی۔اس حوالے سے یہ کاوشیں قابل تحسین ہیں۔یوں یہ لوگ اقبال شناس کہلائے۔اقبال شناسوں میں جہاں مرد حضرات نے اہم کارنامے سرانجام دیئے وہی خواتین نے بھی اقبال کے فلسفے اور فکر کو عام کرنے کے لیے مساعی کرتی رہیں۔

اقبال شناسی کے میدان میں خواتین کے کام کو انفرادی طور پر تو سراہنے کے لیے یہ کتاب اقبال شناسوں کے لیے ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ اقبال شناس خواتین نے محنت، لگن اور جوش و جذبے کے ساتھ اقبالیات کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ کردار قابلِ رشک ہے۔

اقبال خواتین کی نظر میں ! میں ان خواتین اقبال شناس کو خراج تحسین پیش کیا گیا جنہوں نے کلام اقبال پر تحقیقی وتنقیدی کتب، مقالات اور مضامین پیش کیے ۔ان خواتین نے اقبال شناسی کے فروغ کو اپنی زندگی کا مشن بنایا اور عظیم شاعر اور فلسفی کو نہ صرف خراج عقیدت پیش کیا بلکہ کلام اقبال کو عوام والناس تک پہنچایا۔ ان خواتین نے اقبالیات پر جس محبت اور خلوص سے کام کیا ان کا نام اُردو ادب کی کی تاریخ کا ایک اہم سنگ میل ہے۔ اقبال شناسی کے میدان میں ڈاکٹر پروین شوکت علی، ڈاکٹر نسرین اختر، بیگم ثاقبہ رحیم الدین، فرزانہ یاسمین، ڈاکٹر شمیم ملک، زیب النساء بیگم، منزہ ماجد، شاہدہ یوسف، بصیرہ عنبرین، ڈاکٹر صغریٰ، زبیدہ جبیں، فریدہ الٰہی، زیب النساء سرویا، عروبہ مسرور، شاہدہ رسول، شہناز پروین، عابدہ خاتون، ڈاکٹر اختر النساء اور ریحانہ کوثر جیسی شخصیات نے اقبال کو عظیم شاعر و مفکر کے طور پر پیش کیا۔ اس کے علاوہ جن خواتین اسکالروں نے کام کیا ان کی بھی خاصی بڑی تعداد ہے۔ اقبال شناس خواتین نے جس مہارت سے اقبال کی شاعری، افکار اور فلسفیانہ خیالات کو پیش کیا ہے وہ لائق تحسین ہے۔

اقبال خواتین کی نظر میں ! کو دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اقبال شناس خواتین نے جس محنت، لگن اور جوش و جذبے کے ساتھ حصّہ لیا وہ نہ صرف قابلِ داد ہے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ خواتین اقبال شناسی میں بھی کامیاب نظر آتی ہیں۔ بلاشبہ اقبالیاتی تحقیق میں ان خواتین نے اہم کردار ادا کیا اور اقبالیات کی تاریخ ان خواتین محققوں کے ذکر کیے بغیر نامکمل رہے گی۔

حمیرا جمیل اقبالیات پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ نوجوان خواتین میں اقبال شناسی کے حوالے سے اس کتاب کو علمی اور ادبی حلقوں میں سراہا جائے گا۔ یہ کتاب اقباس شناسی کے فروغ میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ میری دعا ہے کہ شوق منزل کا یہ سفر اسی طرح جاری وساری رہے۔ حمیرا کی کتابوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے اور انہیں علمی اور ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوتی رہے۔ یہ اُن کے کیریئر کے لیے مزید ترقی کا باعث بنے گا۔ اقبالیات سے ان کی محبت کا یہ سفر اسی طرح رواں دواں رہے۔

ڈاکٹر طاہر عباس طیب
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو
۶ جولائی ۲۰۲۱ء

حمیرا جمیل: پُر دَم ہے اگر تُو تو نہیں خطرۂ افتاد!

قیامِ پاکستان سے قبل ہی اقبال شناسی کی بنیاد پڑ چکی تھی لیکن اُس میں خواتین کا حصّہ نا ہونے کے برابر تھا۔لیکن پاکستان کے قائم ہونے کے بعد جہاں اقبال شناسی میں حضرات نے اپنا کردار بخوبی نبھایا وہیں خواتین نے بھی اس میں حصّہ ڈالا۔اس میں کچھ شک نہیں کہ مردوں کے مقابلے میں اُن کی تعداد کم ہے لیکن اُن کی اس کاوش کو جو کہ اقبال شناسی کے فروغ کا ذریعہ بنی بالکل بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ایسا ہی ایک بڑا نام عطیہ فیضی کا ہے۔جنہوں نے اپنی انگریزی بیاض میں اقبال شناسی کے اُن پہلوؤں کو اُجاگر کیا جو دوسرے تمام مصنّفین اور اقبال کے رفقاء سے پوشیدہ تھے۔جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عطیہ فیضی خود یورپ میں اقبال سے ملیں اور وہ تمام لمحات و واقعات جو اقبال کے ساتھ گزرے' اُن کو قلمبند کیا۔عطیہ فیضی کی اس کتاب نے اقبال شناسی میں تحقیق کو نئے زاویے مہیا کیے اور اقبال کی حیات کے وہ پہلو ہمارے سامنے آئے جو اس سے قبل پوشیدہ تھے۔اس کے علاوہ بھی اقبال شناسی کے فروغ میں گاہے بہ گاہے خواتین اپنا حصّہ ڈالتی رہیں۔اگر قیامِ پاکستان کے بعد اس اب تک اس فہرست پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فکرِ اقبال کے فروغ میں خواتین کا کردار بھی دوسرے شعبہ جات کی طرح کسی سے کم نہیں۔خواتین جن کا تعلّق چاہے پاکستان سے ہو یا دیارِ غیر سے' اقبال سے اُن سے والہانہ عقیدت ڈھکی چھپی نہیں۔دیارِ غیر سے ایسا ہی ایک نام ڈاکٹر این میری شمل کا ہے' جن کا تعلّق جرمنی سے تھا۔شمل نے یورپ میں بالعموم اور جرمنی میں بالخصوص علامہ اقبال کی شخصیت اور اُن کی فکر کو متعارف کروایا۔علامہ اقبال کی فکر پر آپ کی تحریریں قابلِ توجہ ہیں۔فکرِ اقبال کی ترویج کے لیے آپ کی کوششوں کو سراہتے ہوئے حکومت پاکستان نے آپ کو ستارۂ امتیاز اور ہلالِ امتیاز سے بھی نوازا۔اقبال شناسی کا یہ سلسلہ رُکا یا تھما نہیں بلکہ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔

خود کلامِ اقبال میں علامہ محمد اقبال نے خواتین کا تذکرہ کیا ہے تو یہ کیسے ممکن نہ تھا کہ خواتین بھی ترویجِ فکرِ اقبال میں مردوں سے پیچھے رہتیں۔علامہ اقبال نے اپنی کئی نظموں کے نام خواتین کے ناموں پر رکھے ہیں اور کچھ نظموں کے عنوان سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں موضوع خواتین ہیں یا پھر کسی خاتون کا تذکرہ ہے۔ضربِ کلیم میں تو پورا ایک حصّہ ''عورت'' کے نام سے معنون کیا گیا ہے۔جس میں علامہ اقبال کے خواتین کے بارے میں

نظریات وتصورات واضح ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے اپنی نثری تحریروں میں بھی خواتین کا تذکرہ کیا ہے جن میں ''خطبہ علی گڑھ''اور''قومی زندگی'' شامل ہیں۔آپ اپنی انگریزی بیاض میں تحریر کرتے ہیں کہ''کسی بھی معاشرے میں مذہب کا اصولی محافظ کون ہے؟ جواب ہے: عورت۔مسلمان عورت کو صحیح مذہبی تعلیم حاصل ہونی چاہیے کیونکہ عملاً وہی معاشرے کی معمار ہیں''۔علامہ محمد اقبال بنیادی طور پر ایک مفکر ہیں جن کی نظر ہر شعبۂ زندگی پر رہی۔ اُنھوں نے انسانی حیات سے وابستہ مختلف اُمور پر اظہارِ خیال فرمایا اور خصوصیّت کے ساتھ اپنی شاعری میں فرد کی ذات،انسانی حیات اور جملہ اُمورِ حیات پر عالمانہ وفلسفیانہ نگاہ ڈالی۔حکیم الامت استحکام معاشرت میں عورت کی اہمیّت کے قائل تھے۔ضربِ کلیم میں اُنہوں نے نہایت حکیمانہ اور بصیرت افروز پیرایے میں عورت کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اُسی دُرج کا دُرِ مکنوں!
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!

پاکستان کے بڑے شہروں کے علاوہ دور دراز کے علاقوں سے بھی خواتین نے افکارِ اقبال کے فروغ کے لیے اپنا کردار بخوبی نبھایا ہے۔ایسا ہی ایک نام موجودہ دور میں محترمہ حمیرا جمیل کا ہے۔جو شہرِ اقبال سیالکوٹ کے ایک نواحی علاقہ سے تعلّق رکھتی ہیں۔علامہ اقبال سے محبت اِنہیں بچپن سے ہی میسر آئی جب سکول میں آپ نے کلام اقبال کو سنا اور اُسے یاد کیا۔علامہ اقبال سے والہانہ عقیدت میں روز بہ روز اضافہ ہوتا چلا گیا اور آپ نے اپنے ایم۔ فل کے تحقیقی مقالے کے لیے جس عنوان کا انتخاب کیا وہ''قیامِ پاکستان کے بعد اقبال شناسی میں خواتین کا کردار'' تھا۔آپ نے اپنی انتھک محنت اور لگن سے اس موضوع کے ساتھ نہ صرف انصاف کیا بلکہ ہمارے سامنے بہت سے ایسے پنہاں پہلو عیاں کیے جو عام قارئین کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔موضوع انتہائی تحقیق طلب تھا لیکن حمیرا جمیل نے اس کو بخوبی نبھایا۔جیسا کہ میں نے اُوپر دو خواتین کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے جنہوں نے اقبال شناسی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا،اگر میں یہ کہوں کہ حمیرا جمیل کو بھی اقبال شناسی میں ایک منفرد مقام حاصل ہو چکا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔آپ اقبال شناسی کی ترویج میں وہ پہلی خاتون ہیں جنہیں کلامِ اقبال اُردو کی مکمل شرح لکھنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔اس طرح اس ضمن میں اقبالیات میں آپ کا نام ہمیشہ سرفہرست رہے گا۔آپ نے شاعرِ مشرق کی شعری

اُردو تصانیف بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کے اُردو حصّہ کی شرح مکمل کی۔ آپ سے قبل کلامِ اقبال کی جو شرحیں شائع ہوئیں تھیں، وہ سب مرد حضرات کی لکھی ہوئی تھیں۔ یہ تمام شروح علیحدہ علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہوئیں جنہیں بعد ازاں یکجا (ایک کتاب) بھی شائع کر دیا گیا ہے۔ حمیرا جمیل سے قبل بھی کلامِ اقبال کی شرحیں شائع ہوئیں لیکن حمیرا جمیل نے یہ شرحیں آسان اور عام فہم انداز کو اختیار کیا ہے۔ یہاں حمیرا جمیل کو ایک اور اعزاز بھی حاصل ہے کہ کلامِ اقبال کی شرحیں لکھنے والے اب تک جتنے بھی افراد ہیں اُن میں حمیرا جمیل سب سے کم عمر ہیں۔ حمیرا جمیل کو علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر سے جو لگن ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شہرِ اقبال سے ایک ایسی آواز بننا چاہتی ہیں جس کا مقصد نسلِ نو میں افکارِ اقبال کو فروغ دیا جائے۔ اس کا اظہار وہ خود اِن الفاظ میں کرتی ہیں کہ ''میں نے اس کلامِ اقبال کی شرح لگن اور محنت سے کی ہے حالانکہ میرے پیشِ نظر عام قاری کی نسبت زیادہ تر طلبہ ہیں، اس لیے کوشش کی ہے کہ زبان سادہ اور عام فہم ہو''۔ جب وہ کلامِ اقبال کی شرح پر قلم اُٹھا رہی ہوں گی تو اُس وقت اُن کے پیشِ نظر اس سے قبل کلامِ اقبال کی شرحیں بھی ہوں گی، جن سے اپنا الگ راستہ بنانا ایک کٹھن مرحلہ ہوگا لیکن حمیرا جمیل کی لگن نے اس دشوار مرحلہ کو بآسانی عبور کیا اور اپنی سلیس زبان میں کلامِ اقبال کی شرح کو ہم تک پہنچایا۔ کلامِ اقبال اُردو کی شرح سے قبل آپ نے معروف اقبال شناسوں کے مختلف مضامین کو ایک کتابی صورت میں مرتب کیا تھا، جو اقبالیاتی ادب میں ایک خوب صورت اضافہ تھا۔ آپ نے یہ کتاب ''بیانِ اقبال: فکرِ اقبال کا توضیحی بیان'' کے عنوان سے مرتب کی تھی۔ اس کتاب میں اُن ماہرین اقبالیات کے مضامین شامل ہیں جنہوں نے اقبالیات کا نہ صرف گہرا مطالعہ کر رکھا تھا بلکہ فروغِ فکرِ اقبال کا باعث تھے۔

اگر ہم حمیرا جمیل کے ادبی ذوق کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں اُن کی بہت سی ادبی تحریریں بھی ملتی ہیں۔ آپ کا یہی شوق آپ کو کلامِ اقبال کی شرح سے پہلے ادبی حلقوں میں متعارف کروا چکا تھا۔ حمیرا جمیل کی دو کتب جو کہ ''تلخ حقیقت'' (کالموں کا مجموعہ) اور ''درد کا سفر'' (افسانے) منظرِ عام پر آ چکے تھے۔ ان دونوں کتب پر بھی آپ کی خوب پذیرائی ہوئی۔ حمیرا جمیل سے میرا تعلّق گزشتہ ایک سال سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ مجھے آج بھی وہ پہلی ملاقات یاد ہے جو اِن سے اقبال منزل، سیالکوٹ میں ہوئی۔ میرے لیے یہ لمحہ حیرت ناک تھا کہ ایک کم عمر لڑکی، جس کا تعلّق سیالکوٹ سے ہے، اتنی کم عمری میں کس قدر ادبی ذوق رکھتی ہے۔ بلاشبہ حمیرا جمیل نسلِ نو کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

میں دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حمیرا جمیل کو مزید علمی اور فکری کام کرنے کی توفیق دے۔

میاں ساجد علی

چیئرمین۔ علامہ اقبال سٹمپ سوسائٹی

پیش لفظ

''کامیابی'' وہ انسان جو اپنے شعبے کی بلند چوٹی پر پہنچا ہے۔اُس نے اپنے راستے میں آنے والے ہر پتھر کو چوم کر خراشیں قبول کیں۔کامیاب بننے کے لیے ناکامیوں اور پریشانیوں کی تمام سرحدیں پار کرنا پڑتی ہیں۔اس طرح میں ایک عمدہ انسان کو ایک عمدہ قلم سے تشبیہ دیتی ہوں۔کیونکہ بہتر لکھنے کے لیے بار بار تراشے جانے کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔۔میرا ماننا ہے کہ اپنی منزل کو پانے کے لیے انساں کو یقین جیسے مضبوط قلم کے علاوہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑتی۔اس وقت جس موضوع پر میں نے لکھنے کی جسارت کی ہے اسے اقبال جیسی ہمہ گیر اور عالمی سطح کی شخصیت پر کوئی تحقیق یا تنقید سمجھنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہے۔بہر حال تحقیق کے بغیر تنقید اور علم وادب کا ارتقائی سفر رُک جاتا ہے۔لہٰذا میں اپنے موضوع کے انتخاب کے مطابق علم کا سفر جاری رکھتی ہوں۔

علامہ اقبال مفکرِ اسلام، فلسفی، شاعر، ادیب، شاعر مشرق کا اعزاز رکھنے والے، تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔اقبال ماضی، حال اور مستقبل تینوں کا احساس اور گہرا ادراک رکھتے ہیں۔دنیا بھر میں تحقیق و تنقید کے حوالے سے، اقبال کے فکر وفن پر بہت کام ہوا۔گو کچھ موضوعات ابھی بھی تشنہ، اور نظر ثانی کے منتظر ہیں۔اقبال پر کام کرنے کے لیے بہت سے ادارے اور جامعات میں شعبہ جات قائم ہو چکے ہیں جہاں پر اقبال پر تحقیقی و تنقیدی نوعیت کا کام جاری ہے۔موضوعات کے اعتبار سے اقبال کی شخصیت وفن ہمہ گیر ہے۔اقبال شناسی کے میدان میں اقبال شناس حضرات کا بہت کام ملتا ہے اور ان کے کیے گئے کام کا انفرادی و اجتماعی جائزہ مختلف مقالات اور کتب میں لیا جا چکا ہے۔مگر اقبال شناسی کے اس میدان میں خواتین کے کام کو انفرادی طور پر تو سراہا گیا لیکن مجموعی طور پر خواتین کے تحقیقی و تنقیدی کام کا جائزہ نہیں لیا گیا نتیجتاً خواتین بحثیت اقبال شناس پردہ اخفا میں ہی پڑی رہیں اور ان کے کام کو وہ پذیرائی نہ مل سکی جس کی وہ حق دار تھیں۔اس کتاب میں ان اقبال شناس خواتین کی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلے باب میں اقبال شناسی کا مفہوم اور روایت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔دوسرے باب میں زمانی اعتبار سے اقبال شناس خواتین کی تصانیف پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔تیسرے

باب میں دیگر زبانوں کی اقبال شناس خواتین کی کتب کا جائزہ زمانی اعتبار سے پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں ادبی رسائل کا مختصراً تعارف، جامعات میں اقبال شناسی (فہرست مقالات)، پر روشنی ڈالی گئی ہے۔آخری باب میں تمام تصانیف کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ موضوع اقبال شناسی کے حوالے سے تحقیق وتنقید کا ایک نیا دور وا کرتا ہے۔اس لیے جہاں تک ممکن ہوسکا میں نے زیادہ سے زیادہ خواتین اقبال شناسوں کی تصانیف کو تلاش کر کے شامل کیا مگر کچھ کتب کی عدم دستیابی اور وقت کی کمی کی بناء پر چند تصانیف کو اس کتاب میں شامل نہ کیا جاسکا۔اس کتاب میں غیر ضروری تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے اختصار سے خواتین کی اقبال شناسی کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتی کہ میری یہ کتاب ہر لحاظ سے جامع و مانع ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ میں نے اُسے جامع بنانے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔

اپنے محترم والدین خصوصاً والدِ محترم کا شکر یہ تو شاید میں کسی طور بھی ادا نہ کرسکوں کیونکہ ان کی دعاؤں، محبتوں اور شفقتوں کے سامنے الفاظ عاجز اور ہیچ ہیں۔ میری یہ کتاب ایک کاوش ہے اور اس طرح کی کاوشوں میں کوئی بات حتمی نہیں ہوتی۔ میں نے اپنی حد تک اس کو بہتر سے بہتر صورت میں پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

(الف) اقبال شناسی کا مفہوم

علامہ اقبال برصغیر کے عظیم شاعر، مفکر اور مصلح ہیں جنہوں نے اپنے عمیق خیالات اور انقلابی افکار کے اظہار کے لیے بیک وقت اردو فارسی اور انگریزی زبان کو وسیلہء اظہار بنایا۔ان کی شاعری اردو اور فارسی میں جبکہ خطبات اور مقالات انگریزی میں موجود ہیں۔جبکہ انہوں نے مکاتیب اردو زبان میں لکھے۔ان کا فکر و فلسفہ محض شاعرانہ خیال یا فلسفیانہ تصور نہیں بلکہ ایک واضح حکمت عملی کا درجہ رکھتا ہے جس کی تصدیق ان کے اپنے فرمان سے ہوتی ہے:

یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے[1]

اقبال مفکرِ اسلام، حکیم الامت، شاعرِ مشرق، دانائے راز، ترجمانِ خودی اور نجانے کتنے ہی خطابات و القاب کے حق دار ہیں۔ ہر فرد اور ہر طبقے کا اپنا اقبال، جس کے فکر نے تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیا، جس کے کلام نے صورِ اسرافیل کا کام کیا اور امت مرحوم کی عروق مردہ میں خونِ زندگی کی گردش کا باعث بنا۔ وہی اقبال ،جس نے پوری دنیائے ادب اور فکری رویوں کو متاثر کیا۔وہی اقبال جو دنیا بھر میں اردو بولنے والوں کی نہ صرف پہچان ہے بلکہ فخر و ناز کا باعث بھی ہے۔اسی اقبال نے ایک قوم کو پستیوں سے نکال کر خود شناسی کے افلاک پر متمکن کیا۔صاف ظاہر ہے کہ جو مسیحا نفس اپنے کلام سے اتنا بڑا کام لینا چاہتا ہو اس کے نزدیک پرانے الفاظ اور معانی اپنی حقیقت کھو بیٹھتے ہیں لہٰذا اس نے نئی تراکیب ایجاد کیں، نئے الفاظ وضع کیے اور بعض خاک افتادہ الفاظ کو اٹھایا اور ہمدوشِ ثریا بنا دیا۔متبذل اور ناپسندیدہ معنوں میں استعمال ہونے والے الفاظ نئی معنوی شان و شوکت سے آشنا ہوئے۔اقبال کے فارسی اور اردو کلام میں ہزاروں تازہ بتازہ اور نو بہ نو تراکیب اور الفاظ موجود ہیں۔وہ چونکہ حقیقی معنوں میں علامہ تھے۔اس لیے ان کے ذخیرہ الفاظ نے فارسی اور اردو کی علمی و ادبی دنیا کو حیرت زدہ کر کے رکھ دیا۔علامہ اقبال ایک ایسی عظیم شخصیت ہے۔وہ فکری طور پر بیدار، روحانی غور و فکر کے حامل انسان ہیں جو اسلامی تہذیب و تمدن اور ایمان کو زندہ کرنے والا اہل سخن اور ادیب ہیں۔اس وجہ سے سلیم احمد عظمتِ اقبال کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اقبال ہمارے ماضی قریب کی عظیم ترین علمی ،فکری اور سیاسی شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔۔۔اس کے علاوہ وہ مشرق ومغرب کے فلسفوں سے بھی آ گاہ اور عہد حاضر کے علوم مسائل سے باخبر ایک ایسی شخصیت ہیں جن کی نظیر جدید مشرق میں مشکل ہی سے ملتی ہے۔ پھر وہ ایک ایسے تہذیبی اور سیاسی نظریئے کے بانی ہیں جس نے ایک ملک کوجنم دیا ہے اور ان کی یہ حیثیت ایسی ہے جو تاریخ عالم میں کسی شاعر یا مفکر کو حاصل نہیں ہوئی۔''(۲)

دنیائے علم وادب ،فلسفہ وسائنس اور تاریخ وسیاست میں اقبال ایک ایسی منفرد حیثیت حاصل کر چکے ہیں کہ مشرق ومغرب ان کی عظمت کے قائل ہیں۔ڈاکٹر سلیم اختر اقبال کو''ممدوح عالم'' قرار دیتے ہیں:

''آج کی تمام مہذب دنیا اقبال کے نام اور افکار سے واقفیت رکھتی ہے۔''(۳)

اقبال اپنے عہد کی مختلف تحریکات اور رجحانات کا نہ صرف گہرا شعور رکھتا تھا بلکہ اس کے صحت مند عناصر کو جذب کرنے کی بھر پور صلاحیت سے بھی بہرور تھا۔مغرب اور مشرق کے بیشتر ممالک کی زبانوں میں اُن کی شاعری کے تراجم ہو چکے ہیں اور متعدد ممالک کے دانشوروں نے اُن کے افکار وتصورات کی توضیح وتشریح کے لیے مقالات تحریر کیے اور کتابیں طبع کیں۔علامہ اقبال کی صورت میں ہمیں وہ فلسفی شاعر ملتا ہے جسے مسلمانوں نے تو سر آنکھوں پر بٹھایا لیکن تعجب ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام والے مغرب یورپین ممالک اور اس نظام کے مخالف سوشلسٹ ممالک میں بھی علامہ اقبال کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔صرف چند ممالک کے معروف اقبال شناسوں کے ناموں سے پیغامِ اقبال کی عالمگیر مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔آر اے نکلسن ، ہربرٹ ریڈ، اے جے آربری، ای ایم فاسٹر (برطانیہ)، ایساندرو بوزانی، جی توچی (اٹلی) اینا میری شمل (جرمنی) ایوامار یووچ، لوس کلوڈ میتخ (فرانس)، ژاں ماریک (چیکوسلواکیہ)، بخو چوف، ایل آر گورڈن پولنسکایا، نکولائی گلیبوف، نتالیا پری گارنیا، ایم ٹی ستے نتیس (روس) یہ صرف چند نام ہیں ورنہ دنیا کی بیشتر اہم زبانوں میں علامہ کی شاعری کے تراجم ہوئے، افکار وتصورات کی صراحت میں مقالات تحریر کیے گئے اور کتابیں طبع کی گئیں۔

اس تناظر میں مسلم ممالک میں ایران، مصر، ترکی، افغانستان، مراکش، انڈونیشیا اور متعدد دیگر مسلم ممالک کے دانشوروں کی فکر اقبال سے دلچسپی اور اقبال شناسی کے فروغ کی وجہ بنی۔زبان کا اشتراک ذہنی روابط کا بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ عالم ہے کہ علامہ اقبال ایران میں اسی طرح مقبول ومعروف ہیں جیسے کوئی مقامی شاعر۔اقبال شناسی برصغیر کی حدود عبور کر کے ایک ایسی عالمی روایت کا درجہ اختیار کر چکی ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئی رفعتوں اور نئی وسعتوں کو چھو رہی ہے۔ پروفیسر منور مرزا اقبال کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''علامہ اقبال کا کلام اوران کا فکر محض برِاعظم کی وسیع وعریض حدود تک ہی محدود نہ رہا بلکہ وہ سیاسی، جغرافیائی

اور نسلی حدود کو عبور کر کے کہیں سے کہیں جا پہنچا۔ آج علامہ اقبال کی حیثیت ایک بین الاقوامی مفکر اور معلم کی ہے اور یہ امر مسلم ملت کے لیے اور پاکستان کے لیے لائق صد فخر ہے۔''(۴)

اس لیے کہ جو لوگ اقبالیات یا اقبال شناسی کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں ان کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ان دو اصطلاحات کے اندر فرق موجود ہے۔''اقبالیات'' ایک شعبۂ علم ہے، جس میں اول اقبال کی شعری وفکری تصانیف اور مقالات و مکاتیب و بیانات شامل ہیں اور دوم ایسی تمام تحریرات وتحقیقات جو حیات وتصانیف اقبال کے تشریحی وتوضیحی اور تنقیدی مطالعات پر مبنی ہیں۔ جبکہ اقبال شناسی میں موجود لفظ ''شناس'' وضاحت کا متقاضی ہے مولوی سید احمد دہلوی نے ''فرہنگ آصفیہ'' میں لکھا ہے:۔

''شناس'' (ف) مرکبات میں) جیسے مردم شناس، قدر شناس، حق شناس وغیرہ یعنی آدمی کو پہچاننے۔ قدر جاننے اور حق کی تمیز کرنے والا ہے''۔ (۵)

اسی طرح وارث سرہندی ایم اے نے ''علمی اُردو لغت'' (جامع) میں یوں لکھا ہے:

''''شناس'' [ف۔صف] فارسی مصدر ''شناختن'' کا امر جو اسم کے بعد آ کر اسے اسم فاعل بناتا ہے اور پہچاننے والا کے معنی دیتا ہے مثلاً ''قدر شناس۔'' (۶)

اقبال شناسی وہ علمی روایت ہے جس کی بنیاد حیات وافکار اقبال کی تفہیم کے سلسلہ میں کی جانے والی اب تک کی کاوشوں کو قرار دیا جاتا ہے۔ اور اقبال شناسی کی روایت سے وابستہ اہل علم کو اقبال شناس، اقبال سکالر یا ماہر اقبال کہا جاتا ہے۔ قاضی مرحوم ایسے اصحاب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''اقبالین'' کی اصطلاح کو موزوں سمجھتے ہیں جنھوں نے اقبالیات کو اپنا خاص موضوع بنایا ہے اور ان پر مستقل کتابیں اور مضامین لکھے ہیں۔ وہ ان کے لیے اقبال شناس کی اصطلاح بھی استعمال کرتے ہیں اور شیخ عبدالقادر، عطیہ فیضی، چودھری محمد حسین، ڈاکٹر یوسف حسین خان، ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی، خواجہ غلام السیدین، مولانا اسلم جیراج پوری، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، سید نذیر نیازی، ممتاز حسن، حفیظ ہوشیار پوری، سید عبدالواحد، ڈاکٹر عشرت حسن انور، ڈاکٹر میر ولی الدین، میر حسن الدین اور ڈاکٹر سید عبداللہ کو اقبالین کی فہرست میں جگہ دیتے ہیں''۔ (۷)

پاکستان میں اقبال شناسی کے فروغ میں مختلف درسگاہوں کے اساتذہ کا کردار نہایت اہم رہا ہے جنھوں نے کلام وافکار اقبال کے ساتھ اپنی دلچسپی اور وابستگی کو اپنے عزیز طلبہ کے دلوں میں جاگزیں کیا اور اس سلسلے کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنے۔ پروفیسر عابد علی عابد، صوفی تبسم، ڈاکٹر سید عبداللہ، پروفیسر سید وقار عظیم، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر افتخار صدیقی، پروفیسر عبدالشکور احسن، ڈاکٹر وحید قریشی، منور مرزا، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر تبسم کاشمیری، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر سعادت

سعید، ڈاکٹر نعیم احمد، ڈاکٹر تحسین فراقی اور ڈاکٹر آصف اعوان کے اسمائے گرامی اس ضمن میں چند مثالوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس حوالے سے ایران کے ڈاکٹر احمد علی رجائی نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے۔''اقبال ایک نو دریافت براعظم کی مانند ہیں جس میں کتنی ہی دلآویز اور قابل غور چیزیں ہنوز بحث طلب ہے''(۸)

ایک عالم کے دانشور اس نو دریافت براعظم کی کشش اور دلآویزی کے حسن کے کھوج میں نظر آتے ہیں۔عہد حاضر میں ہر جگہ اقبال شناس ملتے ہیں جنھوں نے اقبال شناسی کے مفہوم کو بہتر انداز سے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق قارئین کے سامنے سادہ اور عام فہم زبان میں پیش کیا۔تاکہ نسلِ نو پیغامِ اقبال سے استفادہ کر سکے۔قدرت نے اقبال کو نورِ معرفت، بصیرت، شاعرانہ فطرت اور دردِ دل عطا کرنے میں کھول کر فیاضی کی تھی جس کی مثالیں تاریخ عالم میں بہت کم نظر آتی ہیں۔اقبال علم، آزادی اور اجتہاد کا قائل تھا بیسویں صدی میں اقبال شناسی کے مفہوم سے بخوبی آگاہ ہونے کے لیے جن اصولوں کو رہنما بنایا گیا یقیناً اکیسویں صدی میں بھی انہی اصولوں کی رہنمائی میں اپنا رستہ بناتے ہوئے نئی منزلوں کی طرف گامزن رہے گی۔

(ب) اقبال شناسی کی روایت

علامہ اقبال ایک عظیم فلسفی شاعر، ادیب اور دانشور کے علاوہ عصر حاضر کے ایک روشن خیال مفکر ملت بھی ہیں۔جنھوں نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ پورے بنی نوع انسان کو اپنے حیات بخش پیغام سے نوازا۔اُن کے احساس کمتری کو دور کر کے اُن میں خودی اور خودداری کا جذبہ بیدار کیا۔عمل سے غافل قوم کو سعی پیہم کا درس دیا۔علامہ محمد اقبال کی ولولہ انگیز شاعری نے مسلمانان برصغیر کو حریت فکر سے آشنا کیا۔اُن کے انقلابی فکر وفلسفہ سے عالم انسانیت کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص ایک نیا جذبہ اور ولولہ ملا جس کی ضیاء پاشیوں سے عصر حاضر میں بھی تمام انسانیت بلا لحاظ مذہب وملت روشنی حاصل کرتی جارہی ہے۔مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ''نقوش اقبال'' میں کہتے ہیں:

> ''اقبال حکمت وفلسفہ اور دوسرے علوم نظری میں بھی اپنی ایک مخصوص رائے رکھتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ کوئی بھی نظریہ اور فلسفہ جب تک اپنی پشت پر جہد و جہاد کی قوت اور ایثار وقربانی کی ہمت نہیں رکھتا وہ زندہ نہیں رہ سکتا، فلسفہ ہو یا کوئی بھی علم ہو اگر محض علمی بحث ونظر، لفظی بازی گری اور مابعد الطبعی مناقشہ آرائی تک محدود ہے، اور زندگی کے میدان میں نہیں اترتا اور انسانی معاشرے کے مسائل سے صرف نظر کرتا اور اپنی الگ دنیا میں رہنا چاہتا ہے، تو ایسے علم وفلسفہ کے لیے زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔۔۔۔۔'' (۹)

علامہ محمد اقبال مسلمانان برصغیر کے ایک عظیم محسن ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو غیر اسلامی نظریات سے مرعوب نہ ہونے اور اپنے دین، ثقافت اور اقدار سے گہری وابستگی کے ذریعے نشاۃ الثانیہ کی راہ دکھائی۔اقبال کی حیات ہی میں ان کے خیالات کو عالمی سطح پذیرائی حاصل ہوئی۔ان کے پیش کردہ تصور کی بنیاد پر دنیا میں ایک نظریاتی مملکت کا قیام عمل میں آیا۔مصباح الحق صدیقی رقم طراز ہیں:

> ''اقبال نے پوری امتِ مسلمہ کے مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔وہ پوری دنیا کے اتحاد کے علمبردار تھے۔اس اتحاد کے لیے وہ کسی سیاسی دباؤ کے قائل نہیں تھے۔وہ یہ یگانگت صحیح قسم کے جذبہ اخوت اسلامی کے ساتھ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ان کے اس اتحاد کی بنیاد اسلام کے نظریہ حریت فکر واظہار رائے اور مساوات ہے۔'' (۱۰)

علامہ اقبال کے افکار آفاقی قدروں کے حامل ہیں۔اُن کا شمار اہلِ فکر ونظر میں ہوتا ہے جن کے افکار کی

روشنی سے ہماری آئندہ نسلیں بھی اکتسابِ فیض یاب ہوں گی۔علامہ نے جوانمردی سے تنگی حالات کا مقابلہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ان کے فلسفے کا نچوڑ جہدِ مسلسل ہے۔وہ مسلمانوں کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کے بجائے مسلسل جدوجہد کی ترغیب دیتے ہیں۔

اقبال نے فلسفے کو شعر کی رعنائی میں ڈھالا اور علم و عمل اور حقائق کے بیان کو نغمہ و آہنگ کا پیکر عطا کیا۔وہ ایسے شاعر اور مفکر ہیں کہ جن کی شاعری اور افکار محض اپنے عہد تک ہی محدود نہ تھے۔اُن کی شاعری راہ عمل کا تعیّن اور حرکت کا پیغام دیتی ہے۔اُن کا ہر شعر استعارہ ہیں نوجوان نسل کو شاہین قرار دیا ہے۔انہوں نے ایسی صداقتوں کو بیان کیا جن کی اہمیّت ہر دور میں برقرار رہتی ہے اور ہر دور میں برقرار رہے گی۔ڈاکٹر شاہد کامران نے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں فکر اقبال سے اجتہاد کی اہمیّت کو اجاگر کیا ہے۔بقول شاہد اقبال کامران:

> ''۔۔۔۔۔۔اقبال نے پوری توانائی کے ساتھ انفرادی اجتہاد کے بجائے اجتماعی اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا ہے۔لیکن اس ضمن میں وہ جس اہم تر پہلو کی طرف متوجہ کرتے ہیں وہ ہے کہ اجتماعی اجتہاد کا ذمہ دار کون ہو؟ جدید دنیائے اسلام کے حوالے سے بالعموم اور پاکستان کے موجود حالات کے تناظر میں بالخصوص یہ سوال بے حد اہمیّت رکھتا ہے۔اقبال کا فلسفہ تو یہ ہے کہ اجتماعی اجتہاد کا حق ایک منتخب شدہ مجلس قانون ساز سپرد کیا جانا چاہیے۔ایسی مجلس قانون ساز قرآن وسنت کی روشنی میں، اور جدید تقاضوں کے حوالے سے جو فیصلے کرے گی، وہ اجتماعی اجتہاد کہلائیں گے۔''(۱۱)

اہل علم و دانش کی جانب سے اقبال کی شاعری اور فلسفے کی طرف جس توجہ اور دلچسپی کا اظہار ہوا۔اس کا سلسلہ موجود عہد میں بھی جاری ہے۔اس کا اظہار شاعرِ مشرق کی شاعری اور فلسفے کے بارے میں آئے دن شائع ہونے والے مقالات اور کتابوں کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔''تاریخ ادب اردو'' میں ڈاکٹر رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:''وہ نوجوانان ہند کے بہترین شاعر ہیں کیونکہ انہی کے جذبات واحساسات کو وہ عمدہ طریقے سے ادا کرتے ہیں۔''(۱۲)

علامہ کی حیات، نظریات اور خدمات پر دنیا کی اہم زبانوں میں جو کام ہوا ہے وہ ایک قابل تحسین ہے۔اقبال پر تحقیق توضیح کا سلسلہ جاری رہے گا۔امریکہ، یورپ اور روس میں کلام اقبال کے تراجم ہو چکے ہیں اس طرح دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں جیسے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، اطالوی، روسی، چینی، جاپانی، ترکی اور فارسی وغیرہ میں اقبال پر کتابیں اور مقالات قلمبند کیے جا چکے ہیں۔

اقبال نے اگر چہ خطاب مسلمانوں سے کیا لیکن ان کا پیغام جغرافیائی حدود اور مذہبی عقائد کی قیود سے آزاد ہے۔ان کے افکار میں ایسی عالمگیر خصوصیات ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام کے افراد اور غیر مسلم بھی

ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ مراکش کے پروفیسر ایس۔ آئی۔ فہد رقم طراز ہیں:

> ''اقبال ایک ہمہ گیر شخصیت ہیں۔ آپ کی ہمدردیاں اتنی وسیع ہیں کہ ان میں تمام دنیا کے انسان بلا امتیاز نسل و ملک سما جاتے ہیں۔ آپ عظمت، انسانی کے علمبردار ہیں۔ اسی لیے اقبال کو مشرق و مغرب میں یکساں عزت حاصل ہے۔''(۱۳)

اقبال نے فلسفہء مغرب کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اس کا فلسفہ نطشے اور برگساں کا بڑی حد تک مرہون منت ہے۔ اس کی شاعری شیلے کی یاد دلاتی ہے لیکن وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے سوچتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ بہت مقبول ہے۔ وہ مذہب کے بارے میں بہت پر جوش ہے۔ وہ ایک نئے حرم (مکہ) کی تعمیر میں مصروف ہے۔ اس نئی بستی سے مراد ایک عالمگیر مذہبی مثالی ریاست ہے جس میں دنیا بھر کے مسلمان نسل و وطن کی قید سے بے نیاز ہو کر ایک ہو جائیں۔ وہ استعماریت اور وطنیت کا مخالف ہے۔ اس طرح آر۔ اے۔ نکلسن اقبال کی شاعری کو پیغمبری قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''وہ شاعر کم عیار نہیں، جہاں منطق ناکام ہوتی ہے وہاں اس کی شاعری ذہن کو جلا بخشتی اور قائل کرتی ہے۔ اس کا شاعرانہ پیغام محض ہندی مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس نے عالم اسلام کو مخاطب کیا اس لیے وہ ہندوستانی زبانوں کے بجائے فارسی میں دادسخنوری دیتا ہے۔ اظہار کے لیے فارسی کا انتخاب اس بنا پر خوشگوار ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان فارسی زبان وادب سے مانوس ہیں۔ فارسی زبان فلسفیانہ خیالات کے ابلاغ کے لیے موزوں بھی ہے اور دلکش بھی، اقبال ایک پیغمبر کے روپ میں آتا ہے اور اپنے زمانے کے ساتھ ساتھ آنے والی نسلوں سے بھی مخاطب ہوتا ہے۔ من نوائے شاعر فرداستم۔''(۱۴)

علامہ محمد اقبال کی سوچ اور فکر کا مرکز و محور قرآن تھا اور صاحبِ قرآن تھے۔ وہ ایسے تصوف کے قائل تھے جو مردہ جسموں میں نئی روح پھونک دے۔ اقبال کے فلسفے کی بنیاد قرآن مجید کی تعلیمات پر استوار ہے۔ وہ متعصب مسلمان نہ تھے انہیں جہاں سے بھی روشنی ملی انہوں نے اسے حاصل کرنے میں تامل نہ کیا۔ وہ بیک وقت مسلمان صوفیانہ، مغربی فلاسفروں اور ہندو دانشوروں سے متاثر تھے، جس کے نتیجے میں ان کا کلام قلب روشن کا آئینہ بن گیا۔ ایسا آئینہ کہ جس میں غیر مسلم اقوام بھی اپنے خدوخال کی شناخت کر سکتی ہیں۔ مشہور انگریز نقاد اور ناول نگار ای۔ ایم فاسٹر نے علامہ اقبال کے اس پہلو کو سراہتے ہوئے لکھا تھا:

> ''اقبال کٹر مسلمان تو تھا مگر وہ کہنہ روایات کا پرستار نہ تھا۔۔۔۔۔۔ اس کے خیالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں مگر وہ انتہا پسند اور متعصب نہ تھا۔''(۱۵)

اقبال نے تمام عمر انسانی عظمت کے گیت گائے، یہ صرف جذباتی سطح پر ہی نہیں تھا بلکہ انہوں نے ان عوامل و

محرکات تک پہنچنے کی کوشش کی جو انسان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑتے ہیں۔اقبال ملک کے معاشی وسائل اور عوام کی اقتصادی صورت حال کی اہمیّت سے بھی آ گاہ تھے۔چنانچہ انہوں نے اپنی اولین تالیف ''علم الاقتصاد'' میں ان اقتصادی امور کی نشاندہی کی جو اقوام اور افراد کو معاشی بدحالی کی دلال میں پھنسا دیتے ہیں۔اس کے بعد انہوں نے ان مسائل کا فکری سطح پر مطالعہ کر کے جو نتائج اخذ کیے وہ عالمگیر اہمیّت کے حامل ثابت ہوئے۔

''مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبال نے اپنے افکار کی ہمہ گیریت کی بناء پر عالمگیر مقبولیت حاصل کی۔ڈاکٹر یوسف حسین خان اپنی کتاب ''غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات'' میں کہتے ہیں کہ ''اقبال کو چونکہ اپنا پیغام عام لوگوں کو پہنچانا تھا اس لیے اس کے بیان میں وضاحت اور پھیلاو ہے۔اقبال کی نوائے گرم کی بلند آہنگی اس کی مقصدیت کی اندرونی لہر سے ہم آہنگ ہے۔''(۱۶)

لوس کلوڈا اپنے مضمون "Iqbal A Great Humanist" میں لکھتی ہیں:

"Muhammad iqbal is one of thegreatest Figures in the literary history ofthe east. He come at a difficult moment to give courage and hope not only to the muslimsofindia)atatimewhenpakistandidnotstateexist(buttoawholenation sunk into a state of black despair"(۱۷)

اقبال ایک ہمہ گیر شہری ہیں۔آپ کی ہمدردیاں اتنی وسیع ہیں کہ ان میں تمام دنیا کے انسان بلا امتیاز نسل و ملک سما جاتے ہیں۔آپ عظمتِ انسانی کے علمبردار ہیں اس لیے اقبال کو مشرق و مغرب میں یکساں عزت حاصل ہے۔

ڈاکٹر منظور الدین احمد اپنے مضمون "Iqbal's Theory of Muslim Community and Islamic Universalis" میں اقبال کی سوچ اور ان کے پیغام کو پیغمبرانہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Iqbal,s vision,indeed,prophetic.TheIslamicpepub ofPakistan bears testimony to the political insight and state mansh is so for as he had demanded the creation of a seprate Muslim state based on his two nation theory"(۱۸)

برصغیر و پاک و ہند کے علاوہ مغرب اور دنیا کے کئی ممالک میں اقبال شناسوں نے اقبال پر کئی حوالوں اور زاویوں سے کام کیا ہے۔برصغیر پاک و ہند میں مولوی احمد دین سے لے کر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور برصغیر پاک و ہند سے باہر مغرب میں نکلسن سے لے کر ڈاکٹر این میری شمل تک اقبال شناسی کی روایت پھیلی نظر آتی ہے۔صرف مرد حضرات کا ہی اقبال شناسی پر کام موجود نہیں بلکہ خواتین کا بھی اقبال پر کیا گیا کام قابلِ تعریف ہے۔

مختلف شہروں میں اقبالیاتی تحقیق پر مشتمل کتب کی اشاعت، اقبال شناسی کا ایک شاخسانہ ہے۔ اقبال اور لاہور، اقبال اور گجرات، اقبال اور لیہ، اقبال اور بھوپال، اقبال اور کشمیر، اقبال اور بلوچستان، اقبال اور افغانستان ، اقبال اور سرگودھا، اقبال اور سیالکوٹ ، اقبال اور ڈیرہ غازی خان ، اقبال اور ہند، اسی طرح کی کئی کتب مختلف شہروں کے اقبالیاتی کام کو متعارف کروا رہی ہیں۔ پاکستان میں اقبال شناسوں کی ایک بڑی جماعت کام کر رہی ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

ڈاکٹر آصف جاہ، ڈاکٹر آغا یمین، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر ابومحمد مصلح، ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر قاضی احمد اختر جوناگڑھی، احمد سعید، احمد سلیم علوی، مولانا غلام رسول مہر، احمد ندیم قاسمی ، ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان، اسلم عزیز درانی، سید اصغر علی شاہ، خواجہ اعجاز احمد بٹ، اعجاز الحق قدسی ، افتخار احمد صدیقی، سید افتخار حسین شاہ، افضل حق قریشی، محمد دین تاثیر، اقبال سنگھ، اکبر حسین قریشی، ڈاکٹر اکبر علی، شیخ اکبر علی، امجد علی شاکر، انعام الحق کوثر، ڈاکٹر انور رومان، ڈاکٹر انور سدید، ایم ایس عمر فاروق، ایم رمضان گوہر، ایم ایس۔ ناز، ڈاکٹر ایوب صابر، محمد سہیل عمر، اے جی نیازی، اے فاروق محمد احمد خان، اے۔ ایم خالد، بختیار حسین صدیقی، بشیر احمد ڈار، بصیرہ عنبرین، بیگم صفیہ اسحاق، ڈاکٹر پروین شوکت علی، پیر عبداللطیف خان نقشبندی، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر تصدق حسین راجا، پروفیسر جابر علی سید، ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، سید جمیل احمد رضوی، ڈاکٹر محمد مسعود ملک، ڈاکٹر مشفق خواجہ، ڈاکٹر حسن رضوی، حضور احمد سلیم، حق نواز، حمید احمد خاں، حمید رضا صدیقی، اجمل صدیقی، ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، خالد الماس، ڈاکٹر خالد حمید شیدا، ڈاکٹر خالد ندیم، خالد نظیر صوفی، خرم علی شفیق، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، داود عسکر، ذوالفقار احمد تابش، ڈاکٹر ذوالفقار حسین، ڈاکٹر راشد حمید، ڈاکٹر رحیم بخش شاہین، رشید احمد انگوی، رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر رضی الدین ہاشمی، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، رئیس احمد جعفری، زاہد فاروق ملک، ڈاکٹر زاہد منیر عامر، زمرد محمود، محمود الحسن، زیب النساء سرویا، زبیدہ رئیس، ڈاکٹر سعادت سعید، سعد احمد رفیق، سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر سعید اختر درانی، سعید راشد، ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین، سلیم احمد، ڈاکٹر سلیم اختر، سمیرا نسرین، ڈاکٹر سہیل بخاری، محمد سہیل عمر، احمد جاوید، خرم شفیق، ڈاکٹر سید تقی عابدی، ڈاکٹر شاہد اقبال کامران، شریف بقا، شریف کنجاہی، شفیق الرحمٰن ہاشمی، ڈاکٹر شفیق عجمی، ڈاکٹر شگفتہ زکریا، ڈاکٹر شمس الدین صدیقی، شمیم حنفی، شمیم حیات سیال ، محمد حیات سیال، ڈاکٹر شمیم ملک، ڈاکٹر آغا شورش کشمیری، سید شوکت علی گیلانی، شہزاد احمد، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، شیر افضل خان بریکوٹی، شیما مجید، فیض احمد فیض، ڈاکٹر صابر کلوروی، ڈاکٹر صدیق جاوید، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، صہبا لکھنوی ، ڈاکٹر طالب حسین سیال، ڈاکٹر طاہر تونسوی ، طاہر حمید تنولی، طفیل دارا، ظفر علی راجا، ڈاکٹر ظہور احمد

اظہر، ڈاکٹر ظہور الدین احمد عابد احسان، سید عابد علی عابد، عاشق حسین بٹالوی، ڈاکٹر عبادت بریلوی، عبدالصبور طارق، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر طارق عزیز، عبدالحمید سالک، ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی، عبدالرحمٰن طارق، عبدالرحیم خاں، عبدالروف عروج، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، عبدالصمد خان، ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، عبداللہ شاہ ہاشمی، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، ڈاکٹر عبدالمغنی، سید عبدالواحد معینی، سید عبدالواحد، قاضی عبید عبید الرحمٰن ہاشمی، عروبہ مسرور صدیقی، عزیز احمد، ڈاکٹر عشرت حسن انور، شیخ عطا اللہ، عطیہ سید، پروفیسر علی عباس جلال پوری، کرنل غلام جیلانی خان، ڈاکٹر خورشید رضوی، صاحبزادہ عبدالرسول، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، غلام رسول ملک، غلام صابر، ڈاکٹر غلام عمر خان، رانا غلام یٰسین، فتح محمد ملک، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر طاہر القادری، فقیر حسین ساحر، فقیر سید وحید الدین، ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر محمد صدیق شبلی، قیوم نظامی، کلیم نشتر، ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف، کوثر حسین شاہ، غلام قادر، گلشن طارق، گوہر ملسیانی، خالد اقبال یاسر، ڈاکٹر گوہر نوشاہی، لطیف احمد خان شیراونی، مٹھا خان مری، محمد احمد خاں، محمد ارشاد سواتی، محمد ارشد چودھری، ڈاکٹر محمد اسلم ضیائی، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر محمد اکرم اکرام، محمد الدین فوق منشی، ڈاکٹر محمد جہانگیر تمیمی، محمد جہانگیر عالم، محمد حامد، الحاج محمد حسین گوہر، محمد حمزہ فاروقی، محمد حنیف شاہد، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، محمد رفیق افضل، محمد رفیق چودھری، محمد رمضان گوہر، ڈاکٹر محمد ریاض، طاہر حمید تنولی، محمد شریف بقائی، محمد صادق قصوری، محمد صدیق قریشی، محمد صدیق، ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی، ڈاکٹر محمد عارف خان، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، محمد عبداللہ قریشی، ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی، محمد عثمان، شیخ محمد علی، محمد فرحان، پروفیسر محمد منور مرزا، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر منور ہاشمی، ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ، محمد یونس حسرت، ڈاکٹر محمد آصف، ڈاکٹر محمد اکرم چودھری، ڈاکٹر محمود احمد ساقی، محمود نظامی، مشرف احمد، مولوی احمد دین، مشکور حسین یاد، مصباح الحق صدیقی، چودھری مظفر حسین، مظہر الدین صدیقی، ڈاکٹر مظہر حامد، معاذ حسن، ڈاکٹر صلاح الدین درویش، ڈاکٹر معین الدین عقیل، مقبول انور داودی، ڈاکٹر ملک حسن اختر، ملک نذیر احمد، منظور احمد، خواجہ میاں سید رسول رسا، میر حسن الدین، مرزا ادیب، ڈاکٹر ندیم شفیق ملک، نذیر احمد، ڈاکٹر نذیر قیصر، سید نذیر نیازی، نسیم امروہوی، نصیر احمد ناصر، نظر حیدر آبادی، سید نور محمد قادری، سید واجد رضوی، سید وحید الدین، ڈاکٹر وحید عشرت، ڈاکٹر وحید قریشی، سید وزیر الحسن عابدی، ڈاکٹر وزیر آغا، سید وقار عظیم، ڈاکٹر سید یامین ہاشمی، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، یونس جاوید، راقم الحروف ہارون الرشید تبسم اور دیگر نے اقبالیات پر بیس کتب پیش کر کے اقبال شناسوں کی صف میں آنے کی کوشش میں ہے۔ مذکورہ فہرست میں بہت سے اقبال شناس ہمیں داغِ مفارقت دے گئے ہیں لیکن ابھی کچھ باقی ہیں جو اقبال شناسی کی روایت کو زندہ رکھنے کے لیے ہمہ تن مصروفِ عمل ہیں۔

عصرِ حاضر میں لاتعداد احبابِ فکرِ اقبال کی ترویج و تفہیم کے لیے کام کر رہے ہیں۔ عالمی سطح پر حالات کا جائزہ لیا اور اس جائزے کو اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں پرکھا اور کچھ پیشین گوئیاں بھی کیں، جو بعد میں سچ ثابت ہوئیں۔ اقبال آنے والے دنوں کی بشارت دے رہے تھے۔ وہ آنے والی صدیوں کا گیت تھے۔ بقول ہارون الرشید تبسم:

''ڈاکٹر علامہ محمد اقبال صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں سوچتے تھے بلکہ ان کی نظر عالمی افق پر رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں ہر دور اور ہر ملک میں سراہا گیا۔''(۱۹)

دنیا کے بڑے بڑے فلسفی اقبال کی عظمت اور اہمیّت کا اعتراف کرتے ہیں۔ مختلف ممالک میں برپا ہونے والی تجدید و احیائے دین کی تحاریک کے پس منظر میں اقبال کے افکار کی علمداری دکھائی دیتی ہے۔ اقبال کا فلسفہ جو محض ایک لفظ پر مشتمل ہے پوری کائنات کو اپنے دائرہ کار میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس ایک لفظ یعنی ''خودی'' کی لاکھوں اوراق پر مشتمل تشریحات ہو چکی ہیں اور مزید سے مزید وضاحتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی ایک لفظی فلسفہ نے اقبال کو امامِ فلسفہ کی مسند پر بٹھایا اور ماقبل و مابعد کے تمام مفکرین کو ان کے سامنے روحانی و فکری سطح پر زانوئے ادب تہ کرنے پر مجبُور کیا۔ اقبال کے افکار کی روشنی سے اندھیروں کو دور کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اقبال کے انقلاب آفریں کی بدولت زمانہ ان کی جانب جلد متوجہ ہوا۔ ''اپنی بات'' میں زاہد حسین انجم نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

''اقبال کون ہیں؟ اقبال شاعر امروز، نابغہ روزگار، عالمی مفکر و مدبر، حکیم ملت، ترجمان حقیقت، دانائے راز، گنبد خضرا کے شیدائی، دینی علوم کے بحر بیکراں، تصور پاکستان کے خالق، مسلمانان برصغیر پاک و ہند کے غم خوار، رفعت خیال و قوت، بصیرت اور اعلیٰ ذوق عمل کے بہترین عکاس، قائد کے مدبر دوست۔۔۔۔ اقبال کی شخصیت کی شناخت صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے کہیں بڑھ کر اقبال خودی کے پیامبر، محبت و یگانگت کے حسین پیکر، عقل و شعور کے مینارہ نور، ایک شفیق باپ، ایک باوفا شوہر، المختصر یہ کہ وہ سیرت و کردار کے بحرِ بے کراں ہیں۔''(۲۰)

پڑوسی ملک ایران میں تو اقبال شناسی کی قابلِ تقلید روایت ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب ''ایران میں اقبال شناسی کی روایت'' میں جن دانش وروں کا تذکرہ موجود ہے، ان میں سید محمد محیط طباطبائی سعید نفی، ڈاکٹر غلام حسین یوسفی، ڈاکٹر جلال متینی، ڈاکٹر فریدوں بدرہ ای، صادق سرمد، ڈاکٹر رضا زادہ شفق، ڈاکٹر احمد علی رجائی، علی اکبر دہخدا، ادیب برومند، احمد گلچیں معانی، علی اصغر حکمت، کاظم رجوی ایزد، منوچہر طالقانی، قاسم رسا، امیر شفائی نوا، علی خدائی، ڈاکٹر علی نہاد تارلان، آیت اللہ سید علی خامنہ ای، حسین علی سلطان زادہ پسیان اور دیگر دانش ور شامل ہیں۔

بھارت میں اقبال شناسی کے حوالے سے جگن ناتھ آزاد، اقبال سنگھ، ڈاکٹر سچدا نند سنہا، رام بابو سکسینہ، ڈاکٹر

ملک راج آنند، مالک رام، نربھے رام جوہر، سرجوگندر سنگھ، ڈاکٹر گیان چند، سردار گوربچن سنگھ، ہنس راج رتن، مہا راجہ سرکشن پرشاد، پروفیسرم۔ت استیتاس، ڈاکٹر بوسانی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، رابندر ناتھ ٹیگور، تلوک چند محروم، کلدیپ نیر، سرتیج بہادر سپرو، مجنوں گورکھپوری، عالم خوندمیری، ڈاکٹر میر ولی الدین، ڈاکٹر عشرت حسن انور، مولانا عبدالسلام ندوی، شمس الرحمٰن فاروقی، بلراج کومل، بلونت سنگھ لانبا، خشونت سنگھ اور کئی اقبال شناس مقبول ہیں۔ عالمی سطح کے مستشرقین میں پولولنسکا یا، میر بٹا سٹے پین تیتیس، این میری شمل، سر ٹامس آرنلڈ، پروفیسر نکلسن، پروفیسر آربری اور اقبال، پروفیسر ڈکنسن، فاسٹر، ایوا ماریوچ، لوئی میسون، لوس کلوڈ میتیخ، ڈاکٹر شیلا میکڈونا، ڈاکٹر باربر امٹکاف، ڈاکٹر یاں ماریک، ہربرٹ ریڈ، سر مالکم ڈارلنگ، رش برک ولیمز اور لاتعداد اقبال شناسوں نے اپنے اپنے زاویہ نظر سے اقبال شناسی کو فروغ دی۔ ڈاکٹر شفیق عجمی اپنی کتاب ''اقبال شناسی عالمی تناظر'' میں رقم طراز ہیں:

''اقبال کے فکر کی تازگی، بلند آہنگی اور انقلابیت سے زمانہ آنکھیں کھول کر اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبُور ہوگیا۔ علمی دنیا میں اس کا خیر مقدم کیا گیا، اس کے فکر و شعر کی تفہیم و تشریح کے عمل کا آغاز ہوا، تراجم ہوئے۔ بحث و تنقید کا دروازہ کھلا، اتفاق و اختلاف، ردو قبول، اخذ و اکتساب کے سلسلے بڑھتے چلے گئے اور ایک روایت کا آغاز ہوا، جو جلد ہی برعظیم کی جغرافیائی حدود کو پار کر کے چار دانگ عالم میں پھیلی، پروان چڑھی اور مستحکم ہوتی چلی گئی۔ آج اس روایت کو ''اقبال شناسی'' کا عنوان دیا جاتا ہے، جس میں مشرق و مغرب کے نامور محققین، شارحین اور ناقدین کی ایک بڑی تعداد نے اپنے انداز اور اسلوب میں بہت کچھ Contribute کیا ہے۔ جس سے اس روایت کو قوت، تحریک اور وسعت حاصل ہوئی ہے۔''(۲۱)

اقبال کے عالم گیر فلسفہء حیات، نظریہ خودی اور تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ میں موجود فکرِ اقبال گرم دمِ جستجو کی صورت اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس بات کا ادراک تو دنیا بھر کے ناقدین کر رہے ہیں کہ وہ خودنمائی سے بالاتر تھے۔ درویشی ان کے خمیر میں شامل تھی۔ وہ برعظیم پاک و ہند سے اُٹھے اور دنیا بھر کے علوم وفنون کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ صبری تبریزی لکھتے ہیں:

''اقبال کا تخیل نہ تو مجرد تھا اور نہ محدود، یہ اس کے معاشرے کی جڑوں میں پیوست تھا، اس کی آرزو اور مقصد کا محرک یہ تھا کہ معاشرے کو تخلیق کیا جائے اور اس کے مفادات کا تحفظ کیا جائے نہ کہ علم اپنے محدود اور خودغرضانہ مفادات کے لیے استعمال کیا جائے۔''(۲۲)

ہمارے پڑوسی ممالک میں بھی اقبال کے فکر وفن پر بہت سا کام ہو رہا ہے۔ ماہر اقبالیات، ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق اقبال شناسی کی بین الاقوامی روایت کے پیش نظر کلام اقبال میں آفاقیت کا مسئلہ اپنے حل کے لیے نظریاتی

بحث سے ہٹ کر اب عملی صداقت کا روپ دھار چکا ہے۔ یہ تو آفتاب آمد، دلیل آفتاب ایسی بات ہے اس ضمن میں اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دینا چاہیے کہ مختلف ممالک میں اقبال شناسی کے آغاز اور پھر ایک باضابطہ فکری روایت بننے کا باعث ہماری یا دوسری حکومتوں کی سرپرستی نہ تھی۔ یہ درست ہے کہ کبھی کبھار غلطی سے ہمارے سفارت خانوں نے بھی یوم اقبال کا اہتمام کیا ہوگا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ نکلسن ،آربری، ہربرٹ ریڈ، ای ایم فارسٹر (برطانیہ) این میری شمل (مغربی جرمنی) بوزانی (اٹلی) لوس کلوڈ میتج (فرانس)، گورڈن پولنکایا، نتالیا پری گرینا اور ماریاستے پین تیتیس (روس) ایسی شخصیات محض ہمارے سفیروں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے اقبال کو اپنا موضوع نہ بنا سکتی تھیں۔

اقبال کے آفاقی کلام کو پڑھنے والوں نے مختلف زبانوں میں تراجم بھی کیے اور یوں اقبال کو مختلف زبانوں اور مختلف ممالک میں پڑھا اور سمجھا جانے لگا۔ سفارت خانوں کی وجہ سے اقبال دیگر ممالک میں مقبول نہیں ہوئے بلکہ اقبال اپنے عالمگیر کلام کی وجہ سے دیگر ممالک میں مقبول ہوئے بلکہ غیر ملکیوں کے دل کو بھی تسخیر کرتے چلے گئے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں اقبال نے جب خود کو برصغیر کے روایتی شعراء سے ممتاز کرنا چاہا تو اپنے پیغام کی آفاقیت کی بناء پر انہیں یقیناً یہ احساس ہوگا کہ میں ان سب سے الگ ہوں کہ میرا فلسفہ زیست ان سب سے جداگانہ ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین رقمطراز ہیں:

> ''اقبال کی سوچ بڑی منطقی بھی تھی، وہ اجتماعیت کا قائل تھا اور جماعت کے لیے ہر ممکن حد تک مخلص۔ چنانچہ اس نے خود اپنی ساری زندگی عالم اسلام اور بنی نوع انسان کے لیے تعلیم وارشاد اور نصیحت ودعوت میں صرف کر دی کہ انسان خود اپنی نگاہ میں معتبر ہوتا کہ لوگوں کی نگاہ میں محترم ہو اور نتیجتاً زندگی کی نگاہ میں بھی وقیع ہو۔'' (۲۳)

آج اقبالیات کو ایک باقاعدہ شعبہء علم قرار دیا جا چکا ہے۔ پاکستان اور دیگر ممالک سے باہر بھی اقبال کی زندگی، ان کی شاعری اور فکر پر مختلف زبانوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور تحقیق کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ اب تک ہونے والے کام پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو ''اقبالیاتی ذخیرے'' کو دیکھ کر اطمینان بھی ہوتا ہے کہ اردو کے کسی شاعر یا ادیب کی تخلیقات پر اس درجہ ہونے والے کام کی مثال اس سے پہلے نظر نہیں آتی۔ پاکستان کی اعلیٰ تعلیمی درسگاہوں کے علاوہ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، بہار یونیورسٹی (بھارت)، ڈرہم یونیورسٹی (انگلستان)، تہران یونیورسٹی (ایران)، عین الشمّس یونیورسٹی ،قاہرہ (مصر)، چارلز یونیورسٹی ،پراگ (چیکوسلواکیہ) میں اردو ،انگریزی، فارسی ،عربی اور چیک زبانوں میں پی ایچ ڈی کی سطح پر مقالات تحریر کیے گئے ہیں۔ جرمنی اور فرانسیسی زبان میں لکھے گئے مقالات کی تفاصیل بھی منظر عام پر آئی ہیں۔ یہ ڈگریاں اردو اور فارسی شعبوں کے علاوہ عربی،

فلسفہ اور سیاسیات کے شعبوں میں عطا کی گئیں۔مختلف جامعات میں ایم۔اے کی سطح پر لکھے جانے والے مقالات بے شمار ہیں جبکہ ایم۔فل کی سطح پر بھی کام جاری ہے اور اقبالیات کے موضوع پر اب تک سینکڑوں مقالات قلمبند کیے جا چکے ہیں۔

پاکستان میں کئی نجی اشاعتی ادارے بھی اقبالیات کے حوالے سے قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں اس کے علاوہ مختلف اداروں کی اقبال شناسی کی کتب بھی منظر عام پر ہیں۔وفاقی سطح پر قائم ''اقبال اکادمی پاکستان ''جس کا دفتر اور لائبریری ایوان اقبال ،لاہور میں موجود ہے ،اپنے انگریزی سہ ماہی مجلّات ''اقبالیات'' اور "Iqbal Review" اور دوسری علمی و ادبی سرگرمیوں کے ذریعے افکارِ اقبال کی ترویج و اشاعت میں اپنا فعال کردار ادا کر رہی ہے۔بقول شفیق عجمی:

> ''اقبال اکادمی پاکستان 1975ء میں کراچی سے لاہور منتقل ہوگئی جہاں اکادمی نے اقبال کے صد سالہ جشن کے سلسلے میں ہنگامی بنیادوں پر کام کیا۔اقبال کی شخصیت اور فن پر ملک کے معروف اسکالرز سے کتابیں لکھوا کر شائع کی گئیں۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔۔۔''(۲۴)

اقبال کے صد سالہ جشن کے حوالے سے اقبال اکادمی کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے ایک مقالہ نگار پروفیسر فضل حق فاروقی کہتے ہیں ایک سال سے بھی کم عرصہ میں اکادمی نے ساٹھ ہزار سے زائد کتب شائع کیں۔بزم اقبال، لاہور کو علامہ اقبال کے فلسفے اور پیغام اور جن موضوعات سے دلچسپی تھی ،بزم اقبال نے ان پر تحقیق و تصنیف کی حوصلہ افزائی کی اور اقبال کی فکر و نظر اور متعلقہ موضوعات پر کتابیں شائع کیں۔اقبال اکادمی پاکستان اور بزم اقبال لاہور کے علاوہ بعض دوسرے سرکاری نیم سرکاری علمی اداروں نے بھی اقبال اور فکر اقبال کے حوالے سے چند اہم کتابیں شائع کیں ہیں۔ جیسے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کی طرف سے Recosstruction of Religious thought in Islam بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ،ادارہ تحقیقات اسلامی ،اکادمی ادبیات ،اسلام کی طرف سے سال ۲۰۰۲ء کے موقع پر ''اقبال کے سو سال'' کے عنوان سے منتخب مضامین کا مجموعہ شائع کیا گیا ہے اس کے علاوہ ادارہ فروغ اردو، مجلس ترقی ادب، انجمن ترقی اردو، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، نظریہ پاکستان اکادمی، نیشنل بک فاونڈیشن پاکستان، ادارہ مقتدرہ قومی زبان ،لوک ورثہ، ادارہ مطبوعات پاکستان، نظریہ پاکستان کونسل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی مجلس اقبال، دبستان اقبال، ایسے کئی اداروں نے اقبال شناسی کی روایت کو مستحکم کر رکھا ہے۔شفیق عجمی لکھتے ہیں:

> ''پاکستان کی مختلف جامعات میں اقبالیات کے باقاعدہ شعبے قائم ہیں جبکہ ۱۹۷۴ء میں اسلام آباد میں فاصلاتی تعلیم

کے لیے قائم ہونے والی یونیورسٹی کو اقبال کی ولادت کے جشن صد سالہ کی مناسبت سے ۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا نام دیا گیا جس میں دوسرے شعبوں کے علاوہ ۱۹۸۱ء سے شعبہء اقبالیات بھی افکارِ اقبال کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔'' (۲۵)

پاکستان میں علامہ اقبال یونیورسٹی کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ جہاں اقبالیات کو ایک باقاعدہ مضمون کے طور پر اعلیٰ ثانوی سطح سے لے کر ایم۔فل کی سطح تک پڑھایا جا رہا ہے۔اب اس کو پی ایچ۔ڈی کی سطح تک وسعت دے دی گئی ہے اور متعدد سکالرز کو پی ایچ۔ڈی کی سطح کے تحقیقی مقالات کی تکمیل پر ڈگریاں دی جا چکی ہیں اور کئی مقالات زیرِ تکمیل ہیں اس کے علاوہ تعلیمی اداروں میں اقبالیات کے حوالے سے خصوصی نمبر قابل تعریف ہیں۔

پاکستان میں اقبال شناسی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔علامہ اقبال کے یوم وفات اور سالگرہ کے موقع پر بہترین تقریبات کا انعقاد اقبال شناسی کے لیے بہت مفید ثابت ہو رہا ہے۔اقبال شناسی کی روایت کو بامِ عروج تک لے جانے میں رسائل و جرائد کا کردار بھی بہت اہم رہا ہے۔اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں ادبی رسائل نے ہمیشہ بنیادی کردار ادا کیا ہے۔اس کی اہمیّت سے اس لیے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ادبی رسالہ نئے لکھنے والوں کو پروان چڑھاتا ہے اور ایک نسل کی میراث آنے والی نسلوں کے سپرد کر دیتا ہے۔برصغیر میں ادبی رسائل انیسویں صدی میں شائع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ادبی صحافت کی طرف پہلا قدم مولانا محمد حسین آزاد کے والد گرامی مولوی محمد باقر نے اٹھایا تھا۔جو دہلی اردو اخبار کے مدیر تھے لیکن ادبی جریدہ نگاری کو ماسٹر رام چند اور سر سید احمد خان نے فروغ دیا۔''تہذیب الاخلاق'' سر سید احمد کی کشادہ فکری کا نقیب تھا۔جبکہ رسالہ ''فوائد الناظرین'' ماسٹر رام چند کی روشن خیالی کا عکس تھا۔اس بامعنی ابتدا کو مولانا حسرت موہانی،عبدالحلیم شرر اور میر ناصر علی دہلوی نے آگے بڑھایا۔انہوں نے ''صدائے عام''،''دل گداز''اور''اردو معلیٰ'' جیسے رسائل سے قوم کی ذہنی اور ادبی راہنمائی کی۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی ''مخزن'' کے مدیر شیخ عبدالقادر''الہلال'' کے مدیر ابوالکلام آزاد''ادبی دنیا'' کے مدیر مولانا صلاح الدین احمد''ستارہ'' کے مدیر مولانا ظفر علی خان''زمانہ'' کے مدیر نرائن نگم''ساقی'' کے مدیر شاہد احمد دہلوی''افکار'' کے مدیر نیاز فتح پوری''ہمایوں'' کے مدیر میاں بشیر احمد اور مولانا حامد علی خان اور ''شاہکار'' کے مدیر تاجور نجیب آبادی ظاہر ہوئے اور ادبی رسائل سے تحریکیں برپا کیں۔آزادی کے بعد''سویرا''،''نقوش''،''نیا دور''،''سیارہ''،''سیپ''،''اوراق''اور''فنون'' ادبی رسائل کی دنیا میں نمایاں ہوئے اور ادب کے فروغ و ارتقاء میں اپنا مثبت کردار ادا کیا۔

''فنون'' نے خاص اشاعتوں کے ذریعے اُردو ادب کو ہزاروں صفحات پر مشتمل تخلیقی اور تنقیدی ادب عطا

کیا۔ ''جدید غزل نمبر'' (۱۹۶۹ء) میں اس کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ یہ غزل نمبر علامہ اقبال سے لے کر اعجاز گل تک کم و بیش اس صدی کے ستر سال کا احاطہ کرتا ہے اور اس میں سوا دو سو سے زائد شعراء کی غزلیات کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ ''فنون'' نے غزل نمبر کے علاوہ جو خاص اشاعتیں پیش کیں۔ ان میں ''اقبال نمبر'' میں مدیر ''فنون'' نے اقبالیات کی تنقید کے علاوہ اقبال کی زمینوں میں شعراء کو دعوت سخن بھی دی، یہی عمل انہوں نے ''فنون'' کے غالب ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں بھی آزمایا تھا، جو بہت مقبول ہوا۔ ''فنون'' کی اقبال شناسی سے متعلّق ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''اقبالیات کے فروغ میں بھی ''فنون'' کی خدمات قابل توجہ ہیں۔ جہاں تک علامہ اقبال کی تخلیقی شخصیت کی تفہیم، ان کے فکر و فن کے فروغ اور اقبالیات سے وابستہ فکر انگیز تحقیقات کا تعلّق ہے تو ''فنون'' قیمتی اثاثے کا مخزن نظر آتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایسے شمارے بھی ملیں گے جن میں اقبالیات کے لیے خصوصی گوشے مخصوص کیے گئے ہیں، (جیسے جولائی ۱۹۶۶ء اپریل ۱۹۷۳ء، جون جولائی ۱۹۷۴ء اور اگست ستمبر ۱۹۸۳ء کے شمارے) اور سال اقبال میں مرتب کیا گیا اقبال نمبر دسمبر ۱۹۷۷ء) جداگانہ خوشبو کا حامل ہے۔''(۲۶)

''فنون'' کے علاوہ علامہ اقبال کا کلام ان کے زمانہ طالب علمی ہی سے ملک کے مختلف جرائد میں چھپنے لگا۔ ان کی کچھ غزلیں ماہنامہ ''زبان'' (دہلی) ''شورِ محشر (لاہور)''، ''خدنگ نظر (لاہور)''، پیسہ اخبار (لاہور)''، پنجہ فولاد (لاہور)''، ''دکن ریویو' وغیرہ میں شائع ہوئیں۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی شیخ عبدالقادر نے لاہور میں ''مخزن'' کا اجراء کیا جسے جریدی صحافت میں ایک اہم موڑ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ لاہور کے ادبی پرچوں کے حوالے سے اردو ادب کی ایک نئی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ ابتداء ہی سے ''مخزن'' کا کوئی پرچہ علامہ اقبال کے کلام سے خالی نہ ہوتا۔ ''باقیات اقبال' ' مرتبہ سید عبدالواحد معینی کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ''بانگ درا'' کی اشاعت سے قبل اس کی بیشتر نظمیں ''مخزن'' کی زینت بن چکی تھیں۔ علامہ کی مشہور نظم ''ہمالہ'' بھی ''مخزن'' کے شمارہ اول اپریل (۱۹۰۱ء) میں طبع ہوئی تھی۔ ''مخزن'' کے اجراء کے بعد دیگر رسالوں کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کا اکثر و بیشتر کلام اسی جریدے میں چھپنے لگا۔

''مخزن''، ''نیرنگ خیال''، ''ادبی دنیا''، ''ادب لطیف''، ''سویرا''، ''نقوش''، اور ''فنون'' یہ محض چند جریدوں کے نہیں بلکہ ادبی میلانات کے دھاروں کے تال میل کی داستان کے درخشندہ ابواب ہیں۔ جولائی ۱۹۲۴ء میں لاہور سے ''نیرنگ خیال'' کا اجراء ہوا۔ اس رسالہ نے ایک مخصوص نظریاتی نوعیت کا مواد لکھنے والا حلقہ

پیدا کیا۔جس میں علامہ اقبال سرفہرست تھے۔ نیرنگ خیال میں وقتاً فوقتاً علامہ اقبال کی مختلف تخلیقات شامل ہوتی رہیں۔ جس طرح عید نمبر جلد 4 (شمارہ ۲۱،۲۲) مارچ ، اپریل ۱۹۲۶ء میں منظوم ''چاند''، تیسرے عید نمبر میں ''مکافات عمل''، ''ہلال عید'' جلد ۹ (شمارہ ۵۶، ۵۷) ۱۹۲۶ء نظم ''حیات جاوداں'' دسمبر ۱۹۴۹ء کے شمارہ میں نظم ''پیام اقبال'' اور ''پیام مشرق'' شائع ہوئیں۔ بقول سلطان رشک: ''نیرنگ خیال ۱۹۳۱ء میں علامہ اقبال کی نظم ''جواب خضر'' شائع ہوئی جو بعد ازیں گولڈن جوبلی نمبر ایک میں بھی قند مکرر کے طور پر مطالعہ میں آئی''۔(۲۷)

اسی طرح سال نامہ ۱۹۴۱ء کلیات اقبال (بال جبریل) سے منتخب چند اشعار لکھے ہوئے ہیں۔اس کے علاوہ نیرنگ خیال میں علامہ اقبال کے فارسی کلام کے تراجم بھی پیش کیے گئے جن میں جولائی ۱۹۶۵ء کے شمارے میں سعید احمد اعجاز کا ترجمہ ''لالہ طور'' کے دو بند اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر کی فارسی نظم ''مساوات اسلامیہ'' کا اردو ترجمہ خصوصی توجہ کا حامل ہے۔ماہنامہ ''نیرنگ خیال'' کے دو گولڈن جوبلی نمبر نکلے۔''نیرنگ خیال'' کا چالیسواں سال شروع ہونے پر حکیم محمد یوسف حسن کی نئی پالیسی کے تحت علامہ اقبال کے نثری مضامین بھی اس رسالہ کی زینت بنے۔جنہیں اقبالیاتی ادب میں اہم مقام حاصل ہے۔

عہد ساز رسالہ ''ادبی دنیا'' کی ابتدا ۱۹۲۹ء کو ہوئی۔صلاح الدین احمد اس رسالہ کے مدیر تھے جو انتظامی امور کے علاوہ اس پرچہ میں ادبی وعلمی وفکری مضامین باقاعدگی سے لکھتے رہے اور ایک ماہر اقبال شناس کی صورت میں سامنے آئے۔موضوع اقبال پر اُن کے مقالات قابل توجہ ہیں۔ ۱۹۵۱ء کی اشاعت خاص میں ان کا مقالہ ''فکر اقبال میں وطن اور ملت کی کش مکش'' شائع ہوا۔جس سے متعلّق اقرار حسین شیخ لکھتے ہیں:

> ''اس مقالہ کی تعمیر میں محض نظم اقبال بلکہ زیادہ تر اقبال کی اردو شاعری ہی سے اخذ واستفادہ کیا ہے۔اس کے علمی و سیاسی خطبات سے واسطہ نہیں رکھا۔''(۲۸)

مدیر ہونے کے ناطے صلاح الدین احمد پرچہ کا تعارف ''بزم ادب'' کے عنوان سے لکھتے تھے ۱۹۵۲ء کے ''بزم ادب'' میں ''اقبال کا تغزل'' (ایک دس منٹ کی گفتگو) کے عنوان سے داغ کے کلام کے حوالے سے اقبال کے شوخی کلام کو بڑے خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ ان کے مضمون ''اقبال اور رومی کا ایک محبُوب مشترک'' قابل ذکر ہے جو ۱۹۶۰ء کے خاص نمبر میں شائع ہوا۔

۱۹۵۱ء کے دوسرے شمار میں عاشق حسین بٹالوی کا مضمون ''اقبال کے استاد۔سر ٹامس آرنلڈ'' چھپا۔جس میں آرنلڈ کی حیات پر بڑی باریک بینی سے روشنی ڈالی گئی۔اقرار حسین شیخ کے مطابق آرنلڈ علی گڑھ میں دس سال رہے اور یہ عرصہ ان کی زندگی کا ایسا یادگار حصّہ ہے جس کی چھاپ ان پر آخر وقت تک لگی رہی۔

۱۹۶۰ء کے شماروں میں سید علی عباس جلال پوری نے اقبالیات کے موضوع تین زبردست مقالات تحریر کیے جن میں تاویلات اقبال، اقبال کا تصور ذات باری اور اقبال کے روحانی افکار شامل ہیں۔ محمد عبداللہ قریشی کی سربراہی میں ''ادب دنیا'' اقبالیات کے فروغ میں مزید فعال ثابت ہوئی۔ ادبی دنیا میں اقبال پر مقالات و مضامین، اقبال کے مکاتیب وشاعری پر تحقیق وتنقید کے علاوہ علامہ پر تحریر کی جانے والی کتب پر بھی باقاعدگی سے شعر کہے جاتے ۱۹۷۰ء کے شمارے میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی تخلیق ''حکمت اقبال'' پر نصیر احمد ناصر کا تبصرہ قابل توجہ ہے۔

''ادبی دنیا'' نے اقبال نمبر بھی شائع کیے جن میں ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۲ء کے نمبر اپنے مواد کے اعتبار سے اہم ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے نمبر میں عبداللہ قریشی نے ''اک شرع مسلمانی ایک حزب مسلمانی''، تاج سعید نے ''اقبال نے گیت انوکھے گائے (دوھے) علامہ کے چند غیر مطبوعہ اور نایاب خطوط''، ڈاکٹر حمید اللہ نے ''دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور''، چوہدری محمد حسین مرحوم نے ''زبور عجم''، سید فراز جوہر نے ''جو کر گیا افشاء فشاء زمانے بھر میں راز کن فکاں''، پروفیسر محی الدین احمد نے ''شیخ احمد رفاعی اور اقبال''، وفا راشدی نے ''اقبال اور بنگال'' اور اکبر کاظمی نے ''شاعر مشرق کے حضور'' جیسے مقالات تحریر کیے۔ ۱۹۷۲ء کے اقبال نمبر میں مدیر ادبی دنیا بشیر احمد ڈار، سر عبدالقادر مرحوم، ڈاکٹر محمف ریاض، محمد یوسف خان، ابراہیم ڈار، محمد عبداللہ قریشی، اختر علی، حزیں لدھیانوی، محمود رضوی، سلیم اختر اور آصف ثاقب جیسے اقبال شناسوں نے مقالات ومضامین تحریر کیے۔

''ماہ نو'' سید وقار عظیم کی ادارت میں ۱۹۴۷ء میں کراچی سے جاری ہوا۔ اس پرچے کے ذریعے انشائیے، سفرنامے، طنز ومزاح اور تنقیدی وتحقیقی مضامین پیش کیے گئے۔ اس کی بڑی عطا ہر سال فروری کے مہینے غالب پر اور اپریل کے مہینے میں اقبال پر مضامین پیش کیے جاتے، ان دو عظیم شعراء کی صد سالہ تقریبات پر ''غالب نمبر'' اور ''اقبال نمبر'' پیش کیے گئے۔

شورش کشمیری کا ہفت روزہ ''چٹان'' جنوری ۱۹۴۸ء میں جاری ہوا۔ گو اس کا اساسی موضوع سیاست ہے لیکن اس نے ادب کو سماج کے ایک موثر وسیلے کے طور پر قبول کیا۔ ہر سال اپریل میں ''اقبال نمبر'' کی اشاعت اس کی نمایاں خصوصیّت تھی۔ شورش نے خود بھی اقبال کی تفہیم وتعبیر کے لیے متعدد مضامین لکھے اور ان میں سے بیشتر ''چٹان'' کے صفحات پر ہی شائع ہوئے۔ چنانچہ ''چٹان'' میں اقبالیات کا ایک نادر ذخیرہ جمع ہے اور بعض مضامین کی نوعیت تو خاصی نزاعی نظر آتی ہے۔ چوہدری محمد حسین کا مقالہ ''اقبال کا مخاطب عجم ہی کیوں تھا؟'' عبدالقادر کا ''فکر اقبال کا ارتقائی''، مولانا غلام رسول مہر کا ''اقبال کی زندگی کا آخری دور''، محمد حسین قریشی کا ''سوال مے نہ

کروں ساقی فرنگ سے میں'' آفتاب احمد کا'' اقبال اور ہمارے جدید شعراء'' ابوسعید بزمی کا'' اقبال اور اسلام'' اور شورش کاشمیری کا مقالہ'' کلام اقبال کی دقتیں''، ''چٹان'' کی اقبال شناسی کی بہترین نظمیں ہیں۔ جولائی ۱۹۴۸ء میں ہفت روزہ'' قندیل'' کا اجراء لاہور سے ہوا۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

''قندیل'' میں اقبالیات کو ایک اہم موضوع کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ ہر سال اپریل میں اقبال کے یوم وفات پر ایک پرچے میں ان پر چند صفحات ضرور مخصوص کیے جاتے اور ان کے شایانِ شان خراج تحسین پیش کیا جاتا۔ وقار انبالوی کی نظم'' یوم اقبال پر روح اقبال'' شیخ عبدالقادر کا یادنامہ'' علامہ اقبال سے میری آخری ملاقات'' ظہور الحسن کا طنزیہ'' اقبال کی تربت پر''، ''قندیل'' میں ہی شائع ہوئے تھے''۔ (۲۹)

مولانا ماہر القادری کے ادبی، مذہبی اور سیاسی پرچے'' فاران'' میں بھی موضوعات اقبال کو زیادہ اہمیّت دی جاتی۔ اسی طرح ۱۹۴۹ء کراچی سے شائع ہونے والے'' قومی زبان'' میں بھی وقفے وقفے سے اقبال پر مقالات و مضامین چھپتے رہے اور علامہ کی برسی پر خصوصی شمارہ شائع کیا جاتا۔

اپریل ۱۹۵۰ء میں لاہور سے'' اقدام'' کا اجراء ہوا۔ یہ پرچہ ہر سال اپریل میں اقبال نمبر شائع کرنے کا اہتمام کرتا اور اس میں اقبال کو منظوم خراج عقیدت پیش کرنے کہ علاوہ فکر و فن پر بھی مضامین پیش کیے جاتے۔ جسٹس ایس اے رحمٰن کا مقالہ'' یاد اقبال'' احمد نبی خان کا'' اقبال ایران میں'' خیال امروہوی کا'' اقبال کا نظریہ اشتراکیت'' خواجہ غلام الدین کا'' اقبال کے پیغام کی عالمگیری'' محمد ظہیر کا'' اقبال اور قائداعظم'' چند اہم مضامین اقبالیات ہیں۔

سہ ماہی مجلّہ'' اقبال'' لاہور سے ۱۹۵۲ء میں جاری ہوا۔ اقبالیات کو اس دور میں ایک ایسے موضوع کی حیثیت حاصل تھی جس پر زیادہ کام نہیں ہوا تھا۔ اس موضوع کے اطراف و جوانب میں کام کرنے کی بہت زیادہ گنجائش موجود تھی۔ رسالہ'' اقبال'' نے اس موضوع کی اہمیّت کو اجاگر کیا اور اقبالیات کے متعدد نئے گوشوں کو منور کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس ضمن میں یہ حقیقت بے حد اہم ہے کہ'' اقبال'' نے اقبالیات پر لکھنے والوں کی اپنی ایک جماعت پیدا کی اور اس جماعت نے اقبالیات کے نہ صرف نئے موضوعات تلاش کیے بلکہ اقبال کی زندگی کی گم شدہ کڑیاں اور ان کے خطوط کی بازیافت میں بھی گراں قدر کام کیا۔ اس سلسلے میں یہاں عباد اللہ فاروقی کے مقالے'' علامہ اقبال اور بوعلی قلندر'' عبدالغنی نیازی کا'' تصوف اور اقبال'' محمد فرمان کا'' اقبال اور آرٹ'' غلام حسین ذوالفقار کا'' اقبال اور نٹشے میں'' سید عبدالواحد کا'' اقبال شعرائے فارسی کی صف میں'' از ڈاکٹر سید عبداللہ، بشیر احمد ڈار کا'' فکر اقبال کا مسئلہ اجتہاد'' محمد مظہر الدین صدیقی کا'' اقبال کا تصور فقر'' خلیفہ عبدالحکیم کا'' اقبال کی شاعری میں

عشق کا مفہوم'' کا حوالہ کافی ہے۔''اقبال'' میں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کو اہمیّت دی گئی۔

اسی طرح ''اقبال ریویو'' کا مقصد اقبال کی زندگی شاعری اور حکمت کے مطالعہ پر تجزیاتی تشریحی، تحلیلی اور عملی مضامین شائع کرنا تھا۔اس ضمن میں جو مضامین سامنے آ چکے ہیں ان میں عبدالکافی ادیب کا ''اقبال کے احباب'' پروفیسر اکبر رحمانی کا ''اقبال اور لمحہ لمحہ'' ''اقبال اور مولانا صلاح الدین احمد''۔محمد حنیف شاہد کا ''اقبال اور احسان دانش'' ڈاکٹر مظفر حسن کا ''اقبال اور گجرات'' ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا ''اقبال اور بلوچستان'' ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کا ''اقبال اور ایران'' بہترین مثالیں ہیں۔اقبال کا بہت سا گم شدہ کلام اور خطوط ''اقبال ریویو'' میں پہلی دفعہ پیش کیے گئے۔

جنوری ۱۹۲۲ء میں لاہور سے ''ہمایوں'' کا اجراء ہوا۔''ہمایوں'' میں اقبال کا کلام گاہے گاہے چھپتا رہا۔علامہ کی شہرہ آفاق نظم ''خضر راہ'' ۱۹۳۱ء کے شمارے میں چھپی اور ساتھ میں اس کی رنگین عکاسی بھی کی گئی۔

''سویرا'' نے بھی اقبالیات پر لکھنے کی روایت کو اپنایا اور دوسرے مواد کی طرح موضوع اقبال پر مختلف اوقات میں مختلف مضامین اور مقالات چھپتے رہے۔اس ضمن میں جیلانی کامران کا فلسفہ اقبال پر مدلل مضمون ''مذہب کے مستقبل کا مسئلہ اور اقبال'' ایک اچھی مثال ہے۔

''نقوش'' لاہور سے مارچ ۱۹۴۸ء میں محمد طفیل کی ادارت میں جاری ہوا۔یہ ایک خالص ادبی پرچہ ہے۔اس میں موضوع اقبال پر وقفے وقفے سے تحقیقی وتنقیدی مقالات چھپتے رہے۔

ہفت روزہ ''لیل ونہار'' کا اجراء لاہور سے ۱۹۵۱ء میں ہوا۔اس کے مدیران فیض احمد فیض اور سبط حسن تھے۔اس رسالہ میں بھی وقفے وقفے سے اقبالیات کو موضوع بحث بنایا گیا۔اس ضمن میں سید وقار عظیم کا مقالہ ''اقبال کی شاعری کے ڈرامائی عناصر'' پروفیسر رازی کا ''اقبال اور ایران'' صدیق کلیم کا ''اقبال کی شاعری کا مزاج'' اکبر حسین قریشی کا ''اقبال کی بعض نظموں کے مآخذ'' ڈاکٹر سید عبداللہ کا ''نغمہ اسرافیل یا بال جبریل'' ''لیل ونہار'' ہی میں چھپ کر مقبول ہوئے تھے۔

ماہنامہ ''سیارہ'' اگست ۱۹۶۲ء لاہور سے جاری ہوا۔سیارہ کا دوسرا اہم موضوع اقبالیات ہے۔''سیارہ'' نے دوسرے دور میں ستر سے زائد مضامین اس سلسلے میں شائع کیے اور مطالعہ پاکستان کے متعدد گوشوں کو منور کیا۔ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کا مقالہ ''اقبال اور جستجوئے گل'' ڈاکٹر معین الدین عقیل کا ''دنیائے اسلام کا اشتراکیت کا مسئلہ اور اقبال'' مولانا اسعد گیلانی کا ''اقبال کا مرد مومن اور مودودی کا مرد صالح'' نظیر صدیقی کا ''اقبال کی تحلیل'' ڈاکٹر خیرات ابن رسا کا ''مطالعہ سائنس اور اقبال'' حسین احمد پراچہ کا ''اقبال اور علم کلام'' ماہر القادری کا ''اقبال کی نثر

نگاری''ڈاکٹر وزیر آغا کا''اقبال اور اردو'' ڈاکٹر انور محمود خالد کا''تصویر درد کا فکری و فنی تجزیہ'' ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کا''اقبال کا ادبی مقام''مرزا محمد منور کا''رگ حجازی اور اقبال''اور رفیع الدین ہاشمی کا''قائداعظم اور اقبال'' چند ایسے مقالات ہیں جن سے اقبال کی متعدد نئی ابعاد''سیارہ''نے روشن کیں۔

جنوری ۱۹۶۶ء میں لاہور سے ڈاکٹر وزیر آغا کی ادارت میں''اوراق'' منصۂ ادب پر ظاہر ہوا۔ اقبالیات کے حوالے سے''اوراق'' کے دوسرے دور میں''اوراق'' جدید نظم نمبر (۱۹۷۷ء) اس کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس کی اشاعت میں بنیادی طور پر یہ نکتہ اُبھرا کہ جدید اردو نظم میں سب سے زیادہ اثرات اقبال نے نفوذ کیے ہیں اور اس درسی تنقید کی اس روش کی نفی بھی ہوگئی کہ جدید اُردو نظم اقبال اور اس کے اندازِ فکر نیز اسلوب اظہار سے انحراف کا درجہ رکھتی ہے۔ اس نمبر کا آغاز اقبال سے کیا گیا۔ اس ضمن میں وزیر آغا نے اقبال پر جدید نظم نگاری کے جائزے لکھے۔

سہ ماہی جریدے''غالب'' کا آغاز جنوری ۱۹۷۵ء فیض احمد فیض کی ادارت میں ہوا۔ غالبیات کی طرح اقبالیات بھی رسالہ''غالب'' کا ایک اہم موضوع تھا۔ اقبال کے جشن صد سالہ کی رعایت سے''غالب'' نے مشفق خواجہ اور ڈاکٹر معین الدین عقیل کی معاونت سے ایک''اقبال نمبر'' شائع کیا جو ایسے مضامین پر مشتمل تھا جو اپنے وقت کے معروف و محترم رسائل میں شائع ہوئے تھے۔ لیکن عام لوگوں کی دسترس سے باہر تھے۔ اس ضمن میں آغا حیدر، حسن مرزا، سکندر علی وجد، مختار صدیقی اور پاشا رحمٰن کے مضامین کی اشاعت بھی کی گئی۔ ستمبر ۱۹۷۷ء میں''اقبال نمبر''اس کا آخری شمارہ تھا۔

صرف یہی رسائل نہیں جو فکر اقبال کو اجاگر کرنے میں پیش پیش رہے بلکہ اس کے علاوہ بے شمار رسائل اور دوسرے کالج یونیورسٹیوں کے میگزین بھی ہیں۔ جنھوں نے موضوعات اقبال کو اپنایا اور ان پرچوں کے اقبال نمبر تک چھپتے رہے مگر افسوس تمام رسائل کا احاطہ کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ اقبال شناسی کی روایت میں اقبال شناس خواتین کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں اقبال شناس خواتین کی تحقیقی و تنقیدی کتب اقبالیات کے دامن میں وسعت کا باعث بنیں وہی رسائل و جرائد میں بھی اقبال شناس خواتین کا نمایاں حصّہ موجود ہے۔''ادبی دنیا''،''اشاریہ اقبالیات (اردو، انگریزی، فارسی، عربی، ترکی) ۱۹۶۰-۱۹۹۴ء اقبال اکادمی پاکستان، لاہور''، ''اقبال اشاریہ سہ ماہی مجلّہ، بزم اقبال، لاہور''،''صحیفہ''،''فنون''،''قندیل''،''ماہ نو''،''نقوش''اور''نئی قدریں'' ان تمام رسائل کے علاوہ جامعات سے چھپنے والے خصوصی اقبال نمبر میں بھی اقبال شناس خواتین نے اقبال کے فکر و فن پر تحقیقی و تنقیدی مضامین لکھے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ رسائل میں اقبال پر کام کی اہمیّت اپنی جگہ مگر ہم

اس ضمن میں رسائل کے کردار کو بھی کسی صورت نظر انداز نہیں کر سکتے۔

مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی اقبال شناسی کی عالمی روایت ایک متحرک اور توانا تحریک کے طور پر اکیسویں صدی میں داخل ہو چکی ہے۔ گزشتہ اوراق میں اسی روایت کا ایک اجمالی مگر جامع مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ دنیا کے مختلف منطقوں میں تفہیم اقبال کے سلسلے میں کی جانے والی کاوشوں کا نہ صرف مجموعی جائزہ پیش کیا جائے بلکہ ان محرکات و رجحانات کا فہم بھی حاصل کیا جا سکے جو اس علمی روایت کے تسلسل کا باعث بنے۔ اور اس ضمن میں ان اہم اقبال شناسوں کی عملی کارگزاریوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے جنہوں نے بطور مترجم، مفسر محقق، شارح، ناقد اور ترجمان اقبال کی حیثیت سے اس روایت کو اعتبار بخشا اور اقبال کے فکر و شعر کے کسی نہ کسی پہلو کو روشن کیا، دوسروں کو بھی آگے بڑھنے، اقبال کو سمجھنے اور سمجھانے کی ترغیب دی اور اپنا دیانتدارانہ علمی موقف پیش کرنے کا حوصلہ بخشا۔ اقبالیاتی ادب کا رقبہ بہت پھیلا ہوا ہے۔ اس ضمن میں قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کے مطابق:

> ''اب تک اقبالیات کے نام سے جو ذخیرہ ادب تیار ہو چکا ہے وہ اس پایہ کا نہیں جیسا کہ ہونا چاہیے اور جس سے اقبال کے مطالعہ میں کافی مدد مل سکے اس کا سبب ظاہر ہے کہ اب تک کسی خاص منصوبہ بندی کے تحت یہ کام نہیں کیا گیا اور سوائے ان گنے چنے لوگوں کے جنہوں نے اپنے ذاتی شوق اور مطالعہ سے اقبال کی کسی نہ کسی حیثیت پر کام کیا، باقی اکثر تحریرات یا تو ایک دوسرے کی نقل ہیں یا محض مدحیہ اور ستائشی ہیں۔'' (۳۰)

ضرورت اس امر پر زور دینے کی ہے کہ اقبال پر تنقیدی حوالوں سے کام کو محض اشعار کی تشریح کر دینے اور معروف ناقدین یا مغربی مفکرین کے خوبصورت حوالوں کو مضمون میں ڈیکوریشن پیس کی طرح سجانے تک محدود نہ رکھا جائے اقبال صدی نے اقبال شناسی کی جو تحریک پیدا کی تھی، اس کے اثرات باقی ہیں اور مختلف سطحوں پر مطالعہ اقبال جاری ہے۔ اس مطالعے میں وسعت اور پھیلاو کے بجائے دقت نظر اور گہرائی پیدا کرنا اقبالیات کا بنیادی تقاضا ہے۔ مطالعہ اقبال کے سلسلے میں عملی اور ٹھوس کام کرنے کے لیے ایسے اصحاب فکر و نظر کو حصّہ لینا چاہیے۔ جو اقبال شناسی میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔

(ج) قیام پاکستان کے بعد اقبال شناس خواتین

علامہ محمد اقبال ایسے بصیرت افروز دانش ور تھے جن کی دور اندیشی نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ علامہ محمد نے ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچانے کے لیے اپنی شاعری کو استعمال کیا۔ وہ مسلمانوں کو متحد اور ایک آزاد ریاست میں دیکھنے کے تمنائی تھے یہی وہ جذبہ تھا کہ انہوں نے ایک آزاد ریاست کا تصور پیش کیا اور تاریخی خطبہ الہ آباد پیش کیا جس کی اہمیّت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال عالمگیر شہرت کے حامل ہیں۔ اُن کا آفاقی پیغام دنیا کی مختلف زبانوں میں منظر عام پر آ چکا ہے۔ جہاں اُردو بولی جاتی ہے وہاں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی تعریف و توصیف کسی نہ کسی حوالے سے کی جاتی ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک بھارت میں تو اقبال شناسوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ برعظیم پاک و ہند کے کونے کونے میں اقبال شناس افکارِ اقبال کی ترویج کے لیے اپنے اپنے دائرہ کار کے مطابق مصروف عمل ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد اقبال شناس خواتین نے تحقیقی و تنقیدی کتب، تحقیقی مقالات، رسائل و جرائد اور اخبارات میں اقبالیاتی تحریریں پیش کیں اور ثابت کیا کہ وہ اقبال شناسی میں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ اقبالیات پر اقبال شناس خواتین کے مقالات اور مضامین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے بیشتر مختلف کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اقبال شناس خواتین نے اقبال شناسی کے فروغ کو اپنی زندگی کا مشن سمجھا اور اس بلند پایہ شاعر اور فلسفی کو نہ صرف اپنی شاعری کے توسط سے خراج عقیدت پیش کیا بلکہ دل کش نثر کے ذریعے اقبال کی شخصیت، شاعری، فلسفہ اور پیغام کو عوام تک پہنچایا۔ اقبال شناس خواتین نے بہت محنت اور جانفشانی سے لکھا اور اُردو ادب کی تاریخ میں اقبال کی عظمت کو بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ علامہ اقبال،کلیات اقبال (اردو)، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۹۴ء،ص۵۵۵

۲۔ سلیم احمد، اقبال ایک شاعر، لاہور قوسین، ۱۹۸۷ء،ص۱۵

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال۔ممدوح عالم (مرتبہ)، لاہور، بزم اقبال،نومبر ۱۹۷۸ء،ص۴۹

۴۔ محمد منور، پروفیسر،حرف آغاز، میزان اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۹۲ء،ص۱۳،۱۴

۵۔ مولوی سید احمد دہلوی (مرتبہ) فرہنگ آصفیہ، جلد سوم تا چہارم، س تا یے، لاہور، اُردو سائنس بورڈ،طبع دوم، جولائی ۱۹۸۷ء ص۱۸۹

۶۔ وارث سرہندی ایم اے، علمی اُردولغت (جامع)، لاہور،علمی کتب خانہ کبیر سٹریٹ اُردو بازار،طبع دوم ۱۹۹۶ء،ص۹۶۱

۷۔ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی کی تالیف ''اقبالیات کا تنقیدی جائزہ'' پہلی بار کراچی، اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی جبکہ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۵ء میں مولف کی وفات کے بعد بغیر کسی ترمیم واضافے کے شائع ہوا۔البتہ ادارے کی طرف سے یہ وضاحت کی گئی کہ پہلی طباعت کی غلطیوں کو دور کرنے کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے ہمارے پیش نظر یہی دوسرا ایڈیشن ہے۔ص۱۰،۱۱،۱۲

۸۔ احمد علی رجائی ،ڈاکٹر ، اقبال: ممدوح عالم، مشمولہ،اقبال۔ممدوح عالم،مرتب ڈاکٹر سلیم اختر،لاہور ،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء ،ص۵۴

۹۔ سید ابوالحسن علی ندوی،نقوش اقبال، اسلام آباد، سروسز بک کلب، ۱۹۸۸ء،ص۹۹

۱۰۔ مصباح الحق صدیقی ،اُمت مسلمہ کے اتحاد کی بنیاد،مشمولہ، اقبال افکار و خیالات ،مرتبہ مصباح الحق صدیقی تسنیم کوثر گیلانی ،لاہور،فرحان پبلشر، جون ۱۹۷۷ء،ص۱۳۲۔۱۳۱

۱۱۔ شاہد اقبال کامران، اقبال دوستی، اسلام آباد، پورب اکادمی، اپریل ۲۰۰۹ء،ص۲۷

۱۲۔ مجلّہ راوی، گورنمنٹ کالج، لاہور، شمارہ مئی۔ جون ۱۹۳۸ء،ص۲-۳

۱۳۔ ایس آئی فہد، اقبال کا انقلابی فلسفہ،مشمولہ،مسلم ممالک میں اقبال شناسی کی روایت، مرتب ڈاکٹر سلیم اختر اقبال، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص۲۶۴

۱۴۔ آر اے نکلسن ،اقبال بدیشی زمینوں میں ،مشمولہ ،اقبال۔ممدوح عالم،مرتب ڈاکٹر سلیم اختر ،لاہور ، سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص۳۸

۱۵۔ ای۔ایم فارسٹر،محمد اقبال،مشمولہ، اقبال۔ممدوح عالم،مرتب ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص۱۰۵

۱۶۔ یوسف حسین، خان، ڈاکٹر، غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات، ملتان، کاروان ادب، ۱۹۸۶ء،ص۲۹

17۔ Luce Claude Maitre, "IQBAL: A GREAT HUMANIST" Hundred years of iqbal studies" compiled by Dr Waheed-Ishrat 2003, p.g665 - pakistan\Academy ofletters\Islamabad

18۔ Dr .Manzoor - Uddin Ahmed , "Iqbal ,s Theory of Muslim Community And Islamic Universalism p.g662

۱۹۔ ہارون الرشید تبسم، ڈاکٹر، چند ہم عصر اقبال شناس، جہلم، بک کارنر، ۲۱ اپریل ۲۰۱۸ء، ص ۱۶

۲۰۔ زاہد حسین انجم، علامہ اقبال سیرت و کردار کے آئینہ میں، لاہور، نذیر سنز پبلشرز، ۲۰۰۹ء، ص ۷

۲۱۔ شفیق عجمی، ڈاکٹر، اقبال شناسی عالمی تناظر میں، لاہور، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۱ء، ص ۱۰

۲۲۔ صبری تبریزی، مسلم ممالک میں اقبال شناسی کی روایت، مشمولہ، مسلم ممالک میں اقبال شناسی کی روایت، مرتب ڈاکٹر سلیم اختر ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۳۵

۲۳۔ طٰہٰ حسین، ڈاکٹر، مسلم ممالک میں اقبال شناسی کی روایت، مشمولہ، مسلم ممالک میں اقبال شناسی کی روایت، مرتب ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۳۶

۲۴۔ شفیق عجمی، ڈاکٹر، اقبال شناسی عالمی تناظر میں، ص ۱۶

۲۵۔ ایضاً، ص ۲۲

۲۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، مرتب۔ دیباچہ۔ اقبال شناسی اور فنون، لاہور، بزم اقبال، ۱۹۸۸ء

۲۷۔ سلطان رشک۔ مدیر۔ اقبال نیرنگ خیال، راولپنڈی، انجمن پبلشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۱۷

۲۸۔ اقرار حسین شیخ، اقبال اور اقبال شناسی، لاہور، دی بکس ۲۰۰۴ء، ص ۲۶

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۹

۳۰۔ قاضی، احمد میاں اختر، جوناگڑھی، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، نقش ثانی، جون ۱۹۶۵ء، ص ۱۷۱

اقبال شناس خواتین کی تصانیف

علامہ اقبال کا شمار صفِ اول کے ان شاعروں، فلسفیوں، مفکروں اور دانشوروں میں ہوتا ہے جو اپنی حیات میں ہی شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگے تھے اوران کی آ واز مشرق ومغرب کے ساز پر نغمے بکھیرنے لگی تھی۔اقبال نے ہمت وجرات، عمل وسعی پیہم، خوداعتمادی سب سے بڑھ کر ایمان باللہ اور خدمتِ اسلام کی بھی دعوت دی، ان کی ذات گرامی حامل تھی ایک طرف شاعر کی مثال پسندی، اور دوسری طرف ایک ایسے آدمی کی حقیقت پسندی جو اپنی گردوپیش کی چیزوں کو عملی نقطہ نظر سے دیکھنے کی عادی ہو، اقبال کو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر غیر متزلزل یقین تھا۔اس کے نزدیک ایک فرد کی زندگی میں کامیابی کے معنی یہ تھے کہ اس کی ذات کی تکمیل ہوجائے، اوراس مقصد کو حاصل کرنے کا اقبال کی نظر میں صرف ایک ہی راستہ تھا، اور وہ تھا تعلیمات اسلامی کی پیروی، اقبال نے انسانیت کو بھی پیہم عمل اور تکمیل ذات ہی کے ذریعہ اپنی فلاح حاصل کرنے کی دعوت دی۔

اقبال شناسی میں خواتین کا حصّہ ایک وسیع موضوع ہے۔اقبال شناس خواتین نے مختلف پہلوؤں سے اقبال کی سوانح عمری پر جو کام کیا اور شاعر مشرق پر جو تحقیقی وتنقیدی کتب تحریر کیں ان کو منظر عام پر لانے کی ضرورت تھی تاکہ اقبال شناسی کے میدان میں خواتین کی خدمات کو نظر انداز نہ کیا جاسکے۔اقبال کی زندگی اور کلام کے غیر واضح گوشوں کو روشن کرنے کیلیے اندرون وبیرون ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں اقبال پر لیکچر دیئے۔غرض کہ اقبال کے پیغام اور فکر وفن پر تقریروں اور مقالوں کے ذریعے مشرق کے اس مایہ ناز مفکر کو متعارف کرانے اور مقبول بنانے میں انہوں نے جو جہاد کیا ہے اس کا ذکر تحصیل حاصل سے زیادہ نہیں۔اقبال شناس خواتین نے جس مہارت سے اقبال اور اقبالیات کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لیا اس کی مثال اُردو ادب میں نہیں ملتی۔اقبال کی شاعری، افکار اور فلسفیانہ خیالات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے اقبال شناس خواتین کی تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے۔انہوں نے اقبال اور اقبالیات کے ان پہلوؤں کو بھی واضح کیا جواب تک لوگوں کی نظر سے اوجھل تھے۔اقبال شناس خواتین نے جس انداز میں اقبال اور اقبالیات سے محبت نبھائی، ان کا نام اُردو ادب کی کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جانا چاہیے۔

''اقبال کا فلسفہ سیاسیات'' مصنفہ: پروین شوکت علی

ڈاکٹر پروین شوکت علی نے تحقیقی مقالہ بعنوان ''اقبال کا فلسفہ سیاسیات'' انگریزی زبان میں تحریر کیا جس پر انہیں ۱۹۶۸ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا ریاض الحق عباسی نے ''اقبال کا فلسفہ سیاسیات'' کے عنوان سے کیا ہے اور یہ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور کی طرف سے ۱۹۷۷ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ کتاب کل ۵۲۰ صفحات، مصنفہ کے پیش لفظ اور گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر پروین شوکت علی لکھتی ہیں:

> ''اس مقالہ کا مدعائے نگارش یہ ہے کہ فکریات اقبال میں سیاسی تصورات و نظامِ تفکر کے اصولی عناصر کو مقامِ تحقیق و اکتشاف میں لا کر تنقیدی طور پر ان کی اہمیّت کو وضاحت آشنا کیا جائے جن میں اللہ کی حاکمیت، انسان کی مثالی قیادت کے لیے منصب نبوت اجتہاد یعنی آزادانہ استدلال، قومیت، اشتمالیت، جمہوریت، خودی مومن اور ملت کی سیاسی اہمیّت شامل ہے۔''(۱)

باب اوّل ''حیات و تصانیف اقبال'' کے حوالے سے ہے اقبال کی حیات کے مختلف حالات و واقعات اور ان کی تصانیف نظم و نثر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔۔ دوسرا باب ''مشرقی و مغربی تاثر'' کے حوالے سے ہے۔ اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک عظیم مفکر عموماً اپنے بیشتر اربابِ فکر و نظر کے اقوال افکار کو اچھی طرح ذہن پر مرتسم کر لیتا ہے اور اس کے بعد انہیں موزوں و متناسب ربط و ترتیب دے کر ان پر اپنی علمی بصیرت و ذہانت کی مہر ثبت کر دیتا ہے۔ چنانچہ اقبال نے بھی دور متقدمین کی علمی وراثت میں اسے اپنا حصّہ وصول کیا۔ سنجیدگی فکر و بلوغت نظر کی منزل تک پہنچنے سے پہلے اقبال نے بہت سے مشرقی اور مغربی فلسفیوں کے تجسس و تفحص کے نتائج کو اپنے ذہن پر نقش کر لیا تھا، جو اقبال کی علمی و فکری تخلیقات کے نقاب میں جلوہ گر ہیں۔ مصنفہ رقم طراز ہیں:

> ''اقبال کی بصیرت علمی کے ارتقا میں جو موثر عوامل کارفرما تھے۔ ان کی طرف اشارہ کرنا اقبال کی ذہنی صلاحیت کی اہمیّت کو کم کرنے کے مترادف نہیں، بلکہ اس کا مدعا صرف یہ ہے کہ نظریاتِ اقبال کے مطالعہ کرنے والے کی حدود نظر کو اور وسعت دے دی جائے۔۔۔۔''(۲)

تیسرے باب ''حاکمیت'' میں اقبال کے تصور حاکمیت کی وضاحت سے پہلے اللہ کی حاکمیت اور توحید کے ربط کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اسلام میں اللہ کی حاکمیت اور توحید ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔ کتاب کا چوتھا باب ''پیغمبر اسلام بحیثیت مثالی رہنما'' میں مصنفہ نے علامہ اقبال کی شاعرانہ تخیل اور حکیمانہ بصیرت کے مرکزی موضوع برحمت عالم کی سیرت و شخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کے پانچویں باب میں مصنفہ نے اجتہاد کی

ضرورت واہمیّت کے بارے میں اقبال کے خیالات کی وضاحت کی ہے۔مصنفہ نے اجتہاد کے بارے میں اقبال کے نتائج فکر کا جائزہ لینے سے قبل کافی تفصیل سے اجتہاد کی اصطلاح کی تعریف وتوضیح اوراس حیات آفریں نظریہ کی اہمیّت کی صراحت کی ہے اور فقہ اسلامی کے چار مکاتیب فکر جنہوں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تمام جزئیات میں اجتہاد سے کام لیااور اصابت اجتہاد کے لیے بہت سے قواعد وضوابط مرتب کیے، کامختصر تذکرہ بھی کیا ہے۔اہل سنت کے چار مکاتیب فقہی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ہیں۔کتاب کا چھٹا باب ''خودی، مومن اور ملت کی سیاسی اہمیّت'' پر مشتمل ہے۔اس باب میں مصنفہ نے اقبال کے تصور اقتدار وقوت کو نگاہ تحقیق وتجسس سے دیکھنے کی ضرورت پر زور دیا ہے لیکن مصنفہ نے اقبال کے دائرہ فکر وتخیل میں قوت کے مرکزی موضوع کی طرف توجہ مبذول کرانے سے قبل طاقت کے مسئلہ پر اس حیثیت سے طائرانہ نظر ڈالی ہے کہ حیات انسانی کے ہر پہلو میں اس کا تسلط مسلم ہے۔کتاب کے ساتویں باب میں اقبال کے تصورِ قومیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔عصر جدید کے تصورات ونظریات میں غالباً مسئلہ قومیت ہی وہ زاویہ خیال ہے جو اقبال کے لیے سب سے زیادہ دلچسپی کا باعث بنا۔انہوں نے اپنی شاعری، تقاریر، بیانات اور مکتوبات میں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا ہے۔کتاب کا آٹھواں باب ''ہمہ گیری اسلام'' ہے۔اس باب میں مصنفہ نے علامہ اقبال کے نظریہ ہمہ گیری اسلام (پین اسلام ازم) کی وضاحت کی ہے۔اقبال کی سیاسی فکر کا نمایاں نقش عالم گیری اسلام کا تصور ہے، وہ اتحاد عالم اسلام (پین اسلام ازم) کی تحریک سے قریب ترین اور مستحکم ذہنی ربط رکھتے ہیں جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔کتاب کا نواں باب ''اشتمالیت'' جس میں مصنفہ نے اقبال کے اشتمالیت سے متعلّق نظریات وخیالات پر روشنی ڈالی ہے۔مولانا عبدالسلام ندوی نے اشتمالیت یعنی اشتراکیت کے بارے میں اقبال کے زاویہ فکر کو بالاختصار بیان کیا ہے:

> ''اشتراکیت ڈاکٹر کی شاعری کا ایک دلچسپ موضوع ہے اورانہوں نے بال جبریل وغیرہ میں اس کی تائید میں اس قدر پرجوش نظمیں لکھی ہیں کہ وہ بظاہر سوشلسٹ معلوم ہونے لگتے ہیں لیکن بایں ہمہ وہ اس تحریک کے بعض بنیادی اصولوں کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔'' (۳)

کتاب کا دسواں باب ''جمہوریت'' ہے۔اس میں مصنفہ نے جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے بارے میں اقبال کے نظریات بیان کیے ہیں۔اس کتاب کا گیارہواں اور آخری باب ''اقبال اور عملی سیاست'' صفحہ ۴۲۷ سے لے کر صفحہ ۵۲۰ تک محیط ہے۔اس باب میں مصنفہ نے یہ بتایا کہ اقبال عملی سیاست میں شامل نہ تھے لیکن زندگی کے بعض مرحلوں میں انہوں نے برصغیر پاک وہند کے سیاسی عقدہ ہائے مشکل کے حل تلاش کیے اور اپنی تمام صلاحیتیں ان مسائل ومشکلات کے حل کے لیے صرف کر دیں۔

''اقبال اور وجودِ زن'' مصنفہ: ڈاکٹر نسرین اختر

ڈاکٹر نسرین اختر کی تصنیف ''اقبال اور وجودِ زن'' ادارہ تحقیق وتصنیف پاکستان، لاہور سے دسمبر ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔ مصنفہ نے اس کتاب میں علامہ اقبال کے اشعار وافکار کی روشنی میں عورت کی عظمت کو واضح کیا ہے۔ اوراس کے ساتھ ساتھ اقبال نے مسلمان عورت کو جو تعلیم دی ہے اسے تفصیل کے ساتھ قوم کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ وہ اقبال کی تعلیمات کو مشعل راہ بنا سکیں جس میں اسلام کی صحیح روح پنہاں ہے۔اس کتاب کا پہلا باب میں ''اسلام میں عورت کا مقام'' پر مشتمل ہے۔علامہ اقبال دسمبر ۱۹۲۸ء کے آخری ایام میں مدارس میں مسلم ایسوسی ایشن کے بانی سیٹھ محمد جمال کی دعوت پر مدارس گئے جہاں انہوں نے ۷جنوری ۱۹۲۹ء کو ٹاکرس گارڈن میں انجمن خواتین اسلام مدارس کی جانب سے دیے گئے ایک استقبالیے میں شرکت کی۔اس دعوت میں انجمن خواتین اسلام مدارس نے علامہ اقبال کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔علامہ نے اس سپاس نامہ کے جواب میں جو تقریر کی دونوں شامل کتاب ہیں۔مصنفہ نے علامہ اقبال کی اس تقریر کو اس لیے شامل کتاب کیا ہے کہ اس سے اقبال کے خیالات کے مطابق اسلام میں عورت کے مقام کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو۔اس تقریر میں علامہ اقبال نے اسلامی تعلیمات اور قرآن حکیم کے حوالوں سے معاشرے میں عورت کے مقام پر روشنی ڈالی ہے اور مرد کو عورت کا محافظ قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام میں مرد وزن میں قطعی مساوات ہے۔دوسرے میں مصنفہ نے ''اقبال اور وجودزن'' کے عنوان کے تحت اقبال کے خیالات ونظریات کی روشنی میں وجودزن کی اہمیّت،عورت کے منصبی فرائض،محبت کی شادی،معاشرہ اور لڑکی، انگریز اور عورت،عورت اور مرد کی اہمیّت،عورت بقائے نوع انسان،قوموں کی کامرانی کے راز،طلاق اور تعدد ازدواج،شادی بیاہ کی قبیح رسموں اور عورتوں کی صغرسنی کی شادی کی وضاحت کی۔تیسرے میں مصنفہ نے ''اقبال اور پردہ'' کے عنوان کے تحت اقبال کی نظر میں پردے کی اہمیّت بیان کرتے ہوئے پردے کو عوت کا صحیح محافظ اور مشرقی عورت کی حیا کی علامت قرار دیا ہے۔چوتھے باب میں ''اقبال اور تعلیم نسواں'' کے زیر عنوان اقبال کے تصور تعلیم کی روشنی میں معتزلی اور مخلوط تعلیم کو سامنے رکھتے ہوئے عورتوں کے لیے الگ یونیورسٹیوں کے قیام کی ضرورت پر زور دیا ہے۔پانچویں باب میں ''اقبال اور اُمت'' کا ذکر کیا گیا ہے۔اس باب میں اقبال کے مخدرات اسلام سے خطاب کے حوالے سے ماں کے تقدس، اہمیّت،مسلمان خواتین کے لیے بہترین نمونہ سیرت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا کو قرار دیتے ہوئے انگلستان کی عورتوں کے نام اقبال کے پیغام اور ضبط تولید کی وضاحت کی گئی ہے۔چھٹا اور آخری باب

’’گلہائے عقیدت‘‘ مشتمل ہے۔اس باب میں اقبال کی نظر میں شرف النساء کے مقام اور فاطمہ بنت عبداللہ کو پیش کیے گئے خراج عقیدت کا اور ان دونوں خواتین کے سوانحی خاکہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔علامہ نے یہ نظم اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھی ہے اور ان کی اپنی والدہ سے بے پناہ محبت کی غماز ہے:

کس کو اب ہوگاں وطن میں آہ! میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب عائے نیم شب میں کس کو یاد آؤں گا(۴)

اور انتہائی دکھ اور کرب کے عالم میں کہتے ہیں:

عمر بھر تیری محبت میری خدمت میں گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
تخم جس کا تو ہماری کشت جان میں بو گئی
شرکت غم سے وہ اُلفت اور محکم ہو گئی(۵)

مصنفہ کی یہ تصنیف علامہ اقبال کے خواتین کے متعلّق خیالات ونظریات کا مکمل طور پر بڑی خوبی سے احاطہ کرتی ہے۔مصنفہ اقبال سے صرف عقیدت کے حق میں نہیں بلکہ علامہ اقبال کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات اور پیغامات پر عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیتی ہیں۔

’’دائمی تحرک اور اجتہادِ فکر و عمل کا شاعر‘‘ مصنفہ: بیگم ثاقبہ رحیم الدین

بیگم ثاقبہ رحیم الدین خان کا مقالہ ’’دائمی تحرک اور اجتہادِ فکر و عمل کا شاعر‘‘ کتابی صورت میں اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے ۹ نومبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔اقبال جیسا دانائے راز اور دیدہ ور شاعر کل عالم انسانیت اور خصوصاً مسلمانانِ ہندو پاک کے انداز زندگی اور اخلاق وعادت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔مغرب میں سائنسی ایجادات، مختلف علوم کا عروج، مشینی ترقی اور تحقیق کا عمل تیز رفتاری سے جاری تھا۔جبکہ مشرق میں سیاسی و ذہنی غلامی کی تاریکی، مایوسی وناامیدی کی گھٹن، راحت طلبی، تن آسانی اور کاہلی کا غلبہ تھا۔جب اقبال اپنے ہم وطنوں اور ان جیسے تمام انسانوں کے لیے روحانی وجسمانی پسماندگی کے جنگل میں راستہ بنانے کا خیال کر رہے تھے اس وقت پہلے سے رابندر ناتھ ٹیگور، مولانا محمد علی جوہر، سید سلیمان ندوی، مولوی عبدالحق، مولانا حالی اور شبلی کا دور تھا۔اور گوئٹے،

نطشے ، غالبا اور سرسید احمد خان کے اثرات ذہنوں پر چھائے ہوئے تھے۔ سیاست، فلسفے اور سائنس کا دامن مصطفیٰ کمال پاشا، کارل مارکس، برٹرنڈ رسل، برگساں اور آئن سٹائن جیسی عظیم ہستیوں سے مالا مال تھا۔ ان منور چراغوں کے ہوتے ہوئے ابتدا میں اقبال کا کلام دائمی تحرک ایک دیے کی مانند ہوگا مگر انہوں نے انسانی قلب و ذہن کے چراغ کی لو تیز کر دی۔

اقبال کی نثر اور شاعری دونوں میں تہہ در تہہ مسلسل موت اور حرکت و عمل کارفرما ہے۔ وہ اجتماعی زندگی میں احساس کمتری، ذہنی انتشار اور مردہ دلی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ذہنوں میں مقصد کی لگن اور ذوق عمل کی بیداری کے لیے کوشاں رہے۔ اقبال کے زمانے میں نفی ذات، تصوف کے مسخ شدہ چہرے اور دنیا سے فراریت اور قنوطیت کے تصورات عام تھے۔ ایسے میں اقبال کا فلسفہ خودی ایک طرح کا جہاد تھا۔ کیونکہ خودی کی اساس عمل پیہم پر ہے۔ مصنفہ کے مطابق:

> ''بے شک شاعر مشرق کے اشعار میں بے پناہ وسعتیں ہیں مگر عظمت کا یہ پہلو بڑا اہم ہے کہ اس کی شاعری ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کا احاطہ کرتی ہے۔''(۶)

اقبال اپنے اسلاف کی عظمت پر نازاں ہیں اور حال و مستقبل کی تعبیر جہد مسلسل اور قوت بازو سے کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک فاتح عالم وہ ہے جو دلوں کی محبت سے جیتے مگر دنیا پر اپنے اعمال صالحہ اور رفعت پرواز سے چھا جائے اقبال کے فکر و احساس کی سچّی تصویروں کے سلسلے میں ان کے تخیلی پیکروں کو دیکھا جائے تو ان میں ان کی اپنی قدریں صاف جھلکتی ہیں۔ پھر مصنفہ نے اقبال کی چند نظموں جیسے ''تسخیر فطرت''، ''جاوید نامہ''، ''حور و شاعر'' اور ''مسجد قرطبہ'' کے کرداروں پر طائرانہ نظر ڈالی ہے۔

اقبال کے نزدیک زندگی متحرک حقیقت ہے اور تغیّر و انقلاب کے اس ارتقاء کے لازمی عناصر ہیں۔ شاعری کے ساتھ ساتھ مفکر شاعر، اقبال کے نثر اور لیکچرز جا بجا زیست کے حرکی تصور کو اُجاگر کرتے ہیں۔ اقبال نے تصور حسن کے جمالی پہلو سے سچّی مسرت حاصل کرتے ہیں اور جلالی پہلو سے جوش حیات اور کوشش ناتمام مراد لیتے ہیں۔

اقبال کے حیات افروز پیغام کی وسعتیں جاننے کے لیے مصنفہ نے ان کے نظریہ تحرک کی نسبت سے شاہین اور مرد مومن کی علامات کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں علامات رفعت پرواز، جوان مردی، مسلسل تگ و دو اور تسخیر کائنات کے فلسفے کو ظاہر کرتی ہیں۔

اقبال نے فنی لحاظ سے جمود و یکسانیت کو توڑا۔ ان کا دائمی تحرک فلسفہ اظہار فن میں پر اعتماد لب و لہجہ اور ولولہ

انگیز تاثر بن کر نمایاں ہوا۔اقبال کے طرز کلام میں مردانہ پن، ارتعاش کی کیفیت اور جوش حیات ہے۔

مصنفہ مقالے کے آخر میں علامہ اقبال کے دائمی تحرک اور اجتہاد فکر وعمل کے فلسفے کی روشنی میں لکھتی ہیں کہ فرد اور قوم کی تعمیر وترقی کا راز اعلیٰ صلاحیتوں کے نکھار اور مسلسل سخت محنت میں ہے۔لہٰذا ہمیں فلاح اور ترقی کی منزل تک پہنچنے کے لیے بے یقینی اور سہل انگاری کی دھند کو ہٹا کر راستہ بنانا ہے اور اس راستے پر اقبال آج بھی ہم سفر و ہمدم ہیں۔

''اقبال کا بچپن'' مصنفہ: فرزانہ یاسمین

فرزانہ یاسمین کی کتاب ''اقبال کا بچپن'' نیشنل بک ہاؤس، لاہور سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دراصل اقبال کے اس دور کی کہانی ہے جس سے گزر کر اقبال، اقبال بنے۔مصنفہ کے نزدیک وہ اقبال جو قوم کا اقبال بنا، اس کا بچپن، ماحول ہمارے ماحول سے زیادہ یا کچھ مختلف تو ہوگا کچھ تو انفرادیت اس تربیت اور ماحول میں ہوگی جس نے اقبال سا انسان معاشرے کو فراہم کیا۔مصنفہ ''پہلی بات'' کے زیر عنوان لکھتی ہیں:

> ''میں نے اس کتاب میں اسی دور، اسی ماحول اور اسی تربیت و فیضان کو مربوط انداز میں رقم کیا ہے، جس سے اقبال کا بچپن عبارت ہے اور جس نے اتنے بڑے انسان کی شخصی تشکیل میں حصّہ لیا۔ میں نے اپنے عہد کے بچوں کو تاریخ کے اس حسین دور میں لے جانے کی سعی کی ہے جس سے گزر کر ننھا اقبال، علامہ اقبال بنا۔''(۷)

اس مختصر سی کتاب کا عنوان مصنفہ نے ''اقبال کا بچپن'' رکھا ہے، مروج معانی میں بچپن عمر کا اولین اور ابتدائی دور سمجھا جاتا ہے لیکن انہوں نے اسے طالب علمی کے دور تک شمار کیا ہے اور لفظ ''بچپن'' کو اصطلاحی طور پر اور زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے۔مصنفہ نے اس کتاب میں 14 عنوانات کے تحت علامہ اقبال کے دور طالب علمی اور پھر انگلستان سے واپسی پر اپنی والدہ کی آغوش میں واپسی کے حالات بیان کیے ہیں۔''ایک حسین خواب کی تعبیر'' کے عنوان کے تحت مصنفہ نے اقبال کی پیدائش سے قبل ان کے والد شیخ نور محمد کے خواب اور ان کے والدین کی برگزیدگی اور پاک بازی کا حال بیان کیا ہے کہ اقبال نے نیک دل اور ایماندار ماں باپ کی آغوش میں آنکھیں کھولیں اور رفتہ رفتہ اپنی عمر کی منزلیں طے کرنی شروع کریں۔

''ذہین طالب علم'' کے زیر عنوان مصنفہ نے اقبال کی ابتدائی تعلیم اور ان کی غیر معمولی ذہانت کا حال بیان کیا ہے۔اقبال نے ابتدائی تعلیم سید میر حسن کے مکتب سے حاصل کی جو ان کے گھر سے زیادہ دور نہ تھا۔اس کے بعد سکاچ مشن سکول سے تعلیم حاصل کی۔''اقبال دیر ہی سے آتا ہے'' کے زیر عنوان مصنفہ نے اقبال کے دیر سے کلاس میں پہنچنے پر استاد کے استفسار پر برجستہ جواب کا واقعہ درج کیا تھا اور یہ بیان کیا ہے کہ لہجے کی برجستگی کے باوجود

ادب اور سلیقہ موجود تھا اور یہ گھر کے صاف ستھرے ماحول اور سید میر حسن کے فیض اور تعلیم نے اقبال کے اندر پیدا کر دیا تھا۔ مصنفہ نے اقبال کے مطالعہ کے شوق، خوبصورتی اور کبوتر پالنے اور ان کی اونچی پرواز کی پسندیدگی کا احوال بھی مختصراً بیان کیا ہے۔ مڈل کے امتحان کی کامیابی اقبال کی ترقی کی پہلی منزل تھی جو انہوں نے بڑی کامیابی سے حاصل کی تھی۔ ''بوڑھے باپ کے آنسو'' میں اقبال پر ان کے والد کی صوفیانہ شخصیت کے اثرات اور سید میر حسن کی شفقت و محبت کو اقبال کے عظیم انسان بنانے میں اہم قرار دیا گیا ہے۔ مڈل کے بعد میٹرک کا امتحان انہوں نے ۱۸۹۳ء میں فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ یہ ان کی کامیابی کی ایک اور منزل تھی اب اعلیٰ تعلیم کا دروازہ ان پر کھل گیا تھا۔

''بیٹے کا باپ سے عہد'' کے زیرِ عنوان مصنفہ نے اقبال کے سکاچ مشن کالج میں ایف اے میں داخلے اور ان کی بطور مقرر، شاعر اور اچھی نثر لکھنے والے شہرت کے آغاز کا ذکر کیا ہے۔ اقبال کی شاعری کی ابتدا اور داغ دہلوی سے شاگردی کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر وہ واقعہ درج کیا گیا ہے کہ صوفی نور محمد کے یہ کہنے پر کہ میری محنت کا معاوضہ یہ ہے کہ پڑھ لکھ کر اسلام کی خدمت کروں، اقبال نے ان سے عہد کیا کہ وہ اپنے والد کی یہ خواہش ہر حال میں پوری کریں گے۔ ''زندہ دلوں کے شہر میں'' کے زیرِ عنوان اقبال کے سیالکوٹ سے لاہور بغرضِ تعلیم آور، اپنے دوست گلاب دین کے ہمراہ بھاٹی گیٹ میں رہائش، گورنمنٹ کالج میں داخلے اور پھر کالج کے ہوسٹل میں رہائش اور ان کی عادات و قابلیت و ذہانت کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ پھر بازار حکیماں کی ادبی انجمن کے مشاعرے میں شرکت کے بعد اقبال سخن فہم اور باذوق حلقوں میں اچھی طرح متعارف و مشہود ہو گئے۔ لاہور میں دو سال کی تعلیم کے بعد ۱۸۹۸ء میں بی اے کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا جو ان کی علمی ترقی میں ایک اور اضافہ کا باعث ہوا۔ ''اُستاد اور ماں باپ کی خدمت میں'' کے تحت مصنفہ نے بیان کیا ہے کہ اقبال کی بی اے میں اعزازی کامیابی پر ان کے والدین اور استاد بہت خوش ہوئے۔ بی اے کا نتیجہ نکلنے کے چند دن بعد اقبال مزید تعلیم کی خاطر لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔

''فلسفہ کا طالب علم''، ''کچھ دن استاد کی حیثیت سے''، ''محبُوبِ الٰہی کے مزار پر''، ''مشرق کا شاعر مغرب میں'' اور ''ماں کی آغوش میں'' ان عنوانات کے تحت مصنفہ نے پہلے اقبال کی ذاتی دلچسپی کے باعث گورنمنٹ کالج میں فلسفے کے طالب علم کی حیثیت سے مختصر حال بیان کیا ہے۔ پروفیسر آرنلڈ کی رہنمائی اور معاونت کے باعث اقبال دورِ طالب علمی میں ہی فلسفہ کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ فلسفے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ لاہور کی علمی اور سماجی سرگرمیوں میں بھی برابر حصّہ لیتے رہے۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں شرکت سے وہ ایک بڑے قومی

شاعر کی حیثیت سے متعارف ہوئے اور پورے ہندوستان میں ان کا نام گونج اُٹھا۔ ۱۸۹۹ء میں ایم اے کا فلسفہ امتحان بھی اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ اس کے بعد اقبال پنجاب یونیورسٹی کے اورینٹل کالج میں بطور میکلوڈ عربک ریڈر کے طور پر کام کرتے رہے۔ پھر گورنمنٹ کالج میں انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر کام کیا۔ اپنی مشہور کتاب ''علم الاقتصاد'' لکھی، جس سے معاشی واقتصادی مسائل اور معاملات کے بارے میں ان کے خیالات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

پروفیسر آرنلڈ کی لندن روانگی کے بعد اقبال نے بھی بغرض تعلیم لندن روانگی کا قصد کیا۔ پہلے دہلی آئے یہاں محبُوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر حاضری دی اور اپنی مشہور نظم ''التجائے مسافر'' پڑھی۔ یہ نظم حضرت محبُوب الٰہی سے ان کی عقیدت اور سفر کے نیک مقصد میں بزرگوں کی دعاؤں اور فیضان کی طلب کا اظہار کرتی ہے۔ پھر مرزا غالب کے مزار پر حاضری کے بعد ۳ دسمبر ۱۹۰۴ء کو بمبئی روانہ ہوئے جہاں سے انہیں بحری جہاز کے ذریعے لندن جانا تھا۔ اقبال نے پی ایچ ڈی کے لیے اپنے مقالے کی تیاری کے ساتھ ساتھ لنکز ان میں بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے لیے بھی داخلہ لے لیا۔ انہوں نے اس زمانہ میں سخت محنت کی اور تحقیقی کام کے ساتھ ساتھ قانون کی تعلیم بھی حاصل کی۔ فارغ اوقات وہ علم و ادب سے وابستہ افراد جیسے سید علی بلگرامی، شیخ عبدالقادر، ڈاکٹر انصاری، عطیہ فیضی، پروفیسر آرنلڈ، میک ٹیگر یٹ، نکلسن اور مس بیک ان کے ساتھ بسر کرتے تھے۔

اقبال کو میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری اپنے تحقیقی مقالے ''ایران میں فلسفہ مابعد الطبیعات'' پر نومبر ۱۹۰۷ء میں ملی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد قانون کی ڈگری کے حصول کے بعد جولائی ۱۹۰۸ء میں طن واپس آئے۔ واپسی پر پھر حضرت نظام الدین اولیاء ؒ کے مزار پر حاضری دی۔ زندگی کے نئے تجربات، مغرب کی تاریخ، تہذیب وفلسفہ سے آگاہی اور اعلیٰ تعلیم سے مزین ہو کر اقبال واپس اپنے وطن لوٹے اور گھر آتے ہی اپنی والدہ سے لپٹ گئے۔ ان کی والدہ کی آنکھیں نم تھیں اور لب خاموش تھے۔ انہیں اپنے عزیز اور لاڈلے بیٹے سے مل کر دنیا بھر کی راحت مل گئی تھی۔ اقبال نے وطن واپسی پر مس ایماویگے ناست کو ایک خط تحریر کیا جس میں انہوں نے وطن واپسی پر اپنے تاثرات رقم کیے اور خوشی کا اظہار کیا ہے کہ ان کے والدین صحت مند، بہنیں اور والدہ ان کی واپسی پر بہت مسرور ہیں۔ اقبالیات کے ضمن میں یہ کتاب ایک بے مثال کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔

''اقبال کی قومی شاعری'' مصنفہ: ڈاکٹر شمیم ملک

ڈاکٹر شمیم ملک کی کتاب ''اقبال کی قومی شاعری'' مقبول اکیڈمی، لاہور سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔ پہلے باب میں مصنفہ نے قوم، گروہ، جماعت، فرقہ، خاندان اور قبیلہ میں فرق اور قومیت کے تصور اور اس کے مفہوم کو واضح کیا ہے اور اس کے بنیادی معنی قوم سے محبت اور وابستگی اور ان تصورات سے وابستگی بیان کیے ہیں، جن سے قومیت کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے اور ہندوستانی قومیت اور اس کے اجزاء ہندوستان کے ماضی اور روایات آزادی، قومی آزادی کے علم بردار اشخاص اور وطنیت کی وضاحت کی ہے۔ دوسرے باب میں مصنفہ نے اردو شاعری میں قومیت کے تصور کے ارتقا کا جائزہ غدر سے پہلے، غدر اور اس کے بعد غدر کے بعد کی شاعری کے قومی موضوعات کے حوالے سے لیا ہے، وطن سے محبت، اس کی آزادی سے محبت، ان اوصاف سے لگاؤ جن کی بدولت آزادی حاصل ہوتی ہے اور ان چیزوں سے نفرت جو اس کے راستے میں حائل ہیں، وطن کی تاریخ، اس کا ماضی اور اس کے مختلف ادوار کی شخصیات اور وطن کے مناظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ مختلف ادوار کی شخصیات میں مولانا الطاف حسین حالی، چکبت، حفیظ جالندھری، تلوک چند محروم، مہاراج بہادر برق، ظفر علی خاں شامل ہیں۔

تیسرے باب میں مصنفہ نے قومی شاعری کے اہم نمائندوں آزاد، حالی، شبلی، چکبست، ابر، سرور جہاں آبادی، تلوک چند محروم اور منشی پیارے لال کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا ہے۔ قومی شاعری کے ان علمبرداروں کے مختصر تعارف اور سوانحی حالات کے بعد مصنفہ نے ان کی شاعری میں سے مثالیں پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ قومی شاعری کے یہ نمائندہ علمبردار اپنی شاعری کے نمایاں موضوع حب الوطنی کی بنا پر انہیں قومی شاعری کی تاریخ میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ باب چہارم میں اقبال کی قومی شاعری کے عنوان کے تحت اقبال کے ہندوستان کی محبت سے متعلّق تصورات، ان کی شاعری کے پہلے دور اور اس کے موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں جس تصور وطنیت نے جنم لیا تھا اس میں سرتاپا سیاسی رنگ کا غلبہ تھا۔ اس دور میں عالمی حالات واقعات نے محکومی کے شعر واحساس کو شدید تر کیا اور وطن کی محبت اور وطنیت کے تصور نے ایک خاص سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ چنانچہ اس دور میں حب الوطنی کے جذبے کے تحت بے شمار نظمیں لکھی گئیں اور عرب وعجم کی باتوں کو چھوڑ کر ہندوستانی فضا میں حرکت کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کی گئی۔ پانچواں باب اقبال کی شاعری کے دوسرے اور تیسرے دور میں ان کے موضوعات پر مبنی ہے۔

اقبال نے پہلے دور کی شاعری میں وطن کی محبت کے گیت گائے، اتحاد واتفاق کا درس دیا اور مناظر فطرت کی

عکاسی کی۔ اپنی شاعری کے دوسرے دور (۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک) میں یورپ میں رہ کر انہوں نے جو اثرات قبول کیے، وہ ان کی شاعری کے آنے والے دور میں ان کے رہنما بنے۔ اقبال کے تیسرے دور کی شاعری ۱۹۰۸ء سے شروع ہوتی ہے۔ اس دور میں اقبال نے مسلمانوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا، ان کی زبوں حالی کی تصویریں اپنی شاعری میں پیش کیں اور ان کے اسباب تلاش کر کے ان کا مداوا تجویز کیا۔ اقبال نے خلافت کے خاتمے اور جنگ عظیم کے بعد آنے والے معاشی انقلاب، انقلاب روس ۱۹۱۷ء کے پر ہیجان دور میں ''خضر راہ'' لکھی۔ اس نظم سے اقبال کی انقلابی شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

> ''خضر راہ میں ہمیں سب سے پہلے اسلام اور اشتراکیت کا امتزاج ملتا ہے۔ اسی طرح طلوع اسلام دراصل اشتراکی اسلام کا طلوع ہے۔ اس نظم میں سرمایہ دارانہ سماج کے طلسم کے توڑنے کی کوشش کی ہے اور اقبال نے جہاں کہیں بھی یہ بات کی ہے ان کے لہجے میں بڑا شکوہ ہے۔'' (۸)

چھٹا اور آخری باب اس باب میں مصنفہ نے اقبال کا دوسرے قومی شعراء سے مقابلہ کرتے ہوئے شاعری کی تاریخ میں ان کے مقام و مرتبے کا تعیّن کیا ہے۔ مصنفہ نے اس کتاب میں علامہ اقبال کی قومی شاعری کے تحقیق و تجزیاتی مطالعے میں تحقیق اور تنقید دونوں کو پیش نظر رکھا ہے اور اردو میں قومی شاعری کی روایت کے پس منظر میں علامہ اقبال کی قومی شاعری کے خدوخال کو بڑے سلیقے سے نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی تین ابواب اصل موضوع کے پس منظر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

''اقبال اور بچوں کا ادب'' مصنفہ: زیب النساء بیگم

زیب النساء کی کتاب ''اقبال اور بچوں کا ادب'' ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کو مصنفہ نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب بچوں کے لیے ادب کی ضرورت، دوسرا باب بچوں کے ادب کی خصوصیات اور تیسرا باب اردو میں بچوں کا ادب پر مشتمل ہے۔ چوتھے باب میں عنوان اقبال اور بچے کے تحت پہلے اقبال کی بچوں کے لیے لکھی جانے والی نثری اور پھر شعری تصنیفات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

> ''اُستاد کو بچے کو دماغی کمزوری بھی ہمارے معیار کے مطابق ہے، اس سے مایوس نہ ہونا چاہیے کہ وہ صاحب دل ہے یا نہیں۔ کیونکہ الفاظ کے رٹنے والا دماغ حقیقی کامیابی کا ضامن نہیں ہوسکتا۔'' (۹)

اقبال کے مضمون ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' میں بچوں کی نفسیات، ان کے ترغیبات، ذہن اور ان کے ماحول کے محرکات وغیرہ کا علمی بیان ہے۔ اس مضمون میں اقبال کا انداز بیان تشریحی نوعیت کا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک بچوں کے لیے اقبال کے تصور تعلیم کے مطابق جو نظام تعلیم ڈھالا جائے گا اس میں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا

کہ بچے کی فطری صلاحیتوں کی نشو ونما اس طرح ہو کہ وہ اپنے آپ کو پہچانے۔ کیونکہ خود شناسی ہی خودی کی پہلی منزل ہے۔ مغرب کے ماہرین تعلیم عمل کو تعلیم کا اولین زینہ قرار دیتے ہیں۔ بچوں کو کتابی کیڑا بنانے کے بجائے کتاب فطرت کے مطالعہ کے موقع فراہم کیے جاتے ہیں۔

اقبال یہ بھی چاہتے تھے کہ بچوں کے نظام تعلیم میں علوم جدیدہ کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ کو لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کیا جائے۔ تاریخ کے مطالعہ کی اہمیّت اور نصاب میں اس کی شمولیت کے مسئلے پر انھوں نے کئی موقعوں پر اپنے کلام میں اظہار خیال کیا ہے۔ ''رموز بے خودی'' میں بتایا ہے کہ تاریخ کوئی فرضی داستان یا افسانہ نہیں ہے۔ یہ خود آ گہی اور کارکشائی کی ضمانت دیتی ہے، ماضی سے حال کو روشن کرتی ہے اور مستقبل کو حال کی مدد سے تابناک بناتی ہے۔ اردو کورس کی کتابیں حکیم احمد شجاع کے تعاون سے ترتیب دی گئیں اور گلاب چند کپور اینڈ سنز کے زیر اہتمام لاہور سے ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئیں۔ فرمان فتح پوری کے مطابق:

> ''تینوں کتابوں پر ایک ہی دیباچہ ہے۔ ''تاریخ ہند'' لالہ رام پرشاد پروفیسر تاریخ، گورنمنٹ کالج لاہور کے اشتراک سے مرتب ہوئی اور پہلی بار ۱۹۱۳ء میں منشی گلاس سنگھ اینڈ سنز نے لاہور سے شائع کی۔ ''آئینۂ عجم'' فارسی نظم و نثر کے منتخبات پر مبنی ہے۔ اقبال نے اسے میٹریکولیشن کے طلباء کے لیے مرتب کیا تھا جو ۱۹۲۷ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ ''انتخاب بیدل'' جدید بی اے کورس (فارسی) کے لیے ترتیب دی گئی اور ۱۹۲۲ء میں لاہور سے طبع ہوئی۔''(۱۰)

حصّہ نظم میں اقبال کی بچوں کے بارے میں لکھی گئی نظموں مثلاً ''جاوید کے نامہ''، ''خطاب بہ جاوید'' اور ''پرندہ اور جگنو'' کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ سماج میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جس صالح ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے پیش نظر اقبال نے اخلاقی نظموں کو پیش کر کے ذہن کی پختگی اور فکر کی بالیدگی کا ثبوت دیا ہے۔ چوتھے باب کے آخری حصّے میں زیب النساء نے خالص تحقیقی انداز سے کام لیتے ہوئے بڑی کاوش سے باقاعدہ اعداد و شمار کے ذریعے اقبال کیتمام مجموعہ ہائے کلام میں باری باری بچوں کے لیے لکھی گئی نظموں کو علیحدہ کیا ہے۔ بچوں کے لیے لکھی گئی مطبوعہ نظموں کے علاوہ مختلف ذریعوں سے دریافت ہونے والی غیر مطبوعہ نظموں اور اشعار کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ پانچویں اور آخری باب میں ''بچوں کے ادب کا مطالعہ'' کے زیر عنوان بچوں کے لیے لکھے جانے والے ادب (نظم و نثر) کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کی بچوں کے لیے کہی ہوئی نظموں میں سیاسی بیداری، حب الوطنی، غلامی سے نجات حاصل کر کے آزادی سے لگاؤ کا ذوق، اتحاد و اصلاح کا جذبہ اور باہمی ہنگاموں سے اختلاف پیدا کنے والی نظموں میں ''ترانہ ہندی''، ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت''، ''پرندے کی فریاد''، ''ایک پرندہ اور جگنو'' وغیرہ ہیں۔ اقبال کے بچوں کے لیے لکھی جانے والی نظموں کے دو رُخ بیان کیے گئے

ہیں۔ایک طرف تو مصنفہ نے انہیں اقبال کے نئی نسل سے گہرے تعلّق کا ثبوت قرار دیا ہے اور دوسری طرف یہ کہا ہے کہ بچوں کے لیے لکھی جانے والی ان نظموں میں بڑوں کے لیے بھی پیغام ہیں۔علامہ اقبال نے نثر میں بھی بچوں کے لیے بیش بہا خزانہ چھوڑا جیسے مختلف مضامین، چند مرتب کردہ نصابی کتب مصنفہ اقبال کے کلام کو سمجھنے کے لیے نثر کے مطالعہ کو ناگزیر قرار دیتے ہوئے اقبال کے فن کی عظمت اوران کے افکار کی بلندی کا راز خود احتسابی کے رجحان کو قرار دیتی ہیں۔مصنفہ اقبال سے خالی عقیدت کے حق میں نہیں بلکہ علامہ اقبال کے نقش قدم پر چلنے اوران کی تعلیمات اور پیغامات پر عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیتی ہیں۔

''تسہیل اقبال'' مصنفہ: منزہ ماجد

منزہ ماجد کی اقبال کی طویل نظموں پر تسہیل وتنقید پر مشتمل کتاب ''تسہیل اقبال'' صوفی تبسم اکیڈمی، راولپنڈی سے ۲۱ اپریل ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں مصنفہ نے اقبال کی اس طویل نظموں کی تسہیل وتنقید پیش کی ہے۔ان نظموں میں ''شکوہ''، ''جوابِ شکوہ''، ''شمع وشاعر''، ''والدہ مرحومہ کی یاد میں''، ''خضر راہ''، ''طلوع اسلام''، ''ذوق وشوق''، ''مسجد قرطبہ''، ''ساقی نامہ''، اور ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' شامل ہر نظم کی تسہیل وتنقید سے قبل اس نظم کا متن درج کیا گیا ہے۔مصنفہ نے سب سے پہلے اقبال کی نظم ''شکوہ'' کی تسہیل پیش کی ہے۔اس کے بعد نظم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس نظم کو دنیا کی معرکہ آرا نظموں میں شمار کیے جانے کے قابل قرار دیا ہے۔

اس نظم میں اقبال نے ان جذبات کو زبان بخشی جو اہل اسلام کے ہونٹوں پہ رُکے ہوئے تھے مسلسل مشکلات سے دوچار رہنے والے دل ہی دل میں خدا تعالیٰ سے اس طرح کی باتیں کہنا چاہتے تھے لیکن وہ کہہ نہیں سکتے تھے۔علامہ اقبال نے اپنی دوررس فکر سے ان کی اس کیفیت کو اس نظم میں زبان بخشی ہے۔مصنفہ نے ''شکوہ'' کا تجزیہ کیا ہے اور اس کے فنی محاسن بھی گنوائے ہیں جو بلاشبہ علامہ اقبال کی فنی عظمت کے بہت سارے معیار مقرر کرتے ہیں۔مصنفہ اقبال کو دانائے راز قرار دیتے ہوئے کہتی ہیں:

> ''جب نظم جواب شکوہ نظم شکوہ کے ساتھ رکھ کر پڑھی جاتی ہے تو نظم شکوہ کی حیثیت وہ نہیں رہتی جو صرف اس نظم تک محدود ہے۔بلکہ ایک بہت بڑے مثبت نتائج کے ڈرامے کا پہلا حصّہ دکھائی دینے لگتی ہے اوراس نظم کی یہ خوبی اتنی بڑی خوبی ہے کہ نظم شکوہ کی باقی ساری خوبیوں کے برابر رکھی جاسکتی ہے۔''(۱۱)

دوسری نظم ''جواب شکوہ'' کی تسہیل نہایت اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔یہ نظم ''شکوہ'' کا جواب فراہم کرتی ہے۔اس نظم میں اقبال خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے کیے گئے شکوے کے جواب میں اُمت مسلمہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب مذہب یعنی خدا، رسول اور قرآن سے دوری قرار دیتے ہیں۔تو وہ ذرہ جو ہے جو بیابان ہوسکتا

ہے لیکن تجھے چاہیے کہ تو جذبہ عشق سے سارے زمانے میں اسم محمد ﷺ کا اُجالا پھیلا دے۔ کیونکہ اسی نام سے آسمانوں کا خیمہ قائم ہے۔ زندگی کی نبض میں حرارت ہے اور ساری دنیا کی رونقیں آباد ہیں۔ خدا تعالیٰ شکوے کے جواب میں کہتا ہے کہ تو حقیقی مسلمان ہو جا تا کہ تقدیر بھی تیری غلام ہو جائے اور یاد رکھ اگر تو نے محمد سے وفا کی تو دنیا کیا ہم تجھے عرش تک بخش سکتے ہیں۔

تیسری نظم ''شمع و شاعر'' کی تسہیل و تنقید سے قبل اس نظم کا پس منظر دیا گیا ہے۔ ''شمع و شاعر'' فروری ۱۹۱۲ء میں لکھی گئی ان دنوں طرابلس کی جنگ جاری تھی۔ اس جنگ کے حوالے سے ایک نظم اقبال نے انہی دنوں حضور رسالت مآب میں بھی لکھی۔ دونوں نظموں میں اس اضطراب کی واضح جھلک موجود ہے جو طرابلس کے واقعات کو سن سن کر مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہو رہا تھا۔

یہ نظم ''شمع اور شاعر'' شاعر کے سوالات اور پھر شمع کے جوابات پر مبنی ہے۔ شاعر شمع سے کہتا ہے کہ تو نے دنیا کو روشن کرنے والی آگ کہاں سے لی ہے کہ ایک بے حیثیت کرمک کو بھی کلیم اللہ جیسے عشق سے ہم کنار کر دیا۔ میں بھی ایک مدت سے جل رہا ہوں مگر مجھ پر کوئی بھی جنس پروانہ وار جان دینے کے لیے تیار نہیں۔ پھر علامہ اقبال نے شمع کے ذریعے مسلم انحطاط پذیر معاشرے پر شدید طنز کیا ہے اور اس انحطاط کے اسباب گنوائے ہیں جن میں مسلمان جیسی خوبیوں اور باعمل قیادت کا فقدان نمایاں ہیں۔ مصنفہ نے نظم کی ہیئت، بحر، وزن اور ارکان کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی ہیں۔ ''شمع اور شاعر'' علامہ اقبال کی ایک مکالماتی نظم ہے جس میں شاعر نے شمع کو مخاطب کر کے جو کچھ کہا ہے وہ فارسی زبان میں ہے۔ نظم کا انداز علامتی ہے اور اس کا اصل موضوع ملت اسلامیہ ہے۔ اقبال نے پرانی علامتوں مثلاً شمع، ساقی، میکش وغیرہ کے معانی و مفہوم کو وسعت بخشنے کے ساتھ نیا مفہوم عطا کیا ہے۔ اس نظم میں مسلمانوں کی توجہ ان کی غفلتوں کی طرف دلانے کے ساتھ ساتھ انہیں مشکل پسندی اور مہم جوئی کا درس بھی دیا گیا ہے اور عمل کی وہ چنگاری بھڑکانے کی ترغیب بھی دلائی گئی ہے جس کے پہلو سے بہتر مستقبل کی ضمانت پھوٹتی ہے۔

چوتھی نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' علامہ اقبال کی دوسری طویل نظموں کی طرح ان کی ایک نہایت جامع اور وقیع نظم ہے جس میں انہوں نے زندگی اور موت کے بارے میں مسلمہ مشرقی فلسفہ بیان کیا ہے۔ اس نظم میں اقبال کی شخصیت تین پہلوؤں سے جلوہ گر ہوتی ہے ایک شخصیت اقبال کی وہی فلسفیانہ منفرد شخصیت ہے، دوسری ایک مجبور و مغموم انسان کی ہے جو ماں کی یاد میں آنسو بہاتا ہے اور تیسری شخصیت وہ ہے جو فلسفے اور جذبے کو ضم کر کے اسے موثر پیرایہء اظہار بخشتی ہے۔ ''ذوق و شوق'' کے حوالے سے مصنفہ اقبال کے موضوعات اسلام کی عظمت رفتہ، مسلمانوں کی اسلام سے بیگانگی، رسالت مآب ﷺ سے ان کا عشق، عشق اور عقل کو مخصوص فلسفہ اور آخر میں عشق

میں ووصال کی اہمیّت کا اظہار گنواتی ہیں۔علامہ اقبال اس نظم میں بھی پورے شاعرانہ قد وقامت کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔وہ اپنی عظمت اسلام سے آ گاہ نہیں ہوں گے اور آں حضور کی ذات عالیہ سے لو نہیں لگائیں گے تو مسلمانوں کی بیداری کا وہ خواب کبھی پورا نہیں ہوسکتا جو اقبال اپنی جاگتی آنکھوں کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

ہسپانیہ کی سرزمین قرطبہ میں لکھی گئی اقبال کی طویل اور بہت اہمیّت کی حامل نظم ''مسجد قرطبہ'' کی تسہیل وتنقید پیش کرتے ہوئے مصنفہ نے اس نظم کو اقبال کی شاعری کا فنی وفکری اعتبار سے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ان کے نزدیک علامہ اقبال کی شاعرانہ عظمت کو جاننے کے لیے اس ایک نظم کا مطالعہ ہی کافی ہے۔مسجد قرطبہ کو موضوع بناتے ہوئے علامہ اقبال نے نہ صرف یہ کہ اس نظم کے ذریعے اپنی فنی پختگی کی دھاک بٹھائی ہے بلکہ اس نظم میں علامہ اقبال کی فکری پہنائیاں بھی پوری شد ومد سے کارفرما ہیں۔گویا زبان وبیان اور معنوی تقاضوں کی پوری جھلک اس نظم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

''ساقی نامہ'' میں اقبال کے اسلام اور اہل اسلام کے حق میں گہرے درد کا اظہار کمال پختگی فن سے کیا گیا ہے۔مصنفہ کے نزدیک علامہ اقبال کی دوسری نظموں کی طرح یہ نظم بھی اپنے پڑھنے والوں کو ایک وسیع تر کینوس مہیا کرنے کے بعد خودی کی عظمت تک لے آتی ہے اور انہیں یہ واضح احساس دلاتی ہے کہ خودی کا اصل مقام خودی کا اصل مقام ذات خداوندی ہے۔مسلمان اپنے جذبہ خودی کو بیدار کرکے توانائی اور حقیقی عظمت سے ہمکنار ہوسکتے ہیں۔''ساقی نامہ'' فنی اعتبار سے اقبال کی بہترین نظموں میں شمار ہوتی ہے اور یہ چھوٹی بحر کے ساتھ بندوں اور بحر متقارب مثمن معصور الاخر پر مشتمل ہے۔دسویں نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کی تسہیل وتنقید پیش کرتے ہوئے مصنفہ اس نظم کو ڈرامائی کیفیت کی حامل قرار دیتی ہیں جس میں انہوں نے ابلیس کے مشیروں کے کردار شامل کرکے ان کی زبانی مختلف باتیں کہلوائی ہیں اور اپنے اس موقف کو موثر اُجاگر کیا ہے۔جس کا لب لباب مسلمان کو ان کی گمراہی کا احساس دلانا ہے۔مشیروں کی زبانی کارل مارکس کے نظریہ مساوات کا ذکر بھی کرایا گیا ہے۔

علامہ اقبال اس نظم کے ذریعے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر یہ درس دینا چاہتے ہیں کہ اگر وہ غفلت اور بے راہروی کا شکار ہوں گے تو ابلیسی قوتیں اس راہ میں انہیں تباہی کے کنارے تک پہنچا سکتی ہیں۔لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اپنی اپنی جگہ اس بات کا کھوج لگائیں کہ ان کے ذاتی اور اجتماعی کردار میں کون کون سی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو شیطان کے موقف کو تقویت دینے والی ہیں۔مصنفہ کی اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ کہنے میں میں کوئی عار نہیں محسوس کرتی کہ مصنفہ کا کام اتنا اعلیٰ پایہ کا نہیں کہ ان کا شمار نامور اقبال شناس مرد حضرات مثلاً پروفیسر یوسف سلیم چشتی،مولانا غلام مہر،ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی،ڈاکٹر خواجہ زکریا اور ڈاکٹر صدیق جاوید کی صف میں ہو۔ان کی یہ کاوش بچوں کے

حوالے سے قابل تعریف ہے۔

''اقبال۔مسلم فکر کا ارتقاء'' مصنفہ: عطیہ سیّد

عطیہ سید کی کتاب ''اقبال۔مسلم فکر کا ارتقا'' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔تاریخی نوعیت کی اس کتاب میں مسلم فلسفیانہ افکار کی تاریخ کو اقبال کے حوالے سے لکھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال مختلف مسلم فلسفیانہ تحریکوں اور مفکرین کو کس نقطہ نظر سے دیکھتے تھے۔اس کتاب میں موجودہ تاریخ ان بیانات کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے جو اقبال کی دونوں نثری تصانیف یعنی ''ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا'' اور ''اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل نو'' میں ملتے ہیں۔

پہلے باب ''یونانی فلسفہ'' میں مصنفہ نے اقبال کے مسلمان حکماء کی سوچ پر یونانی اثرات کے تجزیے کا جائزہ پیش کیا ہے۔مصنفہ نے انفرادی اور عمومی زاویوں سے مطالعے کے نتائج، ان کی ہم آہنگی اور مقدمات کی صحت کو پرکھا ہے اور آخر میں یہ نتیجہ مرتب کیا ہے کہ مجموعی طور پر اقبال یونانی فکر کو کس رنگ میں دیکھتے ہیں۔مصنفہ نے اقبال کے نقطہ نظر کے مطابق اولاً سقراط، افلاطون اور ارسطو کو زیر بحث لاتے ہوئے ان کی جانب اقبال کے رویے کو بیان کیا ہے۔وہ لکھتی ہیں:

> ''اقبال سقراط، افلاطون اور ارسطو کے علاوہ ابتدائی یونانی مفکرین کا ذکر بھی ''اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل نو'' میں کرتے ہیں۔ان میں ہیرا کلائیٹس، زینو اور ڈیموکرائیٹس کے نام شامل ہیں۔مگر ان کے افکار کے لیے بھی اقبال مائل بہ کرم نہیں ہیں۔''(۱۲)

مصنفہ نے اقبال کے یونانی فلسفے کے بارے میں رویے کے مختلف پہلوو?ں کا جو تجزیہ کیا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ اقبال عمومی طور پر یونانی فلسفے کو ایک خاص رجحان کا غماز اس لیے سمجھتے تھے کہ اس کا غالب رنگ (سوائے ابتدائی اور ارسطو کے دور میں کسی حد تک) داخلیت پسندی، درون بینی اور مکمل طور پر عقلیت پسندی کا ہے اور یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ تمام رویے قرآن کی روح کے عین منافی ہیں جو داخل کے علاوہ خارج، انسان کے علاوہ کائنات، داخلی تجربے اور تفکر کے شانہ بشانہ حواسی ادراک اور مشاہدے پر زور دیتی ہے۔اس طرح اقبال یونانی ذہن کی گہرائی اور عظمت کے معترف ہوتے ہوئے بھی مجموعی طور پر یونانی فکر سے کوئی خاص یگانگت محسوس نہیں کرتے، بلکہ اسے قرآن کے اصل پیغام کو مسخ کرنے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

حصّہ دوم کے عنوان متکلمین کو دو ابواب ''معتزلہ (عقلیت پسند متکلمین)'' اور ''اشاعرہ'' میں منقسم کیا گیا ہے۔دوسرے باب میں مصنفہ نے معتزلہ کی تاریخ اور ان کے مختلف نظریات کو اقبال کی تصنیف ''ایران میں مابعد

الطبیعات کا ارتقا'' کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اقبال کی دونوں تصانیف سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مجموعی طور پر معتزلہ کے نظریات کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اقبال معتزلہ کو ایک طرف عقلیت پسند اور دوسری طرف مادیت کا علمبردار تصور کرتے ہیں۔ اس باب سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اقبال کے نزدیک معتزلہ مسلمانوں کا وہ مکتب فکر ہے جس کے نظریات میں سے کچھ سچّائی کے حامل تھے اور انہوں نے بعد میں ظاہر ہونے والے مکتبہ ہائے فکر پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ مگر مجموعی طور پر وہ چند بنیادی کوتاہیوں کی بنا پر مسلمان ذہن کو منفعیت، تشکیک اور انتشار کی جانب لے گئے اور اس کا ایک بہت بڑا سبب ان کا یونانی فلسفے اور قرآنی تعلیمات کے تناقص کو نظر انداز کرنا تھا۔

تیسرے باب ''اشاعرہ'' میں اقبال کے اشاعرہ کے متعلّق نظریات وتصورات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اقبال کے نقطۂ نظر سے اشاعرہ کے نظریہ جواہر کی اہمیّت نہ صرف ماضی میں تھی جب وہ یونانی افکار کے خلاف ردِعمل کا اظہار تھا، بلکہ حال اور مستقبل میں بھی اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل نو کے لیے اشاعرہ کی جوہریت وہ روش متعین کرتی ہے جس پر جدید فزکس کی روشنی میں کام ہونا چاہیے۔ حصّہ سوئم ''تصوف اور صوفیا'' کو دو ابواب ''تصوف'' اور ''تصوف کی مابعد الطبیعات'' میں بانٹا گیا ہے۔ چوتھے باب میں اقبال کے تصوف کے بارے میں نظریات اور پانچویں باب میں طویل بحث کے بعد اس نتیجے کا بیان ہے کہ اقبال تصوف کی علمی خوبیوں کے قائل ہیں، لیکن بطور تاریخی قوت اور معاشرتی رویے کے اس کے بدنتائج اقبال کی نظر میں ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک صوفیانہ تجربہ محض علمی نوعیت کا حامل نہیں، اس کا مقصد صرف ادراکیا بصیرت نہیں بلکہ عملی ہے۔ پھر ابن سکویہ، ابن سینا، الغزالی، ابن رشد، البیرونی، عراقی، ابن تیمیہ اور ابن خلدون کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور یہ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال انہیں کس نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔ مصنفہ نے آخری باب ''اصل بحث'' میں ساری کتاب کی تاریخی تحقیق وتفتیش کا نچوڑ پیش کیا ہے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ اقبال مسلم فکر اور فلسفے کی تاریخ کو ایک تسلسل کی شکل میں دیکھتے ہیں جو محض بکھرے ہوئے افکار کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مربوط وحدت ہے۔ اس کے تسلسل کو ارتقائی کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ یونانی فلسفے کی غلامانہ پیروی سے بتدریج آزادی، انفرادیت اور جدت کی منزل کی طرف رواں دواں رہا اور اس کی بنیادی وجہ وہ نظریاتی اختلاف تھا جو یونانی فلسفے اور قرآن کی روح کے درمیان یونانی ذہن اور مسلمانوں کی طبع کی درمیان موجود تھا۔ جس نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو واضح کیا اور جو یونانی تفکر کی نسبت جدید علوم کے تصورات سے زیادہ مطابق رکھتا تھا۔ اس طرح اقبال کے نزدیک جدید دنیا کے مجموعی تمدن کی بنیادوں میں مسلمانوں کے افکار رواں دواں ہیں۔ یہ

کتاب ''اقبال-مسلم فکر کا ارتقاء'' بھی اقبال کی ایک نئی جہت کی دریافت اور تحقیقی کاوش ہے۔اس کتاب کی یہ خصوصیّت ہے کہ اس میں نظم کا حوالہ نہ ہونے کے برابر ہے اور ساری بحث کی بنیاد اقبال کی نثری فلسفیانہ تصانیف ''اسلام میں مذہبی فکر تشکیل نو'' اور ''ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقاء'' ہیں۔اس لحاظ سے بھی یہ کتاب منفرد حیثیت کی حامل ہے کہ اسے مصنفہ نے فلسفہ کی طالبہ ہونے کی وجہ سے خالص فلسفیانہ نقطہ نظر سے لکھا ہے۔

''اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ'' مصنفہ: زیب النساء

زیب النساء کی اس سے قبل دو کتابیں ''اقبال اور بچوں کا ادب'' اور ''نگارشات اقبال'' منظر عام پر آ چکی ہیں۔ یہ کتاب ''اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ'' اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ دراصل زیب النساء کا ایم اے کا مقالہ ہے جو کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔مصنفہ نے اس کتاب میں علامہ اقبال کی نثری تصانیف کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ان نثری تصانیف میں ''علم الاقتصاد''، ''تاریخ تصوف''، اُردو مضامین، اُردو خطوط اور مصنفہ کے خود مرتبہ کردہ اقبال کی متفرق نثری تحریریں جو کتاب ''نگارشات اقبال'' کی صورت میں شائع ہو چکی ہیں، شامل ہیں۔ پھر مصنفہ نے اقبال کے نثری اسلوب پر بحث کی ہے اور مختلف حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ علامہ صرف ایک عظیم شاعر ہی نہیں ایک صاحب طرز نثر نگار بھی ہیں اور ان کی نثری تحریریں بھی شاعری کی طرح ان کی شخصیت اور ذاتی خیالات و جذبات پر روشنی ڈالتی ہیں۔آخر میں کتابیات کا اہتمام کیا گیا ہے۔مصنفہ نے علامہ اقبال کی پہلی نثری تصنیف ''علم الاقتصاد'' کا تنقیدی اور تحقیقی جائزہ لیا ہے۔

مصنفہ نے علامہ اقبال کی اس کتاب ''علم الاقتصاد'' کا مکمل تعارف پیش کیا ہے۔کتاب کا پہلا ایڈیشن پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں طبع ہوا۔ یہ خط نستعلیق میں ہے اور اس پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے۔ سرورق پر مصنف کا نام شیخ محمد اقبال ایم اے اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور درج ہے اور انتساب ڈبلیو بل اسکوئر ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کے نام ہے۔دیباچے میں اقبال نے پروفیسر آرنلڈ، لالہ جیارام صاحب، اپنے ہم جماعت مسٹر فضل حسین اور شبلی نعمانی کا شکریہ ادا کیا ہے۔علامہ شبلی نے کتاب کے بعض حصوں میں زبان کی درستی و اصلاح کی، گویا زبان کے معاملے میں کتاب کو شبلی جیسے عالم فاضل شخص کی سند حاصل ہے۔

''علم الاقتصاد'' پانچ حصوں اور بیس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے حصّے میں علم الاقتصاد کی ماہیت اور دولت کی تعریف کی گئی ہے اور باقی چار حصوں میں معاشیات کے چار بنیادی شعبوں سے تفصیلاً بحث کی گئی ہے، اقبال نے ان موضوعات پر نہ صرف افکار و نظریات کو پیش کیا ہے، بلکہ ان پر تنقید بھی کی ہے اور اپنی ذاتی رائے بھی دی ہے۔

علامہ نے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت میں دلچسپی ظاہر نہ کی۔ لہٰذا اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکا۔ اولین ایڈیشن کم یاب ہے۔ ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور ایک اقبال میوزیم لاہور میں ہے۔

''علم الاقتصاد'' سے قبل بھی معاشیات کے موضوع پر کتب موجود تھیں مگر تمام انگریزی کتابوں کا براہ راست ترجمہ ہیں سوائے ''رسالہ علم انتظام مدن'' کے جو آزادانہ غور وفکر کی بنا پر طبع زاد تالیف کے قریب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ''علم الاقتصاد'' اولیت کی حامل نہ ہونے کے باوجود اپنی ایک علیحدہ اور نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

''علم الاقتصاد'' کے اولین ایڈیشن کی طرح دوسرے ایڈیشن پر بھی سال اشاعت درج نہیں ہے لیکن یہ مسئلہ ممتاز حسن کے ''پیش لفظ'' کو پڑھ کر حل ہوجاتا ہے، کیونکہ ''پیش لفظ'' کے اختتام پر ۱۰ جولائی ۱۹۶۱ء درج کیا گیا ہے۔ پہلا ایڈیشن خط نستعلیق میں تھا جبکہ دوسرا ایڈیشن خط نسخ میں ہے۔ اس ایڈیشن میں خود علامہ نے دیباچے کے علاوہ ممتاز حسن کا پیش لفظ اور نور اقبال قریشی کا مقدمہ شامل ہیں۔ مصنفہ اقبال اکادمی کراچی کی اس کوشش کو مستحسن قرار دیتی ہیں۔ کیونکہ اس ایڈیشن میں طبع اول کے متن کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔

تیسری مرتبہ ''علم الاقتصاد'' تقریباً سولہ سال بعد اقبال اکادمی، لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ سنہ اشاعت کے ساتھ غلطی سے ''بار اول'' لکھ دیا گیا ہے۔ سرورق کے دوسرے صفحے پر مصنف کے مکمل تعارف میں تبدیلی کی گئی ہے۔ یعنی ''شیخ محمد اقبال اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور'' کے بجائے صرف ''شیخ محمد اقبال'' درج ہے۔ مصنفہ اس ترمیم کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ اس ترمیم کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ علامہ نے با اہتمام اپنے نام کے ساتھ ''اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور'' لکھا تھا۔ مصنفہ کے خیال میں اس تعارف کا درج کیا جانا ضروری تھا کیونکہ اسی تعارف کی بنا پر ''علم الاقتصاد'' کے سنہ اشاعت کا تعیّن کیا جاتا رہا ہے۔ اس ایڈیشن کے صفحات کے نمبر شمار میں تبدیلی کی گئی ہے۔ ''علم الاقتصاد'' چوتھی مرتبہ ۱۹۹۱ء میں آئینہ ادب، لاہور سے شائع ہوئی۔ کتاب پر بار چہارم کے بجائے بار دوم لکھا گیا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک یہ نسخہ ۱۹۷۷ء کے نسخہ کی نقل ہے اور اس میں متن، حواشی اور تعلیقات کی ذیل میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ آئینہ ادب لاہور نے ''علم الاقتصاد'' کو چونکہ نئے سرے سے نہیں چھاپا۔ لہٰذا متن کے جائزے میں اس کا موازنہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ جو تصرفات اور اغلاط اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۷ء کے نسخے میں ہیں، وہی ۱۹۹۱ء کے نسخے میں جوں کی توں موجود ہیں۔ بحث کو سمیٹتے ہوئے مصنفہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''علم الاقتصاد'' ایک طبع زاد کتاب ہے۔ اگرچہ بعض انگریز مصنّفین کی کتب کے اثرات اس میں موجود ہیں لیکن پوری کتاب کو ترجمے کی ذیل میں نہیں رکھا جاسکتا۔ اگر اقبال چاہتے تو واکر کی

پولیٹکل اکانومی کے ملخص ترجمے کو شائع کروادیتے اور علیحدہ سے ''علم الاقتصاد'' نہ لکھتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے تھے اور سادہ و آسان زبان میں ان تجاویز کو پیش کرنا چاہتے تھے۔ جو انہوں نے اقتصادی حالت میں بہتری کے لیے متعین کی تھیں۔

مصنفہ نے ''علم الاقتصاد'' کی اہمیّت کو کئی زاویوں سے اُجاگر کیا ہے۔ ''علم الاقتصاد'' نے معاشیات کے اہم شعبوں سے بحث کی ہے۔ مثلاً پیدائش، دولت، تبادلہ و دولت، پیداوار دولت کے حصودار وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب علامہ کی نوجوانی کی تصنیف ہے مگر نوجوان اقبال اپنے دور کے معاشی حالات سے بخوبی واقف تھے۔ یورپ کے بڑھتے ہوئے سامراج اور ایشیا و افریقہ کی معاشی پسماندگی سے اچھی طرح واقف تھے۔ پانچویں باب میں اقبال نے آبادی کا ذکر کیا ہے کہ وہ کسی ملک کی معیشت پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ مسئلہ ملکیت زمین، زرعی لگان، جدید اشیاء کی پیداوار اور صرف دولت وغیرہ پر اظہار رائے کیا گیا ہے۔ اقبال ملک میں مفلسی، غربت، بے روزگاری، جرائم اور اخلاقی اقدار کے خاتمے کی وجہ بڑھتی ہوئی آبادی کو قرار دیتے ہیں۔ علامہ اقبال جاگیردارانہ نظام کے شدت سے مخالف تھے۔ انہیں ساہوکار، زمیندار اور کارخانہ دار کے مقابلے میں مزدور اور کاشتکار سے ہمیشہ ہمدردی رہی ہے۔ اس ہمدردی کا اظہار انہوں نے اپنے بعد کے کلام ''خضر راہ''، ''پیام مشرق'' اور ''جاوید نامہ'' میں بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر ''علم الاقتصاد'' کی اہمیّت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''علم الاقتصاد میں کئی دیگر معاشی مسائل پر بھی مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر چہ موجودہ دور میں علم معاشیات نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے، لیکن بہت سے بنیادی مسائل آج بھی وہی ہیں جن کی نشاندہی اقبال نے کی ہے۔ یہ کتاب اقبال کے اقتصادی تصورات سمجھنے میں بہت مدد ثابت ہو سکتی ہے۔ بالخصوص وہ اقتصادی تصورات جو ایک حد کے بعد ملکی سیاست پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں (اور ہوتے ہیں)۔'' (۱۳)

زبان و بیان کے اعتبار سے بھی ''علم الاقتصاد'' موجود قواعد زبان اور جدید اسلوب کے قریب ترین ہے۔ کہیں کہیں املا قدیم قاعدے کے مطابق ہے کیونکہ اس دور میں اردو زبان علمی اعتبار سے اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی کہ اس میں مستند علمی کتاب لکھی جا سکے۔ اس کے باوجود اقبال نے معاشی مسائل نہایت آسان اور سلیس زبان میں بیان کیے ہیں۔ اپنی بات کی وضاحت میں سادہ اور آسان اور عام فہم مثالیں دی ہیں۔ سید نذیر نیازی ''علم الاقتصاد'' کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''علم الاقتصاد کا انداز بیان بڑا سلجھا ہوا، صاف اور سلیس ہے، زبان سرتا سر علمی۔'' (۱۴)

علامہ اقبال کی نثری تصنیف ''تاریخ تصوف'' جسے پروفیسر صابر کلوروی نے مرتب کیا ہے، تاریخ تصوف

۱۹۸۵ء میں مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور سے شائع ہوئی۔ علامہ اقبال کو تصوف کے موضوع سے ابتدا ہی سے دلچسپی تھی، ان کے حالات سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے تصوف کے سلسلہ قادریہ میں بیعت بھی کر رکھی تھی۔ علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ وہ صوفی ادب کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور بزرگوں کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ علامہ کی والدہ محترمہ زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھیں مگر ان کا رجحان مذہبی تھا، چنانچہ اس مذہبی اور دیاندارانہ فضا کا علامہ کے مزاج پر گہرا اثر ہوا۔ تاریخ تصوف میں ہر باب کے اختتام پر مرتب نے حواشی کا اہتمام کیا ہے۔ حسین بن منصور حلاج کے حالات وافکار بھی درج کیے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں ضمیمہ شامل کیا گیا ہے، جو انگریزی اشارات پر مشتمل ہے۔ جو تاریخ تصوف کی تیاری میں اقبال نے زیر مطالعہ انگریزی زبان میں لکھی گئی کتب پر تحریر کیے تھے۔ آخر میں مرتب نے ایک اشاریہ بھی ترتیب دیا ہے۔ اشاریے میں صرف اصل متن کے حوالے شامل کیے گئے ہیں۔ مرتب صابر کلوروی نے ان تمام اشارات کو پانچ ابواب میں تقسیم کر دیا ہے اور جن امور کی طرف علامہ نے صرف اشارہ کیا ہے تو انہیں حواشی میں ذرا تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ تاریخ تصوف کی تدوین میں علامہ کی زیادہ تر توجہ تصوف میں غیر اسلامی عناصر پر مرکوز رہی تھی، اس مقصد کے لیے انہوں نے صوفی شعراء کے ہاں اس عنصر کا کھوج لگانے کے لیے فارسی اشعار کا انتخاب بھی کیا تھا، مرتب نے ان اشعار کا ترجمہ حواشی میں افادہ عام کے لیے شامل کر دیا ہے۔

پس منظر میں مرتب پروفیسر صابر کلوروی نے ان محرکات کی نشاندہ کی ہے جنہوں نے علامہ کو اس کتاب کے لکھنے کی طرف راغب کیا۔ علامہ اقبال نے اپنی فارسی مثنوی ''اسرار خودی'' میں عجمی تصوف کے دو اہم نمائندوں افلاطون یونانی اور حافظ شیرازی پر برملا تنقید کی، کیونکہ وہ غیر اسلامی تصوف یعنی عجمی تصوف کے خلاف تھے اور حافظ اور افلاطون پر بھی تنقید اس لیے کی کہ یہ دونوں نظریہ ''وحدت الوجود'' کے قائل تھے۔ علامہ کے نزدیک یہ نظریہ جامد وساکن ہے۔ اس نظریے کے ردعمل کے طور پر انہوں نے ''خودی'' کا ایک حرکی اور علمی نظریہ پیش کیا۔ اس کتاب کی تصنیف کے دو محرکات ہیں۔ ایک تو یہ کہ شدت کے ساتھ اور وسیع پیمانے پر ''اسرار خودی'' کی مخالفت سے علامہ نے تصوف کے مسئلے پر لوگوں کی حساسیت اور اس بارے میں ان کے ذہنوں میں متعدد غلط فہمیوں کو بھانپتے ہوئے اس مسئلے پر اپنے خیالات کو نسبتاً زیادہ وضاحت کے ساتھ اور علمی انداز میں پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کتاب کی تصنیف کا دوسرا محرک مولوی محمد علی کا وہ مضمون تھا جو ےفروری ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا تھا، جس میں انہوں نے علامہ کو مشورہ دیا تھا کہ انہیں وحدت الوجود کا ذکر کرنا تھا تو نثر میں کسی مستقل مضمون یا کتاب کی شکل میں پیش کرتے۔ تاریخ تصوف کے پہلے باب میں علامہ نے تصوف کا مفہوم، اس کی ابتدا، مختلف اقوام پر اس کے اثرات سے بحث کی

ہے۔تصوف کے مفہوم اور مسلمانوں میں تحریک تصوف کی ابتدا کے متعلّق لکھتے ہیں:

''علم باطن جس کو اسلامی اصطلاح میں تصوف بھی کہتے ہیں ایک نہایت دلچسپ اور عجیب وغریب چیز ہے۔اس کی دلچسپی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے غرائب نے اقوام عالم کے بعض بہترین دل ودماغ رکھنے والے آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا ہے اور عوام کے تخیلات پر ایک گہرا اثر ڈالا ہے، کیونکہ اگر ان تمام علوم کو جن کا مجموعی نام علم باطن ہے۔ایک کرہ سے مثال دی جائے تو اس کا قطب شمالی اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ موشگافی ہے اور اس کا قطب جنوبی ذلیل ترین توہم پرستی ہے۔''(۱۵)

''تاریخ تصوف'' کا دوسرا باب بہ عنوان ''تصوف کے ارتقاء پر ایک تاریخی تبصرہ'' پر مشتمل ہے۔اس میں علامہ نے ابتدا میں لفظ صوفی اور تصوف کی وضاحت کی ہے اور پھر تصوف کے ارتقاء کا ذکر کیا ہے۔اس باب کی تیاری میں علامہ نے عربی کتب سے استفادہ کیا ہے۔چنانچہ اس باب میں عربی اشعار اور عربی اقتباسات نظر آتے ہیں۔علامہ نے ساتھ ہی ان کا مفہوم بھی تحریر کر دیا ہے تا کہ عربی اشعار و اقتباسات سے اُلجھن پیدا نہ ہو۔تیسرا باب نوٹس کی شکل میں موجود ہے،ان اشارات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اس باب میں منصور حلاج کے عقائد کو زیر بحث لانا چاہتے تھے،اس مقصد کے لیے انہوں نے ''کتاب الطّواسین'' سے متعدد حوالے نقل کیے ہیں۔اس کے علاوہ منصور کے حالات اور عقائد کے ضمن میں بعض معاصرانہ شہادتیں بھی بہم پہنچائی گئی ہیں۔ابن الجوزی اور پروفیسر براؤن کی تحقیقات سے بھی خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔

''تاریخ تصوف'' کے ان ایک دو ابواب کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے۔عبارت کی ثقیل،گنجلک اور بھاری بھرکم صوفیانہ اصطلاحات سے بوجھل نہیں بنایا گیا۔خیالات میں ایک بہاؤ اور روانی موجود ہے،انداز بیان مختلف مقامات پر وضاحتی اور تشریحی نوعیت کا ہے۔مصنفہ نے اقبال کے نثری مجموعوں کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

جس زمانے میں علامہ اقبال نے اپنی پہلی باقاعدہ نثری تصنیف ''علم الاقتصاد'' لکھنے کا آغاز کیا،عین اسی زمانے یعنی ۱۹۰۱-۱۹۰۲ء میں انہوں نے مضمون نویسی بھی شروع کر دی تھی۔ان کا پہلا مضمون ''بچوں کی تعلیم و تربیت''،''مخزن'' کے شمارہ جنوری ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا اور یہ سلسلہ ۱۹۳۸ء تک وقفے وقفے کے ساتھ جاری رہا۔اس دوران میں انہوں نے متعدد موضوعات پر مضامین تحریر کیے۔اقبال کے نثری مجموعوں کی اشاعت کا خیال سب سے پہلے احمدیہ پریس حیدر آباد دکن کے تصوف حسین تاج کو آیا،انہوں نے مضامین اقبال کے نام سے ۱۹۴۴ء میں اقبال کا پہلا نثری مجموعہ مرتب کر کے چھاپا اور اس طرح یہ سلسلہ چل نکلا۔مصنفہ نے پہلے ''مضامین اقبال''،طبع اول اور پھر طبع دوم کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

مضامین اقبال (طبع اوّل)

اقبال کے پہلے نثری مجموعے کی ترتیب واشاعت کا کارنامہ تصدق حسین تاج کا ہے، انہیں اقبال کی نثری و شعری تخلیقات سے بہت شغف تھا۔اس سے قبل وہ بھی علامہ اقبال کی بعض تخلیقات شائع کر چکے تھے۔ یہ مجموعہ مضامین اقبال کے شعری مجموعوں کی تقطیع پر شائع ہوا۔ سرورق اور فہرست کے دو اوراق شمار نہیں کیے گئے۔ اس کتاب کا دیباچہ غلام دستگیر رشید نے ''صبح امید'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔متن مضامین ۲۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔غلام دستگیر رشید نے اپنے دیباچے میں اقبال کے اسلوب پر شاعرانہ انداز میں تبصرہ کیا ہے۔اکثر مضامین پر تمہیدی نوٹ باریک قلم سے درج کیے گئے ہیں، جن سے اصل مضامین اور تمہید میں فرق واضح ہو گیا ہے۔

''مضامین اقبال'' میں اقبال کے چودہ نثر پارے شامل ہیں۔ان میں سے نصف انگریزی مضامین کے اردو تراجم ہیں اور نصف اردو مضامین ہیں۔ یہ مضامین زیادہ اردو زبان، اردو زبان پنجاب میں، قومی زندگی، دیباچہ مثنوی اسرار خودی، دیباچہ مثنوی رموز بے خودی، دیباچہ پیام مشرق، فلسفہ سخت کوشی، جناب رسالت مآب کا ادبی تبصرہ، ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر، خطبہ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ الہ آباد، دسمبر ۱۹۳۰ء، جغرافیائی حدود اور مسلمان، دیباچہ مرقع چغتائی اور تقریر انجمن ادبی، کامل ہیں۔اس طرح ''مضامین اقبال'' میں نثر پاروں کی کل تعداد چودہ بنتی ہے، مگر اردو نثر پارے تعداد میں صرف آٹھ ہیں جن میں سے تین دیباچے (اسرار خودی، رموز بے خودی اور پیام مشرق) اور ایک تقریر ہے۔ یہ مضامین نہیں ہیں لہٰذا اردو مضامین زبان اردو، اردو زبان پنجاب میں، قومی زندگیاور جغرافیائی حدود اور مسلمان کی تعداد صرف چار رہ جاتی ہے۔ جبکہ اصل تعداد خاصی زیادہ ہے۔ جیسا کہ بعد میں ''مقالات اقبال'' کی اشاعت سے ثابت ہوتا ہے۔

مصنفہ ''مضامین اقبال'' طبع اول کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ مرتب کی کل چودہ نثری تحریریں دستیاب ہو سکیں، اس لیے انہوں نے وہی پیش کر دیں۔ حالانکہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ تھوڑی سی تگ و دو کر کے اقبال کے مزید مضامین حاصل کر سکتے تھے۔ اس زمانہ میں شائقین اقبال کی بڑی تعداد بقید حیات تھی اور علامہ کے قریبی دوست احباب سے بھی استفادہ کیا جا سکتا تھا، لیکن مرتب نے اس سہولت سے استفادہ نہ کیا۔ جس کی وجہ سے وہ نہ تو اقبال کے مضامین زیادہ تعداد میں حاصل کر سکے اور نہ حاصل شدہ مضامین اور نثر پاروں کے ماخذ اور سنین کا تعیّن کر سکے۔ بہرحال مجموعی طور پر وہ تاج کی اس کاوش کو اقبال تحسین گردانتی ہیں کہ انہوں نے اقبال کے مضامین ایک مجموعے کی صورت میں چھاپنے میں پہل کی ہے۔

''مضامین اقبال'' کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں تصدق حسین تاج کے صاحبزادے اقبال حسین کی دلچسپی سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن میں پہلے ایڈیشن کے چودہ مضامین اور تین نئے نثر پاروں کا اضافہ کیا گیا۔ اس میں تصدق حسین تاج کا ''پیش لفظ'' اور غلام دستگیر رشید کا دیباچہ شامل ہے۔ اس ایڈیشن میں علامہ اقبال کے حالات زندگی کے سلسلے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں اور ماخذ ''اُردو انسائیکلوپیڈیا'' بتایا گیا ہے۔ اس ایڈیشن میں اضافہ شدہ نثر پارے اقبال کے ایک غیر مطبوعہ انگریزی خطبہ کا اردو ترجمہ، خطبہ صدارت اور'' حیات بعد موت کا اسلامی نظریہ ہیں۔

اس طرح ''مضامین اقبال'' میں دوسری اشاعت کے بعد نثر پاروں کی کل تعداد سترہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اُردو نثر پاروں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا، کیونکہ نئی تحریروں میں سے وہ انگریزی نثر پاروں کے تراجم ہیں۔ صرف ایک تحریر ''خطبہ صدارت'' اردو کی ہے۔ اس طرح اردو مضامین کے حوالے سے ''مضامین اقبال طبع اول و دوم'' میں اردو مضامین کی تعداد پانچ بنتی ہے۔ اس کے بعد مصنفہ نے ''مقالات اقبال طبع اول و دوم'' کا تعارف پیش کیا ہے۔ ''مضامین اقبال'' کی اشاعت کے بعد ۱۹۶۳ء میں سید عبدالواحد معینی نے ''مقالات اقبال'' کے نام سے اقبال کے مضامین شائع کیے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا مقدمہ بعنوان ''جسارت'' اور مرتب کا ''پیش لفظ'' شامل ہیں۔ آخر میں تین صفحات کا صحت نامہ درج ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے مقدمہ میں علامہ کی نثر نگاری کی مختلف خصوصیات بتانے کے بعد یہ بھی بتایا ہے کہ علامہ کے مضامین کا آغاز ۱۹۰۲ء سے ہوا، لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ پہلا مضمون کون سا لکھا گیا ہے مرتب نے پیش لفظ میں علامہ کی شخصیت اور فکر میں ان کے نثری مضامین کی اہمیّت پر بحث کی ہے اور ''مقالات اقبال'' میں شامل مقالات کے ماخذ کا ذکر کیا ہے۔

اس مجموعہ مضامین میں شامل بیشتر تحریریں قبل ازیں ''مضامین اقبال'' میں شائع ہو چکی ہیں۔ ''مقالات اقبال''، طبع اول میں اضافہ شدہ مضامین بچوں کی تعلیم و تربیت ۱۹۰۲ء، اقبال کے دو خطوط ایڈیٹر وطن کے نام ۱۹۰۵ء خلافت اسلامیہ ۱۹۰۸ء، ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر ۱۹۱۰ء، پین اسلام ازم ۱۹۱۱ء، ایک دلچسپ مکالمہ ۱۹۱۴ء (تصوف کے موضوع پر)، اسرار خودی اور تصوف ۱۹۱۶ء اسرار خودی ۱۹۱۶ء ،تصوف وجودیہ ۱۹۱۶ء، جناب رسالت مآب کا ادبی تبصرہ ۱۹۱محفل میلاد النبی (تقریر)، تقاریظ بر تصانیف جناب فوق مرحوم ۱۹۲۴ء، اراکین انجمن حمایت اسلام کے نام (تقریر)، اسلام اور علوم جدیدہ، خطبہ عید الفطر ۱۹۳۲ء شامل ہیں۔ اس طرح ''مقالات اقبال'' کے اولین ایڈیشن میں ''مضامین اقبال'' کی نسبت نثر پاروں کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ اگرچہ ان اضافہ شدہ نثر پاروں میں سے باقاعدہ اردو مضامین زیادہ نہیں ہیں، کیونکہ ان میں بیشتر انگریزی مضامین

کے تراجم، تقاریر اور خطبات ہیں۔ گویا اضافہ شدہ تیرہ نثر پاروں میں سے اُردو مضامین صرف چھ ہیں۔

''مقالات اقبال'' طبع دوم ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ اس اشاعت پر مرتبین کی حیثیت سے سید عبدالواحد اور محمد عبداللہ قریشی کے نام درج ہیں۔ آخری تین صفحات پر مشتمل ''صحت نامہ'' کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ''مقالات اقبال'' کی دوسری اشاعت میں تقریباً نو نثر پاروں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مرتبین نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ محمد عبداللہ قریشی نے ''مقالات اقبال'' کی اس اشاعت میں کس حد تک معاونت کی ہے۔ اضافہ شدہ نو مضامین علم ظاہر و باطن ۱۹۱۶ء اسلام اور تصرف ۱۹۱۷ء، اسلام ایک اخلاقی تصور کی حیثیت میں، شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ ۱۹۲۸ء، حکمائے اسلام کے عمیق مطالعے کی دعوت (صدارتی خطبہ) ۱۹۲۸ء حکمرانی کا خداداد حق ۱۹۲۸ء لسان العصر اکبر کے کلام میں ہیگل کا رنگ (انگریز مضمون کا اُردو ترجمہ)، فغانستان جدید (اردو ترجمہ) اور اسلام کا مطالعہ زمانہ حال کی روشنی میں (سید محمد سعید الدین جعفری کو ۱۴ نومبر ۱۹۳۳ء لکھا گیا خط اس ایڈیشن میں شامل ہیں۔ ''مقالات اقبال'' کی دوسری اشاعت میں اضافہ شدہ نو نثر پاروں میں سے اصلاً اُردو مضمون صرف ایک ''پیش لفظ'' یا خط کی صورت میں ہیں یا پھر کسی انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ یا تلخیص ہیں۔ اس جائزے سے پتا چلتا ہے کہ ''مقالات اقبال'' (طبع اول و دوم) میں اصلاً اردو مضامین کی تعداد سات ہے۔

''انوار اقبال'' بنیادی طور پر مضامین کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اس میں علامہ اقبال کی متفرق تحریریں شامل ہیں، مثلاً خطوط، تقاریظ، مضامین، تقاریر اور بیانات وغیرہ۔ اس مجموعہ نثر میں خطوط کی تعداد زیادہ ہے۔ اس مجموعہ نثر میں شامل مضامین اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاصے اہم ہیں۔ ان مضامین میں سودیشی تحریک اور مسلمان (زمانہ، کانپور کے ایڈیٹر کے سوالنامے کے نتیجے میں علامہ کا جواب ہے جو انھوں نے کیمرج سے بھیجا تھا، مئی ۱۹۰۶ء کے شمارے میں شائع ہوا)، اقبال سے مجید ملک کی ملاقات کا حال (اس میں مجید ملک نے اقبال سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے۔ لہٰذا یہ اقبال کا تحریری نثر پارہ نہ ہونے کی بنا پر مضامین کی فہرست میں شامل نہیں ہے) مذہب اور سیاست کا تعلّق (یہ بھی باقاعدہ مضمون نہیں ہے)، اقبال کی تقریر، نبوت پر نوٹ، حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت، علم ظاہر و علم باطن اور مسلمانوں کا امتحان (محمد دین فوق کے اسلامی تصوف سے متعلّق سوالات کے جوابات) شامل ہیں۔ اس طرح ''انوار اقبال'' میں اردو مضامین کی تعداد چار ہے۔ یعنی سودیشی تحریک، نبوت پر نوٹ، علم ظاہر و علم باطن اور مسلمانوں کا امتحان۔

اقبال کے نثری افکار:

عبدالغفار شکیل نے علامہ اقبال کے نایاب کلام کو کتابی صورت میں ''نوادرِ اقبال'' کے نام سے علی گڑھ سے شائع کیا۔اس کتاب کی تحقیق کے دوران میں انہیں علامہ اقبال کے کچھ مضامین مختلف رسائل سے ملے، جو انہوں نے نقل کر لیے اور بعد میں انہیں ''اقبال کے نثری افکار'' کے عنوان سے کتابی شکل میں چھاپ دیا۔اس کتاب میں خلیق انجم کے پیش لفظ اور عرض مرتب شامل ہیں۔کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصّے میں اردو مضامین اور دوسرے حصّے میں انگریزی مضامین کے تراجم کو پیش کیا گیا ہے۔مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کرتے وقت مرتب نے کچھ زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا۔کیونکہ حصّہ اول میں تین تحریریں انگریزی تحریروں کے تراجم ہیں۔ اگر انہیں اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ یقیناً ان تین تحریروں کو بھی حصّہ دوم میں شامل کرتے۔

مصنفہ نے خالص تحقیقی طریقہ کار اور حوالہ جات کی مدد سے اس کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے اور کتابت کی اور دیگر اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔مرتب نے اس مجموعہ میں شامل مضامین کے ماخذ، مقالات اقبال، انوار اقبال اور گفتار اقبال کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ بیشتر نثر پارے مذکورہ مجموعوں سے اخذ کیے گئے ہیں اور حوالہ جات کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا۔اقبال کے اردو مضامین کے حوالہ سے اس مجموعے کا جائزہ لیا جائے تو اس مجموعے میں اقبال کا کوئی نو دریافت نثر پارہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ ''اقبال کے نثری افکار'' میں کوئی مضمون ایسا نہیں جو اصلاً اُردو نثری مضمون ہو اور وہ پہلی بار اس مجموعے میں شائع ہوا ہو۔اقبال کی نثری تحریروں کے تمام مجموعوں کا جائزہ لینے پر اقبال کے اردو مضامین کی تعداد سترہ بنتی ہے۔

مصنفہ نے دو مضامین بچوں کی تعلیم و تربیت اور اردو زبان پنجاب میں کے اصل متون سے تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جو ترامیم یا تصرفات ''مضامین اقبال'' کے متن میں نظر آتی ہیں، وہی جوں کی توں ''مقالات اقبال طبع اول و دوم'' اور ''اقبال کی نثری افکار'' میں دہرادی گئی ہیں۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ''مقالات اقبال'' اور ''اقبال کے نثری افکار'' کے مرتبین نے ثانوی ذرائع سے استفادہ کیا ہے۔علامہ کے جن اردو مضامین کے متن دستیاب ہوئے مصنفہ نے ان کا جائزہ پیش کیا اور مصنفہ نے پیش کردہ جائزے سے اس امر کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ مختلف مجموعہ ہائے مضامین میں اصل متن کے برخلاف متعدد تبدیلیاں کی گئی ہیں اور صحت متن کا خیال نہیں رکھا گیا۔

مصنفہ نے ''علامہ اقبال کے اردو مضامین کی اہمیّت'' کے عنوان کے تحت اقبال کے سترہ اردو مضامین کو ان کی

نوعیت کے لحاظ سے مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ان کا جائزہ لیا ہے۔انہوں نے اقبال کے ان اردو مضامین کو چار مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے۔سب سے پہلے ملی و عمرانی مسائل پر مشتمل مضامین بچوں کی تعلیم و تربیت،قومی زندگی،سودیشی تحریک اور مسلمان،شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ،خطبہ صدارت،خطبہ عید الفطر ۱۹۲۲ء، نبوت پر نوٹ اور جغرافیائی حدود اور مسلمان ۱۹۳۸ء پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

عمرانی مسائل میں علامہ اقبال تعلیم کے مسئلے کو خصوصی اہمیّت دیتے ہیں۔اس ضمن میں ان کا مضمون ''بچوں کی تعلیم و تربیت'' بہت اہم ہے۔''بچوں کی تعلیم و تربیت'' ایک ٹیکنیکی موضوع ہے،جس میں بچے کی نفسیات کو مدنظر رکھ کر اس کی تعلیم و تربیت کے مختلف امور سے بحث کرتے ہوئے علامہ نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے دس گیارہ علمی اصول وضع کیے ہیں۔اگر چہ یہ علمی موضوع ہے مگر انداز بیان سادہ اور دلچسپ ہے۔علامہ کے اس مضمون میں جا بجا گفتگو اور مکالمے کا پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے۔اکثر جگہ انداز تشریحی اور مدرسانہ نوعیت کا ہے، مگر ناگوار نہیں گزرتا۔

''قومی زندگی'' ایک جذباتی انداز کا مضمون ہے،مگر مصنف نے جذبات و تخیل کی رو میں بہہ کر حقیقی مسائل کو نظر انداز نہیں کیا،ان حقیقی اور تلخ حقائق کو دردمندانہ پیرائے،سادگی و سلاست اور روانی کے ساتھ پیش کیا۔قوموں کے عروج و زوال کا نقشہ فکری انداز میں کھینچا ہے۔مضمون ''شریعت اسلام میں مرد اور عورت کا رتبہ'' علامہ اقبال کے عورتوں کے بارے میں تصورات سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔علامہ آزادی نسواں کے خلاف تھے کیونکہ اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔عورتوں کے مسائل کے حل کے لیے اسلامی قانون کی عدالتیں قائم کرنے کی تجویز سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں عورتوں کے مسائل سے گہری دلچسپی تھی۔

علامہ اقبال نے ۲۱ مارچ ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور کی صدارت کی تھی،اس موقع پر دیا گیا ایک طویل اور تجزیاتی خطبہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاصا اہم ہے۔خطبہ عید الفطر میں علامہ نے اس اسلامی تہوار کو منانے کی غرض و غایت پر پر تاثیر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔اس خطبے میں علامہ نے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے صرف اقتصادی پہلو پر ہی روشنی ڈالی ہے۔اس کے علاوہ نبوت پر نوٹ اور جغرافیائی حدود اور مسلمان بھی علامہ کے بہت اہم مضامین ہیں۔ملی و عمرانی مضامین کا جائزہ لینے کے بعد مصنفہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قومی زندگی کے مختلف موضوعات کو پیش کرنے کے لیے اقبال نے جو نثر لکھی وہ اس لحاظ سے اہمیّت کی حامل ہے کہ اس میں کسی قسم کا اُلجھاؤ اور ابہام نہیں ہے۔ان تمام مضامین میں صفائی اور صاف گوئی،بے خوفی اور بے باکی کی خصوصیات ہیں۔علامہ اقبال نے قومی و ملی اور فلسفیانہ موضوعات کو جس انداز میں پیش کیا ہے، وہ اردو مضمون

نگاری کی روایت میں خاصی اہمیّت رکھتے ہیں۔اس کے بعد لسانیات پر مبنی مضامین، زبان اُردو اور اردو بان پنجاب میں کا جائزہ لے کر ان کی اہمیّت پر تبصرہ کیا گیا ہے۔علامہ کے یہ مضامین انہیں ماہر لسانیات اور ایک اچھا نقاد ثابت کرتے ہیں۔

اقبال کا پہلا مضمون ڈاکٹر وانٹ برجنٹ کے مضمون کا ترجمہ ہے جو اقبال نے شوق اور دلچسپی سے کیا۔اس مضمون میں جو خیالات پیش کیے گئے ہیں، اگرچہ علامہ کے ذاتی نہیں مگر اس مضمون کے ترجمے سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس موضوع کے ساتھ خاص دلچسپی ہے۔اقبال کا یہ مضمون اسلوب کی خوبصورتی کی بنا پر طبع زاد معلوم ہوتا ہے۔اردو زبان پنجاب میں اس مضمون سے زبان اور لسانی معاملات پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔علامہ اقبال پر اعتراضات کیے جاتے تھے کہ وہ زبان و بیان کی نزاکتوں کا خیال نہیں رکھتے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں بہت سے الفاظ گرائمر کی رو سے درست نہیں۔جب یہ اعتراضات حد سے بڑھ گئے تو علامہ نے یہ مضمون لکھا، جس سے علامہ کے خیالات کی وضاحت کی زیادہ صاحت سے ہو جاتی ہے۔علامہ اقبال نے علم اللسان کا ماہر نہ ہوتے ہوئے بھی تبدیلی زبان کے عمل سے آ گہی کا ثبوت پیش کیا ہے۔اس مضمون میں علامہ اقبال نے اعتراضات کے جو جواب دیے ہیں ان سے اس موضوع پر علامہ اقبال کے علم، شعور اور بصیرت کی وضاحت ہوتی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے جو انداز اختیار کیا ہے، اس سے تہذیب وشائستگی کا اظہار ہوتا ہے۔بہر حال موضوع کے اعتبار سے مصنفہ اقبال کے اس مضمون کو اہمیّت کا حامل قرار دیتی ہیں، جبکہ اس سے زبان کے بارے میں علامہ کے خیالات کا اظہار واضح انداز میں ہوتا ہے۔

پھر مصنفہ نے تصوف اور اسرار خودی۔اہمیّت وتبصرہ کے زیر عنوان علامہ کے تصوف پر مبنی مضامین مسلمانوں کا امتحان جنوری ۱۹۱۳ء، ایک دلچسپ مکالمہ ۱۹۱۴ء اسرار خودی اور تصوف، اسرار خودی، علم ظاہر و علم باطن، تصوف وجودیہ کا جائزہ لیا ہے۔

علامہ نے ''مسلمانوں کا امتحان'' کے عنوان کے تحت تربیت خودی کے دوسرے مرحلے ضبط نفس کو ایک مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔علامہ نے اپنی اس مختصر مگر جامع تحریر میں نماز، روزہ، زکوٰۃ وصدقات کا ذکر کیا ہے۔دقیق اور ثقیل الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا، بلکوہ سادہ و دل نشین انداز میں اپنے افکار کا اظہار کیا ہے۔''ایک دلچسپ مکالمہ'' بھی تصوف کے موضوع پر ہے۔اس سے تصوف کے بارے میں اقبال کے بہت سے افکار وخیالات کی وضاحت ہوتی ہے۔

علامہ اقبال نے ''اسرار خودی'' میں ادب اور تصوف کے بارے میں اپنے موقف کے بیان کے ساتھ حافظ

کی شاعری کو مسلمانوں کے ذوقِ عمل کے لیے تباہ کن قرار دیا۔ اس پر بہت اعتراضات اُٹھائے گئے۔ علامہ نے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے نثری مضامین لکھے۔ ''اسرارِ خودی اور تصوف'' اس سلسلے کا پہلا مضمون ہے۔ دوسرا مضمون ''اسرارِ خودی'' خواجہ حسن نظامی کے چند اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس مضمون سے اسلام اور تصوف کے موضوع پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ تیسرے مضمون ''علم ظاہر و علم باطن'' میں بھی ''اسرارِ خودی'' کے معترضین کے جوابات تحریر کیے گئے ہیں۔ ''تصوف وجودیہ'' میں نبی کریم ﷺ کی اس پیشین گوئی پر بحث کی گئی ہے کہ تین قرنوں کے بعد میری امت میں سمن کا ظہور ہوگا۔ اس مضمون میں اقبال نے ''سمن'' لفظ کی وضاحت جس تحقیقی انداز میں کی ہے وہ اپنی جگہ بے حد اہم ہے۔ اس کے بعد متفرق موضوعات کے حوالے سے ایک نثری مضمون ''اسلام اور علوم جدیدہ'' کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ نثری تحریر اگر چہ مختصر ہے، مگر اس مختصر سی تحریر سے اسلام اور علوم جدیدہ کے مابین تعلّق کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

علامہ اقبال نے مضمون نویسی کو ثانوی حیثیت دی مگر اس کے باوجود انھوں نے متنوع موضوعات کے حامل مضامین یادگار چھوڑے ہیں۔ ان مضامین سے علامہ اقبال کے بعض مبہم اور مشکل تصورات معین اور واضح ہو جاتے ہیں اور بعض مجمل نکات مفصل توجیہات کے آئینہ میں اُجاگر ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبال کے مضامین اردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

کتاب کے چوتھے حصّے میں اردو خطوط کے عنوان کے تحت مصنفہ نے علامہ اقبال کے اب تک شائع شدہ ۱۶ اردو خطوط کے مجموعوں کا تذکرہ کیا ہے اور پھر باری باری ان خطوط کے مجموعوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ مصنفہ نے خالص تحقیقی انداز میں حوالوں کے ساتھ اقبال کے اردو خطوط کے مجموعوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے، جو کہ قابل تحسین ہے۔ ان خطوط کے مجموعوں کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہوئے مصنفہ نے باری باری ہر مجموعے کی پہلی بار طباعت، صفحات کی تعداد، دوبارہ اشاعت، خطوط کی تعداد وغیرہ کے حوالے سے مفید معلومات نہایت باریکی کے ساتھ پیش کی ہیں۔ بعض جگہوں پر خطوط پر غلط تاریخوں کے اندراج کی نشاندہی بھی کی ہے۔ بعض جگہوں پر خطوط پر غلط تاریخ کے اندراج کی نشاندہ بھی کی ہے۔ کتابت و املا کی غلطیوں کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ جہاں تک ہو سکا مصنفہ نے اقبال کے خطوط کے اصل متن اور ان مجموعوں کے متن کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے اور پھر اقبال کے خطوط کی اہمیّت پر تفصیلی بحث کی ہے۔ مصنفہ نے اقبال کے اردو خطوط کے جن مجموعوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے ان کا مختصراً تعارف کچھ اس طرح ہے:

شاد اقبال:

علامہ اقبال نے اپنی زندگی میں ہزاروں خطوط لکھے لیکن ان کی زندگی میں ان کے خطوط کا کوئی مجموعہ منظر عام پر نہ آ سکا۔ کیونکہ اقبال اپنے خطوط کی اشاعت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں اولیت کا شرف جامعہ عثمانیہ کے صدر شعبہ اردو ڈاکٹر محی الدین زور کو حاصل ہے، جنہوں نے ''شاد اقبال'' کے زیر عنوان علامہ اقبال کے ۴۹ اور شاد کے ۵۲ خطوط مرتب کر کے شائع کیے۔ ''شاد اقبال'' اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن سے پہلی بار ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا۔ ۱۷۶ صفحات پر مشتمل اس خطوط کے مجموعے میں سید محی الدین قادری زور کا مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں انہوں نے اقبال اور ان کے دوست مہاراجہ سرکشن پرشاد کے باہمی تعلقات اور شاد کی علم دوستی و علم پروری کا تذکرہ کیا ہے۔ تمام خطوط کو تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں شامل خطوط سے اقبال کی شخصیت کے بہت سے پہلو آشکار ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ میں بعض خطوط پر غلط تاریخوں کے اندراج اور کتابت کی اغلاط کی مصنفہ نے نشاندہی کی ہے۔

اقبال بنام شاد:

یہ مجموعہ ''شاد اقبال'' کی ہی اشاعت مکرر ہے، اس میں اقبال کے ۱۹ دسمبر ۱۹۱۹ء اور ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کے درمیانی زمانے کے ۴ اور ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۶ء کے درمیانی زمانے کے ۴۶، کل ۵۰ مزید خطوط شامل کیے گئے ہیں جو اس سے قبل ''صحیفہ'' ۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکے تھے۔ یہ مجموعہ خطوط محمد عبداللہ قریشی نے مرتب کر کے بزم اقبال لاہور سے جون ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے چونکہ تصانیف اقبال اور خطوط اقبال کے حوالے سے تحقیقی حوالوں سے نہایت قدر قدر کام کیا ہے لہٰذا کچھ اس وجہ سے اور کچھ مصنفہ استاد ہونے کی بنا پر ان کی کسی رائے کو صائب جانتے ہوئے اس کتاب میں جگہ جگہ رفیع الدین ہاشمی کے حوالے درج کرتی ہیں اور خود ان خطوط کے مجموعوں پر تحقیقی انداز میں روشنی ڈالنے کے بجائے زیادہ تر رفیع الدین ہاشمی کے حوالوں کے ذریعے بات کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتی ہیں۔

بہر حال عبداللہ قریشی نے ''صحیفہ'' میں شامل اپنے طویل مقدمے کو بعینہٖ ؟ نقل کر دیا ہے اور سرورق پر ڈاکٹر محی الدین قادری زور کا نام نہیں دیا۔ حالانکہ یہ ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اقبال کے خطوط کے اولین مرتب کا حوالہ دیتے۔ اپنے طویل مقدمے میں بھی انہوں نے ''شاد اقبال'' کے مرتب کے مقدمے سے استفادہ کیا ہے مگر اس کا حوالہ کہیں نہیں دیا۔ اس مجموعے میں کتابت کی زیادہ اغلاط نظر نہیں آتیں۔ مرتب نے اگرچہ خاصی دقت نظر سے

اس مجموعے کو مرتب کیا ہے مگر کہیں کہیں ان سے لغزشیں سرزد ہوئی ہیں جیسے بعض مقامات پر تعلیقات کی طوالت کی بنا پر اصل خط پس منظر میں چلا جاتا ہے اور تعلیقات کی طوالت کے باوجود کئی اہم اور مطلوبہ شخصیات کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی۔ تاہم مجموعی طور پر یہ مجموعہ اہم ہے۔

اس کے علاوہ اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطا اللہ حصّہ اوّل ۱۹۴۴ء اور حصّہ دوم ۱۹۵۱ء، مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین مرحوم (طبع اول ۱۹۵۴ء، دوم ۱۹۸۶ء)، ''مکتوبات اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی (اول ستمبر ۱۹۵۷ء، دوم اکتوبر ۱۹۷۷ء)، انوار اقبال، مرتبہ بشیر احمد ڈار (اول مارچ ۱۹۶۷ء، دوم ۱۹۷۷ء)، مکاتیب اقبال بنام گرامی، مرتبہ محمد عبداللہ قریشی (اول اپریل ۱۹۶۹ء، دوم جون ۱۹۸۱ء) خطوط اقبال، مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (اول ۱۹۷۶ء، دوم ۱۹۷۷ء)، خطوط اقبال بنام بیگم گرامی، مرتبہ سید حمید اللہ شاہ ہاشمی (اول جنوری ۱۹۷۸ء)، اقبال جہان دیگر، مرتبہ محمد فرید الحق (اول ۸ جولائی ۱۹۸۳ء)، کلیات مکاتیب اقبال تین جلدوں میں، مرتبہ سید مظفر حسین برنی (جلد اول ۱۹۸۹ء طبع دوم ۱۹۹۱ء، جلد دوم ۱۹۹۱ء، سوم ۱۹۹۳ء) اور مکاتیب سر محمد اقبال بنام سید سلیمان ندوی ، مرتبہ سید شفقت رضوی (۱۹۹۲ء) شامل ہیں۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مرتبہ مجموعہ ''خطوط اقبال'' میں علامہ کے ایک سو گیارہ خطوط شامل ہیں، جن میں سے اردو کے ۹۱، انگریزی کے ۱۹ اور عربی کا ایک خط شامل ہے۔ اس مجموعے کی اہمیّت اس لیے زیادہ ہے کہ اس میں اقبال کے ۹ اُردو اور انگریزی خطوط کے عکسی نقول بھی شامل ہیں۔ مصنفہ اُردو اکادمی، دہلی کی طرف سے شائع کردہ ''کلیات مکاتیب اقبال'' مرتبہ سید مظفر حسین برنی کی تین جلدوں کا تفصیلی تعارف اور تجزیہ کرنے کے بعد لکھتی ہیں کہ تحقیق کا کام حد درجہ محنت، جانفشانی اور عرق ریزی کا طلب ہوتا ہے۔ ''کلیات، مکاتیب اقبال'' کے تفصیلی و تنقیدی جائزے کے بعد یہ نتیجہ نکلا ہے کہ کلیات کا ملاً معیاری نہیں ہے۔ مصنفہ لکھتی ہیں:

> ''کلیات مکاتیب اقبال کی اب تک جتنی جلدیں منظر عام پر آئی ہیں وہ اگر ایک لحاظ سے اہم ہیں تو دوسری طرف ان میں موجود تصرفات وہ اغلاط کو دیکھتے ہوئے از سر نو مرتب کرنے کی ضرورت کا احساس دو چند ہو جاتا ہے۔ تاہم سید مظفر حسین برنی اس حوالے سے لائق ستائش ہیں کہ انہوں نے مشکل اور وسیع کام کو سمیٹ کر اقبالیان کے لیے راہ ہموار کر دی ہے۔'' (۱۶)

اقبال کے خطوط سوانحی، جذباتی اور فکری اہمیّت سے قطع نظر اسلوب کی خوبصورتی اور نثر کی شگفتگی سے بھرپور ہیں اور ان خطوط سے علامہ اقبال کی ایک مستند سوانح مرتب کی جا سکتی ہے۔

کتاب کے پانچویں حصّے میں مصنفہ نے اپنی کتاب ''نگارشات اقبال'' کا تعارف پیش کیا ہے۔ یہ کتاب

علامہ اقبال کی متفرق نثری تحریروں پر مشتمل ہے اور مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے تحریر کیا ہے۔ مقدمے میں مصنفہ نے علامہ کی متفرق تحریروں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے علامہ کی تحریروں میں سے مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ کتاب کے چھٹے حصّے میں اقبال کے نثری اسلوب کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس حصّے میں مصنفہ نے ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر عبادت بریلوی، خود اقبال کی آرا اور مثالوں کے ذریعے علامہ کی علمی نثر کے اسلوب کو آسان'' سہل، دلچسپ اور جلالی و جمالی صفات کا حامل بتایا ہے۔ علامہ کے اسلوب میں ان کے موضوعات سے گہری وابستگی ملتی ہے۔ ایجاز و اختصار علامہ کے اسلوب کا نمایاں وصف ہے۔ اگرچہ علامہ نے کسی خاص ضابطے اور قلبی لگاؤ سے نثر نہیں لکھی مگر ان کا جتنا بھی نثری سرمایہ ہے وہ مواد وطرز بیان دونوں اعتبار سے اس قابل ہے کہ اسے اردو کی نثری تاریخ میں نمایاں مقام دیا جائے۔ مصنفہ آخر میں یہ نتیجہ نکالتی ہیں کہ علامہ کی تمام نثری تحریریں کسی نہ کسی زاویے سے ان کی شخصیت، فن، ذکر و فکر اور خیالات ونظریات پر روشنی ڈالتی ہیں۔

''علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال''

مصنفہ: بیگم رشیدہ آفتاب اقبال

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کی بڑی بہو اور فرزند اکبر آفتاب اقبال کی اہلیہ بیگم رشیدہ آفتاب اقبال کی تصنیف ''علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال'' فیروز سنز پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی سے اگست ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔

مصنفہ نے اس کتاب میں علامہ اقبال کے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال کی زندگی کا پورا احاطہ کیا ہے۔ آفتاب اقبال کی حیات، تخلیقات، سماجی اور ثقافتی مصروفیات اور علامہ کی صحبت میں بیٹھنے والوں سے مراسلت کے ضمن میں معلومات درج کی گئی ہیں۔ مصنفہ نے حرف آغاز میں اس کتاب کے لکھنے کی وجوہات گنواتے ہوئے کچھ ماہرین اقبالیات کے خطوط کا ذکر کیا ہے اور انہیں شامل کتاب بھی کیا ہے اس کے علاوہ سیّد مظفر حسین برنی نے انہیں اس کتاب کی تصنیف پر اُکسایا۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصّے میں ''اقبالیات'' سے متعلّق مضامین ہیں۔ زیادہ تر مضامین خود مصنفہ کے تحریر کردہ ہیں اور چند مضامین سید نور محمد قادری اور مشہور مصنف وصحافی سید قائم محمود کے ایک نایاب مراسلے صادق مطبوعہ ۱۹۶۵ء سے ایک مضمون ''لیڈی اقبال'' دیا گیا ہے۔ علامہ اقبال کے مرشد گرامی کے بارے

میں بہت سے لوگوں نے تحقیق کی ہے لیکن اس سے سلسلے میں سید نور محمد قادری سرخیل کارواں ہیں۔لہٰذا مصنفہ نے ان کی تحقیق کی کہانی نوع بہ نوع حالات کی روشنی دی ہے۔''لیڈی اقبال'' اقبال کی پہلی بیگم، بیگم بلقیس عابد علی کا جاندار مضمون ہے۔اس کے علاوہ مصنفہ نے ''چراغ تلے اندھیرا'' اور دیگر مضامین کے حوالے سے لکھا ہے:

''میرے مضامین مختصر سہی لیکن ان میں بڑی چونکا دینے والی باتیں موجود ہیں۔شاید ان رازوں سے میں واحد باخبر عورت ہوں اور میں نے اپنے خاندان کی باتوں کو اپنے طور پر از خود بیان کر دیا ہے ورنہ اب آثار نظر آ رہے ہیں کہ لوگ اپنی منفعت کی خاطر من گھڑت اور لایعنی باتوں کو پھیلانا مفید سمجھتے ہیں۔'' (۱۷)

بڑی بہو کا خاندان اقبال سے تعارف مصنفہ کا ایک ایسا مضمون ہے جس میں تقریباً علامہ کے سبھی قریبی عزیزوں سے ان کی وابستگی کے آغاز کا سراغ ملتا ہے۔''خفتگان خاندان اقبال'' علامہ کے خاندان کے بچھڑے ہوئے افراد کے مدفن اور تاریخ وصال سے مکمل آگاہی کا سامان بہم پہنچانا ہے۔یہ ایک بڑا منفرد اور معلوماتی مضمون ہے کہ جس میں اتنے لوگوں کی فوتیدگیوں کا ایک جگہ اندراج کیا گیا ہے۔مصنفہ نے اپنے دیگر مضامین خصوصاً علامہ اقبال کی شادیاں، علامہ اقبال نے دوسری بیوی (سردار بیگم) کو طلاق کیوں دی؟ مختار بیگم سے شادی کا واقعہ اور کریم بی بی کا کردار، سردار بیگم سے دوسری شادی کیوں اور کیسے ہوئی؟ اور بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی سے انتقام میں علامہ اقبال کی پہلی شادی کی ناکامی، ناکامی کے اسباب، شیخ عطا محمد کے اقبال کے ساتھ اور علامہ اور ان کے فرزند آفتاب اقبال کے تعلقات کے ضمن میں کچھ غلط فہمیوں کی نشاندہی کر کے اصل حقائق کی وضاحت کی ہے تا کہ لوگ غلط معلومات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے درست معلومات کو ذہن نشین کریں۔

کتاب کے دوسرے حصّے میں آفتاب اقبال کے حالات زندگی دیے گئے ہیں۔اس سے قبل کتابی صورت میں آفتاب اقبال کی حیات کے بارے میں کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔لہٰذا مصنفہ نے اس خواہش کے تحت اسے ترتیب دیا ہے کہ آئندہ اور بہتر کتابیں معرض وجود میں آئیں۔اس حصّے میں تقریباً آفتاب اقبال کی زندگی کے تمام مختلف گوشوں سے پردہ اُٹھایا گیا ہے۔اس حصّے میں آفتاب اقبال کی وفات، تدفین اور تعزیتی خطوط بھی شامل کیے گئے ہیں۔آفتاب اقبال مصنفہ یعنی اپنی اہلیہ کو بیرون ملک سے عموماً اردو میں خطوط لکھا کرتے تھے، ان چیدہ چیدہ مضامین کو بھی شامل کتاب کیا گیا ہے۔

اس حصّے میں ایک مضمون ''آفتاب سورج کے ساتھ ساتھ'' (جو بڑا مفصل مضمون ہے) میں ۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۸ء تک آفتاب اقبال پر چھپنے والے مضامین کو یکجا کیا گیا ہے تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ مولانا حامد جلالی (مرحوم) کی کتاب ''علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی'' لاکھ ناقص سہی لیکن اس کتاب کی اشاعت کے بعد آفتاب اقبال کے

بارے میں کافی مواد کتابوں کی زینت بنا۔اس کے علاوہ ایک اور مضمون ''اقبال کے چند عزیز'' بھی بڑا انوکھا مضمون ہے جس میں علامہ اقبال کی باقیات میں کچھ صاحب علم وفضل اور ماہرین فن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب کا تیسرا حصّہ نوادرات سے متعلّق ہے۔اس میں نذرانہ عقیدت بحضور علامہ، نادر تصاویر، ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال کے گھر کی تصاویر شامل ہیں۔اس کے علاوہ اور کئی نادر معلومات شامل ہیں۔یہ کتاب بنیادی طور پر حیات آفتاب اقبال کا احاطہ کرتی ہے لیکن آفتاب کی کرنوں کا منبع کہاں ہے اور کس طرح ان کرنوں سے روشنی پھیلی، اس پر بھی بخوبی روشنی ڈالی گئی ہے۔

علامہ اقبال بڑی بہو کی نظر میں عظیم قومی ہیرو، صوفی قلندر، معمار، قوم اور قناعت پسند ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔اس کے علاوہ علامہ اقبال کے معمولات زندگی کی جھلکیاں آفتاب اقبال کی زبانی سنائی گئی ہیں۔حیات اقبال، حیات آفتاب کے بغیر مکمل نہیں۔ہر چند کہ جاوید اقبال اور منیرہ اقبال نے علامہ اقبال کی اولاد کی حیثیت سے زیادہ شہرت پائی لیکن آفتاب اقبال کے ذکر کے بغیر علامہ اقبال کی زندگی کی کہانی ادھوری بلکہ محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔اس مضمون کی اس لیے بھی بہت اہمیّت ہے کہ علامہ کی وضاحت کے وقت جاوید اقبال ۱۲ برس اور آفتاب اقبال کی عمر ۳۹ برس تھی۔لہٰذا انہوں نے علامہ اقبال کی زندگی کے حالات وواقعات کا زیادہ گہرائی اور بالغ نظری سے مشاہدہ کیا تھا۔لہٰذا ان کے مشاہدات کی روشنی میں بیان کی گئی حیات اقبال کی یہ جھلکیاں بہت مفید اور معلوماتی ہیں۔

اقبال کے سوانح نگاروں اور بعض اہل قلم کے اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال کو سمجھنے میں کوتاہیوں اور غلط فہمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلے میں ہر طرح کی افواہوں کے رد میں یہ کتاب لکھی ہے اور باپ بیٹے کے تعلقات کی سچّی اور صحیح تصویر پیش کی ہے۔اگر دونوں کے مابین کوئی رنجش تھی بھی تو اس کی نشاندہی کرتے ہوئے تمام حالات کا جائزہ لیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس قسم کی رنجشوں کا پایا جانا ہماری معاشرتی زندگی کے معمولات میں سے ہے اور اس سے غیر حقیقی نتائج اخذ کر لینا قطعی مناسب نہیں ہے۔بعض اہل قلم نے اصل حقائق سے ناواقفیت کے سبب اس ضمن میں بہت سی غلط فہمیوں کو راہ دی ہے۔اب مصنفہ کے بیانات کی روشنی میں اس معاملے کو ازسرنو دیکھنے کی ضرورت ہے۔مصنفہ نے اقبال کے خاندان کے سلسلے میں جو نئی معلومات پیش کی ہیں وہ اقبال کے خاندان میں ایک عمر گزارنے کا حاصل ہیں۔یہ وہ معلومات ہیں جو انہوں نے اہل خاندان سے حاصل کیں اور انہیں ایک عمر تک حافظ میں محفوظ رکھنے کے بعد صفحہ قرطاس پر منتقل کیا اور اس طرح ان قیمتی معلومات کو ضائع ہونے سے بچا لیا۔

سوانح آفتاب اقبال کے ضمن میں تفصیلی حالات سپردِ قلم کیے گئے ہیں۔ چونکہ آفتاب اقبال کا تذکرہ دراصل علامہ اقبال ہی کا تذکرہ ہے اس لیے اس میں حضرت علامہ سے متعلّق ساری معلومات بالکل نئی اور تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ ''نوادرات'' میں عنوان کی طرح انتہائی نادر اور نئے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ خصوصاً علامہ اقبال کی وفات پر ریاست کپورتھلہ کے مہاراجہ کے بھتیجے اور آفتاب اقبال کے دوست سردار کرم سنگھ اہلو واہلیہ کا انگریزی خطاب بڑی اہمیّت کا حامل ہے۔

علاوہ ازیں اس کتاب کو پڑھ کر اس تاثر کی بھی نفی ہوتی ہے جو بعض حلقوں کی طرف سے آفتاب اقبال اور ڈاکٹر جاوید اقبال کی روایتی کشیدگی کے سلسلے میں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ کتاب میں شامل ڈاکٹر جاوید اقبال کا تعزیتی خط خود اس کی شہادت دیتا ہے۔ پھر مصنفہ نے اپنے فرزند آزاد اقبال کے بارے میں بھی ایک باب تحریر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کی تیسری نسل بھی شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتی ہے۔ آزاد اقبال کی شاعری کے جو نمونے اس بات میں پیش کیے گئے ہیں ان میں ''بانگ درا'' کی نظموں کے انداز و اسلوب کو باآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ اقبال کی اولاد میں شاعری کی روایت صرف ان کے پوتے آزاد اقبال کے حصّے میں ہی آئی ہے۔

علامہ اقبال کی بڑی بہو بیگم رشیدہ آفتاب اقبال نے علامہ کے بڑے صاحبزادے اور اپنے شریک حیات بیرسٹر آفتاب اقبال کے حوالے سے علامہ اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب کے نام سے ایک انتہائی خوبصورت اور معلوماتی کتاب تصنیف کی ہے۔ یہ قائدین ملت کی زندگی، نظریات و خیالات اور افکار و اعمال کھل کر بیان کرنے کی نہایت کامیاب کوشش ہے۔

''اقبال کا شعری و فکری مطالعہ'' مصنفہ: پروفیسر شاہدہ یوسف

مصنفہ کے مقالات کا مجموعہ ''اقبال کا شعری و فکری مطالعہ'' کے عنوان سے نظریہ پاکستان اکادمی لاہور سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں مصنف کے (۱۱) گیارہ مضامین شامل ہیں۔ یہ مضامین اقبال کی شاعری کی صوتی فضا، جدید علوم کی اسلامائزیشن فکر اقبال کے تناظر میں، اقبال کی شخصیت کی ایک اہم کلید، اقبال کا انٹرنیشنل میرٹ، ادب میں انحطاطی رویوں کے خلاف اقبال کا اجتہاد، آزادی کشمیر کے سلسلے میں اقبال کا جہاد، اقبال کے فلسفہ تمدن کے جوہری عناصر، اقبال کا ذوق محاربت، گاہ بحیلہ می بردگاہ بزور می کشد، عصر حاضر میں اقبال کے خطبہ ششم کی اطلاقیت، اور مثالی معاشرے کے قیام میں اقبال کے تصور ملکیت زمین کی اہمیّت ہیں۔

مصنفہ اپنے مضمون ''اقبال کی شاعری کی صوتی فضا'' میں بیان کرتی ہیں کہ ان کی شاعری کی فضا میں انسان کے ذوقِ ارتقا کا جوش وخروش، اصوات والفاظ کا زیر وبم، قوافی ردیف کی موسیقیت اور غنایت، اسلوب وآہنگ کا معجزانہ بہاؤ اور آہنگ میں حجازی اور اسلامی روایات تکمیل پذیر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ان کی شاعری کی صوتی فضا صرف غنایت، موسیقی اور نغمہ وآہنگ کے کوائف ہی اپنے اندر نہیں رکھتی۔ بلکہ ایک زوال یافتہ قوم کے ایوانوں میں سورہ اسرافیل کی طرح گونج رہی ہے۔اسلامی تاریخ کے جدوجہد ارتقا کا ہر مرحلہ، نفس انسانی کے سارے بھید، عہد گزشتہ اور آئندہ عہد کی گہری معنویت کا احساس اور تہذیب وثقافت کا ہر رخ مظاہر فطرت کی ہر جہت اس فضا کو وقیع اور معتبر بناتی ہے۔انسانی معاشرے کی تعمیر نو میں اقبال کے ان خیالات کی جو جدید علوم کی اسلامائزیشن کے بارے میں ہیں بے انتہا اور بے پایاں افادیت ہے۔

اپنے مضمون ''اقبال کی شخصیت کی ایک اہم کلید'' میں مصنفہ ''شذرات فکر اقبال'' کو اقبال کی ذہنی وقلبی واردات اور ان کے تفکر کے انوکھے پہلو کی یادگار قرار دیتی ہیں۔ان کے نزدیک اقبال کی شخصیت کی تفہیم اور شرح و وضاحت میں جس طرح ان کی شعری ونثری تصانیف یا ان کے مکاتیب ومقالات محققین کو ایک فکری اساس فراہم کرتے ہیں، اسی طرح ''شذرات فکر اقبال'' کے نام سے مرتب کی جانے والی یادداشتیں اقبالیات ادب میں ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ اقبال کی شخصیت کے چند ایسے زاویوں کو سامنے لاتی ہیں جو اس سے پہلے یا مابعد کے ادوار میں اس انداز سے ہمارے سامنے نہیں آئے۔

''اقبال کا انٹرنیشنل میرٹ'' میں مصنفہ اقبال کے شعری وجدان کی جامعیت، اسالیب اظہار اور شعور وتخلیق کے تنوع اور طرز ادا کی طرفگی نیز Epression of Codes پر گرفت کو عالمی ادب کے صف اول کے مشاہیر میں ان کے مقام ومرتبے کے تعیّن کی دلیل قرار دیا ہے۔''ادب میں انحطاطی رویوں کے خلاف اقبال کا اجتہاد'' میں مصنفہ اقبال کو ان کے آفاقی تصورات اور زندگی اور اس کے خمیر سے اُٹھنے والی صداقتوں کی وجہ سے کسی ایک صدی یا کسی ایک زمانے کا شاعر نہیں سمجھتیں بلکہ کہتی ہیں کہ ان کی شاعری کی ہر موج سے انسان کے اجتماعی لاشعور کی صداقتیں بے نقاب ہوتی ہیں۔انہوں نے اپنے تصورات ادب وفن سے اپنے تصورات خودی وبے خودی کو اس طرح ہم رشتہ کر دیا ہے کہ ان پر بنی نوع انسان کے ایک خلاق تمدن کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

''آزادی کشمیر کے سلسلے میں اقبال کی فکری جہاد'' میں مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ کشمیر کی تحریک آزادی میں علامہ نے اپنی ناقدانہ بصیرت، حکمت عملی اور کشمیری مسلمانوں کی حالت زار پر دردمندی کے ذریعے مسلمانوں کو ایک نئی آگہی اور نیا شعور بخشا۔اقبال کی اس ضمن میں خدمات کو اس باب میں سراہا گیا ہے۔مضمون ''اقبال کے

فلسفہ تمدن کے جوہری عناصر'' میں مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال نے اپنے مذہبی تدبر وفکر سے اسلامی تمدن کے مسخ شدہ خدوخال کی تنقیح وتطہیر کی اور اسے از سرنو اسلام کے اساسی اصولوں پر استوار کیا۔ اقبال کے فلسفہ تمدن میں فرد اور جماعت کا ربط محض ایک نظریاتی فریب نہیں بلکہ ایک متوازن اور عملی حقیقت ہے جس سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر تخلیق وارتقاء کا سفر جاری رہتا ہے۔ عزیز احمد اس ضمن میں اپنی تصنیف ''اقبال نئی تشکیل'' میں کہتے ہیں:

''موج فرد کارفرما ہے اور ربط امواج سے دریا کا وجود ہے مگر دریا کے باہر موج کا تصور ناممکن ہے جس طرح اجتماع سے باہر خودی کی کوئی اقتصادی حیثیت نہیں۔''(۱۸)

''اقبال کا ذوق محاربت'' کے حوالے سے مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال کے نزدیک خطر پسندی بھی قوت اور صلاحیت و جزالت کے مظاہر میں ہے اس لیے یہ خطر پسندی زندگی کی آبرو بڑھاتی ہے اہر خدا کے اس کائناتی منصوبہ میں تسخیر وارتقاء کے عمل کو جاری رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اقبال نے اپنے ذوق محاربت اور خطر پسندی کو جن علامات واصطلاحات کے وسیلے سے پیش کیا ہے، ان پر ترقی پسندوں کی جانب سے اعتراضات وارد کیے گئے۔ مضمون'' گاہ بحلیہ می بردگاہ بزور می کشد''یعنی اقبال کے تصور عشق کی جہان پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ کی ذات والا صفات اقبال کے وفور شوق کا مرکز ومحور تھی۔ جز وکل کے اس راز داں سے ان کی قلبی وابستگی نے ان پر عشق کی رمزیں آسان کر دی تھیں۔ مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال کے نزدیک عشق کا نصب العین اپنے مقام ومنصب کی بازیافت ہے اور ذات حق کو تمام پردوں اور حجابات کے بغیر دیکھنا زندگی کا منتہائے مقصود ہے۔ ان کے نزدیک اقبال نے عشق کو عقل پر اس لیے بھی ترجیح دی ہے کہ عشق کی کارکردگی عقیدہ ویقین کی وحدت ویک رنگی پر منحصر ہے۔ عشق پیکار حیات کا دلدادہ ہے اور تعیش اور تساہل اس کی شریعت میں حرام ہیں۔

''عصر حاضر میں اقبال کے خطبہ ششم کی اطلاقیت'' کے ضمن میں مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال کے خطبے کی عملی افادیت کو ثابت کرنے کے لیے نوآبادیاتی SystemColonical کے تحت ورثے میں پائے ہوئے تمدنی اور تغیّراتی قوانین کی تنقیح میں اس خطبے کے فکری اجزاء سے رہنمائی وبصیرت کی جاسکتی ہے۔ طرز تمدن اور ٹیکسیشن اور محصولات کے نظام کو نئے خطوط پر استوار کیا جاسکتا ہے۔ نیز نجی اور ملکی سطح پر عمرانی اور معاشی معاہدوں کی حدود وقیود معین کی جاسکتی ہیں۔ عورت کو اس کی خواہش کے مطابق بوقت نکاح تنسیخ نکاح کا حق تفویض کیا جاسکتا ہے۔ ان معاملات وسائل میں اجتہاد سے اقبال کے خطبہ ''الاجتہاد فی الاسلام'' کی عملی افادیت کو موجودہ عہد میں ثابت کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب میں شامل مصنفہ کا گیارہواں اور آخری مضمون'' مثالی معاشرے کے قیام میں اقبال کے تصور

ملکیت زمین کی اہمیّت'' ہے۔ اس مضمون میں مصنفہ نے ملکیت زمین کے بارے میں علامہ اقبال کے افکار کا سرچشمہ اخذ و اکتساب قرآن مجید کو قرار دیا ہے۔ اقبال کے نزدیک زمین محض ایک جغرافیائی Geographical اور حیاتیاتی Bialogical حقیقت ہی نہیں بلکہ انسان کی تگ و تاز کی ایک نمایاں سچّائی بھی ہے۔ ان کے نزدیک زمین کی ملکیت کا سوال ایک ہمہ جہتی سوال ہے جس کے اندر مذہبی جہت کے علاوہ سیاسی، تہذیبی اور سماجی جہتیں بھی ہیں۔

پروفیسر شاہدہ یوسف کی اس کتاب کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کسی پیشہ ور نقاد کی تحریروں پر مشتمل نہیں ہے بلکہ یہ ادبی تخلیق اقبال کے ایک ذہن قاری کی ہے۔ اسی لیے یہ کتاب اقبال کے فکر و فن پر شائع ہونے والی دوسری بے شمار کتابوں سے مثبت طور پر مختلف ہے۔ مصنفہ نے جس حیرت انگیز سلیقے سے اقبال کے شعری اور فکری منظر نامے کے خدوخال اُجاگر کیے ہیں، اسے دیکھتے ہوئے اس اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے کہ ہماری نئی نسلیں اقبال کو پڑھنے اور اسے صحیح معنوں میں سمجھنے کی بے حساب صلاحیتیں رکھتی ہیں، اس کا ثبوت مصنفہ کی یہ کاوش ہے۔

''داستان اقبال'' مصنفہ: آمنہ صدیقہ

آمنہ صدیقہ کی سوانح عمری اقبال ''داستانِ اقبال'' القمر انٹر پرائز زغزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور سے نومبر ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ آمنہ صدیقہ کی لکھی گئی سوانح عمری ''داستان اقبال'' خصوصاً بچوں اور طلبہ و طالبات کے لیے لکھی گئی ہے۔ خود اقبال کے اپنے بالکل ابتدائی مضامین اور منظومات سے لے کر آخری زمانے کے مضامین اور منظومات میں بچوں یعنی نژادنو اور طبقہ نسواں کے کردار کو قومی زندگی کی تعمیر میں بنیادی قرار دیا گیا ہے بلکہ علامہ قومی زندگی کی ترقی و بہبود اور کامیاب مستقبل کا انحصار انہی سے وابستہ کرتے ہیں۔ اقبال کی زیرِ تبصرہ سوانح عمری طلبہ و طالبات کی اسی ضرورت کا نتیجہ ہے۔ مصنفہ سرآغاز کے عنوان کے تحت اپنی تصنیف کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ''اس کتاب کو میں نے طالب علمی کے دور میں اپنے ذہن میں موجود خاکہ کو سامنے رکھ کر ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ آج ''حیات اقبال'' کے موضوع پر کافی کتب دستیاب ہیں اور میں نے ان میں سے کچھ کتب کا مطالعہ کیا اور ان میں مواد اکٹھا کیا۔ انداز تحریر ایسا رکھنے کی کوشش کی ہے جیسے کوئی آپ کو کہانی سنا رہا ہو۔''(۱۹)

مصنفہ نے یہ تو بیان کر دیا کہ انہوں نے اقبال کی حیات پر مشتمل کچھ کتاب کا مطالعہ کر کے اس کتاب کا مواد اکٹھا کیا مگر انہوں نے وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے کن کن کتب کا مطالعہ کیا اور ان میں سے مواد اکٹھا کیا۔ البتہ کتاب کے آخر پر انہوں نے ان کتب کی فہرست دی ہے، جن سے انہوں نے اس کتاب کی تیاری میں مدد لی تھی۔ ان کتب میں زندہ رود، حیات اقبال کا سفر، ذکر اقبال، روزگار فقیر، حیات اقبال، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں،

تذکار اقبال، اوراق گم گشتہ، عروج اقبال، اقبال اور کشمیر، اقبالیات، اقبال درون خانہ، علامہ اقبال کا نظریہ تعلیم اور دانائے راز شامل ہیں۔اس کتاب کا دیباچہ لکھتے ہوئے ڈاکٹر صدیق جاوید نے اس کتاب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''مجموعی جائزہ اور طائرانہ مطالعہ کی روشنی میں اس سوانح عمری کا عمومی پلان یعنی خاکہ مکمل دکھائی دیتا ہے۔اقبال کے تفصیلی حالات تو ایک طرف رہے، مختصر خاکہ (جسے ماہ وسال کا آئینہ کہا جاتا ہے) میں بھی اکثر زمانی ترتیب یعنی واقعات کی تقدیم وتاخیر گڈمڈ ہوجاتی ہے۔جو سوانح کو صداقت اور حقیقت سے دور لے جاتی ہے۔اقبال کی اس مختصر سوانح حیات میں صحیح زمانی ترتیب نظر آتی ہے۔نیز اقبال کی زندگی کے واقعات کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ کتاب زبان وبیان کی سادگی اور صفائی کے اعتبار سے خاص طور پر قابل توجہ ہے۔''(۲۰)

ڈاکٹر صدیق جاوید کی اس رائے اور کتاب کی ترتیب وخاکہ کی روشنی میں یہ سوانح عمری جو طالب علموں کے لیے لکھی گئی ہے، بے حد سادہ، آسان اور دلچسپ ہے اور نوجوانوں کے لیے شوق انگیز ہے۔اس کتاب میں حیات اقبال کے تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔اور یہ کتاب پڑھنے کے بعد علامہ اقبال کی زندگی کا ایک ایک پل از خود ذہن نشین ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

''تضمینات اقبال'' مصنفہ: بصیرہ عنبرین

بصیرہ عنبرین نے ڈاکٹر تحسین فراقی کے زیر نگرانی ایم اے اردو کی تکمیل کی خاطر مقالہ بعنوان ''تضمینات اقبال'' تحریر کیا تھا جو اب کتابی صورت میں فکشن ہاؤس لاہور سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔مصنفہ نے اس مقالہ کو اقبال کے صرف اُردو کلام تک محدود نہ رکھا بلکہ ان کے سارے فارسی کلام کو بھی پیش نظر رکھ کر ایک جامع جائزہ مرتب کیا ہے۔مصنفہ نے فن تضمین کی تعریفوں اور ان کی تنقیحات سے لے کر اس کی اقسام اور اس کی ضرورت واہمیّت پر عمدہ بحث کی ہے۔اقبال کی تضمینات پر بحث کرتے ہوئے بھرپور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اقبال تضمینات کے باب میں بھی مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ تضمین کی مدد سے نئے معنوی ابعاد اور نئی فکری جہات کی نشاندہی کرتے ہیں۔مصنفہ کا اسلوب تشریحی وتوضیحی ہے اور انہوں نے تفہیم شعر کی کئی سطحوں کو اجاگر کیا ہے۔

کتاب کے شروع میں کچھ ماہرین اقبال کے اس تصنیف کے بارے میں تاثرات بھی درج کیے گئے ہیں۔ان ماہرین اقبال میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر خورشید رضوی اور ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام کی آراء شامل ہیں۔ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے مطابق:

> ''مصنفہ نے اپنے مقالہ میں بنیادی مآخذ کی مدد سے پہلے تضمین کے فن کی خصوصیات کو واضح کیا۔پھر اقبال کے اردو اور فارسی کلام سے جملہ جات کو بڑی کاوش سے یکجا کیا اور مختلف زمرات میں تقسیم کر کے دقت نظر سے مطالعے کے نتائج

کو بڑے واضح انداز میں تحریر کیا۔ بصیرہ عنبرین کی یہ تحقیقی وتنقیدی تصنیف بلاشبہ ''اقبالیات'' کے ذخیرے میں ایک اچھا اضافہ قرار پائے گی۔''(۲۱)

تضمین کا فن بہت اہم ہے کیونکہ یہ ذہنوں اور زمانوں کے امتزاج کا مظہر ہے اور تکرار میں تنوع کا آئینہ دار ہے۔ اقبال کی تضمینات اس اعتبار سے اور بھی اہم ہیں کہ ایک طرف تو وہ اقبال کی وسعت مطالعہ اور کاوش انتخاب کا پتا دیتے ہوئے ان کے دل و دماغ کے عقبی دیار سے روشناس کراتی ہیں اور دوسری طرف اقبال کے تخلیقی لمس سے خود تضمین دمک اُٹھتی ہے اور بسا اوقات کسی پرانے سکے کا یکسرا چھوتا رُخ دکھا دیتی ہے۔

مصنفہ کو چونکہ فارسی زبان میں کافی دسترس حاصل تھی اس لیے وہ اشعار کے مآخذ کی تلاش کا مشکل کام آسانی سے انجام دے سکیں۔ سال اقبال کے موقع پر شائع ہونے والی کتاب اقبال شناسی میں ایک مفید، مستقل اور مستحسن اضافہ ہے۔ اس کتاب کو تین ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔

باب اوّل ''فن تضمین'' میں مصنفہ نے فن تضمین کے تعارف اور اس کے محرکات کی وضاحت نہایت تفصیل کے ساتھ کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تضمین کے فن کی اقسام اور اشکال پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے مصنفہ کہتی ہے:

> ''اگر چہ تضمین کو بعض صورتوں میں معیوب بھی خیال کیا گیا مگر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فن تضمین کے مناسب، موثر اور برمحل استعمال سے کلام صوری و معنوی ہر دو حوالے سے بلند ہو جاتا ہے بلکہ تضمین کا فن اس اعتبار سے بے مثال فن ہے کہ یہ دو زمانوں اور دو کیفیات کو ملا دیتا ہے۔''(۲۲)

باب دوم میں مصنفہ نے علامہ اقبال کے اردو کلام کی تضمینات کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ اگر چہ اردو شاعری میں اقبال سے قبل تضمین نگاری کی روایت موجود تھی مگر اقبال نے اسے نیا، متنوع اور مستحکم انداز بخشا۔ اقبال نے فارسی زبان کے انحطاط (برعظیم میں) کے دور میں اسے نئی تازگی اور روئندگی بخشی۔ ان کے ہاں زیادہ تر تضامین بھی شعرائے فارسی کے کلام پر ہیں جو ان کی فارسی شعر وادب سے والہانہ شگفتگی کا ثبوت بھی ہیں اور ان کے عمیق اور وسیع مطالعے کی دلیل بھی ہیں۔ مصنفہ اقبال کے اردو کلام کی تضمینات کی گونا گوں خصوصیات کے پیش نظر انہیں وسعت علم اور نکتہ آفرینی کی عمدہ مثالی قرار دیتی ہیں۔ اس باب کے آخر میں نو صفحات حوالہ جات وحواشی کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کے تیسرے اور آخری باب میں ''علامہ اقبال کے فارسی کلام کی تضمینات'' اور حوالہ جات وحواشی درج ہیں۔ اقبال نے اردو کلام کے علاوہ فارسی کلام میں بھی بعض مقامات پر خود اپنے کلام کو تضمین کر کے وسعت

معنوی کا اہتمام کیا ہے۔اس باب میں مصنفہ نے اقبال کے فارسی کلام کی تضمینات کا جائزہ پیش کیا ہے۔مصنفہ کے کلام اقبال کی فارسی کے جائزہ سے ایک اور بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ اقبال نے فارسی شعر کے مختلف سبکوں سے تعلّق رکھنے والے شعراء مثلاً سبک خراسانی (منوچہری، ناصر خسرو اور عطار وغیرہ)، سبک عراقی (رومی، عراقی، سعدی، امیر خسرو، بوعلی قلندر، محمود شبستری، حافظ شیرازی اور جامی)، سبک ہندی (عرفی، تقہری، غنی کاشمیری اور غالب) اور لطف اللہ بیگ آزر اور قرۃ العین طاہرہ کے اشعار پر بھی تضمین کیں۔تاہم ان کی برتری یہ ہے کہ وہ کسی خاص ''سبک'' میں جذب نہ ہوئے۔ان کا اپنا ایک منفرد انداز بیان ہے جسے ''سبک اقبال'' کا نام دیا گیا ہے۔ بلاشبہ اقبال کی یہ تضمینات ان کے اس منفرد انداز بیان کی آئینہ دار اور ان کی ذہانت، وسعت مطالعہ اور قدرت کلام پر دلالت کرتی ہیں۔کتاب کا آخری حصّہ کتابیات اُردو و فارسی، لغات اور رسائل جن سے اس کے لکھنے میں مدد لی گئی، پر مشتمل ہے۔

بلاشبہ مصنفہ کی یہ کاوش اقبال شناسی کے میدان میں ایک نیا اور تازہ اضافہ ہے۔انہوں نے اقبال شناسی کے حوالے سے ایک بالکل مختلف اور غیر معروف موضوع پر نہایت عمدگی کے ساتھ کام کیا۔مصنفہ کی یہ کوشش قابل تحسین ہے۔

''اقبال اور عصری مسائل'' مصنفہ: ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف

ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف کی کتاب ''اقبال اور عصری مسائل'' سنگ میل پبلی کیشنز سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔ محمد حنیف رامے کے پیش لفظ اور مصنفہ کی تمہید کے بعد اسے بارہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔آخر میں حوالہ جات، کتابیات اور فرہنگ کا اہتمام کیا گیا ہے۔پیش لفظ میں محمد حنیف رامے اس کتاب کی تصنیف کا اصل مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ایک ایسے فرد کی تصنیف ہے جس نے اس خطے کی تاریخ، جغرافیے، سیاست، معاشرت اور معیشت کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کر رکھا ہے اور جسے یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ جن عظیم مقاصد کے حصول کی خاطر یہ ملک قائم کیا گیا تھا، آج ہمارے سیاست دان اور حکمران طبقہ ہی نہیں بلکہ ہماری نئی نسل بھی ان سے غافل ہو چکی ہے۔کتاب کا پہلا باب بعنوان ''ابتدائیہ'' پر مشتمل ہے۔اس باب میں مصنفہ نایک بڑے اہم مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اقبال کی تعلیمات علم و عرفان کا سمندر ہیں اور حکمت و معرفت کے انمول جواہر ریزے ان کی انگریزی نثر اردو اور فارسی کے شعری مجموعات میں ایک انوکھے اسلوب میں مرتب ہیں۔علم و حکمت کا یہ خزانہ دنیائے اسلام کے لیے بالعموم اور برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی و معاشرتی تعمیر کے لیے بالخصوص بنیادی

حیثیت رکھتا ہے۔مگر مسلمانوں نے اس سے فائدہ بہت کم اُٹھایا ہے۔ پھر وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ اقبال کی تخلیق سے بہرہ ور ہونے کی سعی کا فقدان بذات خود ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس کی نشاندہی خود اقبال نے بھی کر دی تھی کہ صدیوں کی غلامی نے مسلمانوں سے خود آ گہی اور تجدید کے تسلسل کو ختم کر دیا تھا۔ڈاکٹر صاحبہ اقبال کے افکار سے صحیح معنوں میں بہرہ ور نہ ہو سکنے کے اسباب گنواتی ہیں کہ اقبال کے افکار کو ان کے ہم عصر دانشوروں نے عجیب طرز میں پیش کیا ہے۔اس کی پہلی صورت یہ ہے کہ اقبال عظیم فلسفی تھا اور اس نے مشرق ومغرب کے فلسفے سے مستعار خیالات کو اپنی علمی کاوش کا حصّہ بنالیا تھا اس لیے ان کا فارسی کلام اور انگریزی نثری مضامین مشکل ہیں۔لہٰذا عوام ان سے مستفید نہ ہو سکے۔اقبال کے سیاسی افکار کو کبھی بھی کما حقہ پذیرائی نہ مل سکی۔دوسری صورت یہ ہے کہ اقبال کے بحیثیت صوفی ہونے کے ان کی صوفیانہ فکر ونظر کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا۔یورپی دانشوروں نے اس طرز فکر کی بہت پذیرائی کی جن میں ڈاکٹر اینا میری شمل سرفہرست ہیں۔ڈاکٹر صاحبہ اس ضمن میں یہ تصحیح کرنا ضروری سمجھتی ہیں کہ اقبال کا تصوف مروجہ تصوف جو عمل گریز اور خانقاہی سکون پرستی کی تعلیم دیتا ہے، سے بہت مختلف ہے۔ان کا تصوف خود آ گہی اور خودنگری کا پیغام دیتا ہے اور اصلاح ملت کی دعوت دیتا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر صاحبہ نے اقبال کے اشعار بھی بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ڈاکٹر صاحبہ کہتی ہیں کہ اقبال کے افکار سے زندگی کو جلا دینے کے لیے لازم ہے کہ ان کی فکر کا جائزہ لیا جائے۔وہ بڑے دکھ اور کرب کے ساتھ کہتی ہیں:

> ''المیہ تو یہ ہے کہ ہماری نسل اقبال سے آشنا نہیں ہے۔اگر اقبال نشاۃ ثانیہ کا ایک اہم فرد تھا تو علمی اور عقلی طور پر نشاۃ ثانیہ کی نئی اُفتاد کے لیے اقبال آج بھی بنیاد بن سکتا ہے۔اگر اسے سچّائی اور آزاد خیالی سے پڑھا جائے تو اقبال ہمارے فکر و عمل کی بنیادیں مہیا کرے گا۔''(۲۳)

دوسرے باب ''تاریخی پس منظر'' میں مصنفہ نے اس باب میں اسلامی انقلاب کی پہلی صدی سے لے کر دولت عباسیہ، سپین میں مسلمانوں کی حکومت، دولت عباسیہ ۷۵٦ء کے بعد صلیبی جنگوں ۱۰۹۵ء-۱۲۹۱ء، منگولوں کی یلغار اور پھر بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے زوال کے اسباب کا جائزہ لیا ہے۔مصنفہ نے مسلمانوں کے زوال کے جو اسباب گنوائے ہیں ان میں موروثی بادشاہت کا قیام، وراثت کے اصولوں کا تسلسل سے پروان نہ چڑھنا، فرقہ وارثت، قبائلی عصبیت، ابہام پرستی، قنوطیت، مثبت تبدیلیوں اور علم سے گریز شامل ہیں۔

پھر مصنفہ نے مسلمانوں کے دوسرے عروج کے دور کا جائزہ لیا ہے۔مسلمانوں کے اس عروج و زوال کے اس دور میں یورپ میں تین انقلاب نشاۃ ثانیہ، صنعتی انقلاب اور انقلاب فرانس آئے، جنہوں نے تاریخ کا رخ بدل دیا۔مصنفہ نے ان تینوں انقلاب کا تسلسل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔مصنفہ کے نزدیک زوال کے اس دور کا

تجزیہ بھی لازمی ہے۔ مسلمانوں میں ترقی کی دوسری لہر کے زوال کے کچھ اسباب تو وہی تھے جو انہیں بنواُمیہ اور بنو عباس کی حکومتوں سے ورثے میں ملے تھے۔ مثلاً مطلق العنانی، جاگیرداری، وراثت کے جھگڑے اور فکری قنوطیت، ان کے علاوہ نشاۃ ثانیہ اور صنعتی انقلاب سے پیدا ہونے والی صورت حال کا انہیں کوئی اندازہ نہیں تھا۔ یہ اسباب زیادہ تر معاشی تھے اور مسلمان معیشت کے علوم سے بڑی حد تک بے بہرہ تھے۔ لہٰذا چوٹ پر چوٹ کھاتے رہے۔ پھر مصنفہ نے ہندوستانی تاریخ کمپنی کے دور، برطانوی دور حکومت، مذہبی تحریکوں کے ارتقاء، علما کی سیاست کا جائزہ پیش کیا ہے۔ پھر تحریک خلافت اور تحریک خلافت میں ناکامی کے اسباب گنوائے ہیں۔ مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں کے بے معنی ہو کر رہ جانے کے سبب حالات کے پیش نظر سرکار برطانیہ نے آئین میں اصلاحات کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان اصلاحات کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو حکومت کرنے کے اسلوب سکھائے جائیں۔ مگر ان اصلاحات میں مسلمانوں کا احترام نہ کیا گیا۔ مصنفہ نے اس دور کی آئینی اصلاحات کا تجزیہ پیش کیا ہے۔

کتاب کا تیسرا باب ''تہذیبی قدروں کا زوال'' ہے۔ مصنفہ نے مسلمانوں کی تہذیبی قدروں کے زوال پر روشنی ڈالی ہے۔ اقبال کو اپنے دور کا سب سے بڑا مجتہد قرار دیتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے اسلام کو ریاست، سیاست، ثقافت اور ایک تہذیب کے حوالے سے پہچانا اور مسلمانوں کی کوتاہی کے اسباب کا گہرا مطالعہ کر کے مستقبل میں رہنمائی کی ابتدا کی۔ اسلامی تہذیب کے ارتقا کے لیے اقبال سیاسی آزادی کو بنیادی اہمیّت دیتے تھے۔

کتاب کا چوتھا باب ''صنعتی انقلاب اور مسلمان'' میں اقبال کے منظوم کلام اور نثر کے مطالعے کے حوالے سے مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال نے کم از کم مسلمانوں کی معاشی زبوں حالی کی تین حقیقتوں کا اندازہ لگا لیا تھا اولاً یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام مسلمانوں کے مسائل کا حل نہیں۔ اقبال نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی بدحالی سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار تھی۔ لہٰذا ان کی مشکلات کا حل اس نظام میں ممکن نہیں۔ دوسری حقیقت یہ تھی کہ ہندو سرمایہ دارانہ نظام میں انگریز کا ساتھی تھا اور اسے ہندوستان میں صنعت کاری اور تجارت پر کافی کنٹرول حاصل تھا۔ مسلمانوں کا پیشہ ابھی کاشتکاری تھا۔ صنعتی انقلاب کے بعد دنیا میں زراعت کے میدان میں بھی ترقی ہوئی مگر جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے کاشتکاروں کی حالت وہی تھی جو سکندر اعظم کے حملے کے وقت تھی۔ اقبال نے اس پماندگی کی تصویر کشی بڑی دل سوزی سے کی ہے۔ وہ اس افلاس سے نجات کا پہلا قدم نو آبادیاتی نظام سے حصول کو قرار دیتے تھے گو انہیں اقتصادی نظام پیش کرن کا موقعہ نہ ملا۔ تاہم ان کی تحریروں میں ایک نظام کا خاکہ ضرور ملتا ہے۔ تیسری حقیقت یہ تھی کہ مسلمان صنعتی انقلاب کے بعد پیدا ہونے والے افکار و عوامل سے بالکل بیگانہ تھے۔

پانچواں باب ''اشتراکی انقلاب اور مسلمان'' میں مصنفہ نظریہ اشتراکیت اور اس کی بنیادی کلید فاضل قدر اور

تاریخ کی تشریح کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ سرمایہ داری نے اشتراکیت پر باقاعدہ نظرثانی اور تجرباتی شورش شروع کر دی۔ ۱۹۴۹ء میں جب چین میں بھی اشتراکی انقلاب کامیاب ہوا تو دنیا کے بہت سے ممالک میں اشتراکیت کی مقبولیت میں بھی اضافہ ہوا۔ مغرب نے اپنے نوآبادیاتی نظام کی تقویم کے لیے چار عوامل مذہب کا احیاء، معاشرے میں بورژوا طبقے کی سرپرستی، نوآبادیاتی دور کے اداروں کی سرپرستی اور عوامی قوت کے شعور کی تذلیل کا متواتر دھیان رکھا جس کی مدد سے آج بھی یہ نظام قائم ہے۔ اقبال اشتراکیت کے عروج کے ساتھ یہ پہچان چکے تھے کہ اس کا سرمایہ دارانہ نظام سے ٹکراؤ لازمی ہے۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر مسلمان اس مخاصمت کی گنجلک سے آزاد ہو جائیں تو ان کے لیے یہ سنہری موقع ہوگا کہ وہ اپنے معاشرتی نظام کو ترقی کرنے والی قوتوں کی مدد سے از سرِ نو تعمیر کر سکیں۔ اسی سوچ کے تحت انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک آزاد ریاست کے قیام کا مشورہ دیا۔

کتاب کا چھٹا باب ''نظریہ ریاست'' میں نظریہ ریاست اور پھر دو قومی نظریے پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصنفہ نے اس باب میں یہ جائزہ لیا ہے کہ خودی کی تعلیم اقبال کے نظریہ ریاست کے لیے کہاں تک ضروری ہے۔ خودی کی تعمیر فرد کے کردار کی مضبوطی سے زیادہ ملت کے لیے بنیادی ستون مہیا کرتی ہے۔ خودی کے ارتقا میں مسلمان قوم کی انفرادیت جھلکتی ہے جو دو قومی نظریے کی بنیاد بن جاتی ہے۔ لہٰذا ملت اور ریاست کی افتادِ تعمیر اور ارتقا خودی کی استواری میں پنہاں ہے۔ پھر قومیت کی بنیاد وطنیت یا ایمان پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اقبال کے خیال میں وطنیت مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اقبال کیا کہتا ہے:

> ''میں نظریہ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں جب کہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریے کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا۔ مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتداء ہی سے یہ بات اچھی معلوم ہوگئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کا پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔'' (۲۴)

ساتواں باب ''تعمیر پاکستان'' کے حوالے سے ہے اس باب میں مصنفہ نے نئی نوجوان نسل کو پاکستان بننے سے قبل ہندوستان کے سیاسی نقشے اور تعمیر پاکستان کے لیے کی گئی کوششوں سے آگاہ کیا ہے اور پھر قرارداد لاہور کا متن بھی دیا گیا ہے۔ مصنفہ نے یہ بتایا ہے کہ پاکستان کی ایک دو خطوں پر مشتمل ریاست کا انعقاد حقیقت کے بہت قریب تھا مگر مسلمان حسب عادت مجلسوں میں فیصلے کرنے کے بعد ان پر عمل کرنے میں سست روی کے عادی تھے تعمیر پاکستان کے حوالے سے ۱۹۴۶ء کے بعد فکری اور عملی سست روی کی وجہ سے پاکستان کو وہ ریاستی حدود نہیں مل

سکیں جو اس خطے کی تاریخ اور جغرافیے کا تقاضا تھیں۔انگلستان نوآبادیات کا بوجھ اُٹھانے کے قابل نہ تھا۔لہٰذا یہی فیصلہ کیا گیا کہ نئے انتخابات کروائے جائیں اور اس کے نتیجے میں جو صورت حال پیدا ہو اس کے مطابق ہندوستان کے لیے ایک متفقہ آئین بنانے کی کوشش کی جائے۔ پھر مصنفہ نے تعمیر پاکستان کے سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات اور صوبوں کی تقسیم اور انتخاب کے حوالے سے تفصیلات فراہم کی ہیں۔ پھر آزادی کے حصول کے فوراً بعد کے مسائل اور مصائب کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

کتاب کا آٹھواں باب ''ٹیکنیکی دور کی سیاست'' پر محیط ہے۔اس باب میں مصنفہ نے ترقی یافتہ قوموں کی برتری اور ترقی کا راز جدید ٹیکنالوجی کی قوت میں پنہاں قرار دیا ہے۔مغربی سرمایہ دار اور ترقی یافتہ قوتوں نے غریب، پسماندہ اور ترقی پذیر اقوام کو دو طریقوں پر ٹیکنالوجی کی برتری قائم رکھتے ہوئے اور قوت ادراک کی محدودیت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے زیر دام رکھا۔ٹیکنالوجی اور قوت کے ذخائر کے اعتبار سے امریکہ اور روس کا موازنہ کیا گیا ہے جو کہ ترقی پذیر ممالک کی بے بسی کو سمجھنے کے لیے لازمی ہے۔معدنی تیل کے بحران کے حوالے سے تفصیلات دی گئی ہیں۔

کتاب کا نواں باب ''عصری مسائل'' پر مشتمل ہے۔مصنفہ نے اس باب میں پاکستان کے کل نو مسائل بیان کیے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اس دور کے حالات کا صحیح تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے جو اس وقت پاکستانی قوم کو درپیش ہیں۔مصنفہ نے پاکستان کو درپیش جن نو مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے ان میں سے آٹھ مسائل سیاسی، معاشرتی اور عسکری نوعیت کے ہیں۔ ان میں نیشنلزم، جمہوریت، اچھی حکومت، اسلامیانے کا مسلک، معاشی ترقی، گلوبیت، تہذیبوں کا تصادم اور پاکستان کا تحفظ شامل ہیں۔نواں مسئلہ عورت کے مقام کے بارے میں ہے جو کہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے۔

دسواں باب اجتہاد کی اہمیّت کے بارے میں ہے۔مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اجتہاد کو خیر باد کہنے کے نتیجے میں سب سے پہلے مسلمانوں میں مثبت عمل کی کمی آئی اور پھر فکری انتشار نے مسلمانوں کی فراست کو نقصان پہنچایا اور مسلمان اجتماعی فکر و عمل سے دور ہوتے چلے گئے۔مسلمانوں کے زوال اور مغربی تہذیب کے عروج نے ساتھ ساتھ تکمیل کے مدارج طے کیے ہیں چونکہ زوال کی بنیاد اجتہاد ہے۔لہٰذا مصنفہ نے تفصیل سے جائزہ لیا ہے کہ مسلمانوں نے اجتہاد سے منہ کیوں موڑا۔

گیارہواں باب ''نظام تعلیم'' ہے۔اس باب میں مصنفہ نے پاکستان کے نظام تعلیم کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ یہ جائزہ اقبال کے نظام تعلیم کی روشنی میں پاکستان میں رائج نظام تعلیم کا جائزہ ہے۔مصنفہ پاکستان میں رائج نظام

تعلیم کی کمزوریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ فکری اور عقلی نو آبادیت سے چھٹکارا حاصل کیے بغیر ایسا نظام تعلیم ترتیب دینا کہ جو ہمیں اپنی انفرادی حیثیت، قومی آزادی اور ترقی کا امین بنا دے، نہایت مشکل کام ہے۔ لہٰذا درآمد شدہ معاشرتی اور سائنسی علوم ہماری سیاسی، معاشی اور تہذیبی زندگی میں کوئی ترتیب پیدا نہیں کر سکے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارا نظام تعلیم ہمیں یہ نہیں سکھاتا کہ ہم مغرب کے موافق اور ناموافق کی تمیز کر سکیں۔ ایک مکتب فکر مکمل طور پر ہر طرح کے مغربی افکار کو رد کرتا ہے۔ دوسرا تقلید کا سبق دیتا ہے دونوں طرز فکر و عمل ہماری قومی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

کتاب کا بارہواں اور آخری باب ''جادہ منزل'' ہے۔ اس باب میں عالمی تناظر کے حوالے سے مصنفہ تمام عالم اسلام اور بالخصوص پاکستان کو اقبال کے افکار کی اشد ضرورت پر زور دیتی ہیں۔ مصنفہ نے مسلمانوں کے مستقبل کی تعمیر کے لیے اقبال کے پانچ فکری دائروں خودی کی سرفرازی، تحصیل علم، جدید ریاست کا قیام، ثقافتی مستعاریت اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کی باری باری وضاحت کی ہے۔ مصنفہ کا خیال ہے کہ مسلمانوں کے لیے بس ایک ہی راہ ہے کہ وہ اقبال کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر اتحاد امت کی راہ استوار کر لیں۔ اس ضمن میں وہ یورپی یونین کی مثال دیتے ہوئے سوال کرتی ہیں کہ کیا پاکستان اس مقصد کی برآوری کا آغاز کرنے کی جرات کرے گا۔ ''اقبال اور عصری مسائل'' کثیر المقاصد کتاب ہے جو اقبالیات، سیاسیات، مدنیات، اخلاقیات اور نفسیات کے طلبا و طالبات کے لیے یکساں مفید ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے اقبال کے فکری تقاضے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ تمام مضامین تحقیقی انداز میں لکھے گئے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر کنیز فاطمہ نے مختلف ابواب میں اقبال کے اردو اور فارسی اشعار کا استعمال کیا ہے۔ ان اشعار کو عصری تقاضوں کے مطابق دیکھنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ یہ کتاب اقبالیاتی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

''اخلاق اقبال'' مصنفہ: پروفیسر زبیدہ رئیس

پروفیسر زبیدہ رئیس کی کتاب ''اخلاق اقبال'' سیرت رائٹرز کلب فیصل آباد، جون ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔ ''اخلاق اقبال'' میں شامل مضامین کی فہرست میں ادب و محبت مصطفیٰ، انکساری و عاجزی، اخلاق، استاد کا احترام، ایمانداری، بے لوث محبت، پابندی وعدہ، تلاوت قرآن، حسن و جمال حاضر جوابی، جرآت، جذب و وجدان، خوش مزاجی، درویشی و قلندری، دانائی، ذہانت، سادگی، شب بیداری، صداقت، ضبط و صبر، ظاہر داری سے نفرت، عمل پسندی، غیرت، فیاضی، قناعت، کلام و گفتگو، نفاست و لطافت، محبت اولیائے کرام، وسعت مطالعہ، ہر

دلعزیزی، یقین کامل شامل ہیں۔

اقبال کے فکر وفن پر مردوں کے علاوہ خواتین نے بھی بہت سا تحقیقی کام کیا ہے۔جس وجہ سے آج خواتین ادب میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوارہی ہیں۔ یہ روایت تو قدیم ہے کہ مرد حضرات نے صنف نازک کو اپنی تحریروں اور دل میں جگہ دی لیکن یہ بات زیادہ قابل ستائش ہے کہ خواتین نے بھی مردوں کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔ پروفیسر زبیدہ رئیس کی تصنیف ''اخلاق اقبال''ایک ایسی کتاب ہے جس میں علامہ محمد اقبال کی شخصی عظمت اور ادبی رفعت کو ان کے اخلاق حسنہ کی روشنی میں پرکھا گیا ہے۔مختصر سے مضامین میں علامہ اقبال کی شخصی عظمت اور ادبی رفعت کو ان کے اخلاق حسنہ کی روشنی میں پرکھا گیا ہے۔مختصر سے مضامین میں علامہ اقبال کی روزمرہ زندگی سے وابستہ واقعات ہمارے لیے دلچسپی اور معلومات کا خزینہ بن گئے ہیں۔ان مضامین میں شذرات فکر اقبال کی جھلکیاں نظر آتی ہیں جن کا مطالعہ ہماری نئی نسل نو کے لیے ضروری ہے۔ اخلاق اقبال زندگی کا طرہء امتیاز ہے۔اخلاق کے بغیر انسانی زندگی بے معنی ہے۔ پروفیسر زبیدہ رئیس نے نوجوانوں کو ایک آئینہ دکھایا ہے جس میں حیات اقبال ان کے اخلاق کی شکل میں نظر آتی ہے۔علامہ محمد اقبال نے کس ماحول میں آنکھ کھولی، کس طرح سکول جاتے رہے کس حالات میں ان کی پرورش ہوئی اور ان کے گھر کا ماحول کیسا تھا۔ پروفیسر زبیدہ رئیس چوں کہ خود بھی درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔اس لیے انہوں نے کوشش کی ہے کہ نئی نسل کو سمجھانے پر زور دیا ہے۔کتاب پر معروف ادباء واہل دانش کی آراء موجود ہے جن میں اطہر حسین خان سیال، مولانا مجاہد الحسینی، مولانا محمد صادق صدیقی، پرویز خالد شیخ، ڈاکٹر طاہر تونسوی اور مجیب الزمان شامی شامل ہیں۔ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

> ''اخلاق اقبال پروفیسر زبیدہ رئیس کی مرتبہ کتاب ہے جو اپنے مضمون کا بھرپور احاطہ کرتی ہے اور غالباً پہلی دفعہ علامہ اقبال کی اخلاقیات اور اخلاق کے بارے میں ان کے افکار وخیالات کا عکس پیش کرتی ہے چوں کہ پروفیسر زبیدہ رئیس کا تعلق تعلیم وتدریس سے ہے اور اس شعبے میں اخلاقیات کی جانب زیادہ توجہ دی جاتی ہے اسی لیے انہوں نے مفکر پاکستان اور عظیم شاعر علامہ محمد اقبال کی شخصیت کے اسی گوشے کو منتخب کر کے ان کی تحریروں اور ان کے خطوط سے اخلاق اقبال کا منظر نامہ تشکیل دیا ہے۔۔۔۔''(۲۵)

حضرت محمد ﷺ سے محبت وعقیدت کے جذبات رکھنے والے علامہ محمد اقبال نے اپنی زندگی میں اُن کی محبت اس طرح شامل کر لی تھی کہ وہ عشق نبی ﷺ میں پر وقت محو رہتے تھے۔قرآن مجید پڑھتے ہوئے کئی بار رونے لگ جاتے تھے اتنا روتے کہ قرآن کے صفحات گیلے ہو جاتے تھے۔ان کے عشق رسول ﷺ کے بارے میں پروفیسر زبیدہ رئیس کہتی ہیں کہ عشق رسول ﷺ علامہ اقبال کے رگ وپے میں سرایت کر گیا اور ان کے ذہن وفکر پر چھا گیا

تھا وہ کتنے بڑے فلسفی تھے اور فلسفہ کا سارا معاملہ عقل و دانش کے بل بوتے پر چلتا ہے مگر رسول ﷺ کی سیرت کو وہ عقل کی کسوٹی پر جانچنے کی جرآت نہ کرتے تھے۔اس معاملہ میں وہ ایمان بالغیب کے قائل تھے۔بس جو حضور ﷺ نے فرما دیا وہ دین و ایمان اور سر آنکھوں پر۔اس بارگاہ میں چوں و چرا کی گنجائش ہی نہیں ہیں غیر مشروط اطاعت و فرمابرداری اور غلامی ہی ایمان کی دلیل بلکہ بنیاد ہے۔پروفیسر زبیدہ رئیس کی اس کتاب ''اخلاق اقبال'' کو ۲۰۰۶ء میں صدارتی ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔اس کتاب کی سرکاری سطح پر بھی خوب پذیرائی ہوئی ہے اس لیے کہ یہ پڑھنے سے تعلّق رکھتی ہے ہماری نئی نسل کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔مجیب الزمان شامی کی رائے ہے:

''کتاب ایسے دلچسپ انداز اور چھوٹے چھوٹے واقعات سے مزین ہے کہ قاری شروع تو اپنی مرضی سے کرتا ہے مگر اسے چھوڑنے کا نام اس وقت تک نہیں لیتا جب تک کہ کتاب مکمل نہ پڑھ لی جائے کیونکہ یہ ماضی کا آئینہ خانہ ہے اس کتاب کو مرتب کرنے کے لیے کافی گہرائی میں مطالعہ کرنا ضروری اور پھر سلیس زباں میں پیش کرنا ایک تاریخی کارنامہ اور اردو ادب پر شیریں اضافہ ہے۔اس کتاب میں حضرت اقبال کی ذات کے حوالے سے جو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے وہ قابل صد تعریف و ستایش ہے۔''(۲۶)

۲۳ مارچ ۲۰۱۳ء کو یوم پاکستان کی تقریب علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس میں منعقد ہوئی۔ جس کے مہمان خصوصی وائس چانسلر نذیر احمد سانگی تھے۔ریجنل ڈائریکٹر محمد عبید السلام کی دعوت پر راقم الحراف کو بھی خطاب کا موقع ملا۔اس موقع پر پروفیسر زبیدہ رئیس کی گفتگو سے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ انہوں نے اپنی یہ کتاب ''اخلاق اقبال'' پیش کر کے اپنے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔یہ کتاب درحقیقت تخلیق نہیں بلکہ حقائق پر مبنی اخلاقی تعلیمات کا ایک گلدستہ ہے جس میں ہم ایک طرف اخلاقی اقدار کے بل بوتے پر محمد اقبال کو سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے روپ میں دیکھتے ہیں اور دوسری طرف اپنی ذات کا احتساب کرتے ہیں کہ ہم میں وہ اخلاقی روایات کیوں نہیں ہیں جن کے حامل علامہ اقبال تھے۔عصر حاضر میں یوں تو اقبال کے فکر و فن پر مختلف مقالات پڑھے جاتے ہیں لیکن ان کی اخلاقی قوت سے استفادہ کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔آج ہم گرواٹ کے جس موڑ پر آ پہنچے ہیں ان کا حل یہی ہے کہ ہم اخلاق کی وہ روایات قائم کریں جن کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔والدین اور اساتذہ اپنے اخلاقی سرمایہ سے اپنے بچوں کے لیے قابل مثال بنیں۔مقام افسوس ہے کہ ہماری ہر نصیحت دوسروں کے لیے ہے۔ہم اپنا احتساب نہیں کرتے۔خود فرض ادا نہیں کرتے دوسروں سے یہ توقع وابستہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنا فرض ادا کریں۔''اخلاق اقبال'' اخلاقیات کا ایک ایسا نسخہ ہے جو ہماری عملی زندگی میں کامیابی کی ضمانت ہے۔

’’اقبال۔۔۔۔۔۔۔ایک مردِمومن‘‘ مصنفہ: ڈاکٹر صغریٰ

ڈاکٹر صغریٰ کا مقالہ ’’اقبال------------ایک مردِمومن‘‘ مجلسِ دانشوراں لاہور سے کتابی شکل میں ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔ ’’اقبال--------ایک مردِمومن‘‘ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب قادیانیت، مرزا غلام احمد قادیانی کے مختصر حالات زندگی، قادیانی اور قادیانیوں کا نبی مرزا غلام احمد۔۔۔۔۔مناظر اسلام سے نبوت کے دعویٰ تک، قادیانی خلفاء حکیم نورالدین اور مرزا بشیر الدین محمود کی نگاہ میں غیر قادیانیوں (مسلمانوں) کے ایمان کی حقیقت دوسرا باب نبوت، اُمتِ مسلمہ کا تصورِ نبوت، قادیانیوں کا تصورِ نبوت، علمائے اسلام اور اقبال کا تصورِ ختم نبوت، قادیانیوں کا تصور ختم نبوت، وحدت اُمتِ مسلمہ اور عقیدۂ ختم نبوت تیسرا باب اقبال کا خاندن اور تحریک قادیانیت، شیخ نور محمد، امام بی بی اور عطا محمد کی قادیانیوں سے موانست، مرزا غلام احمد کی بیعت اور علامہ اقبال کے قادیانیوں سے تعلقات، آفتاب اقبال کی قادیانی درس گاہ میں تعلیم و تربیت، قادیانیوں سے اقبال کے اختلافات چوتھا باب ہندوستان کے انگریز حکمران، اقبال کے انگریز حکمرانوں سے تعلقات، انگریز حکومت سے اقبال کی وفاداری، مرزا غلام احمد کے انگریز حکمرانوں سے تعلقات، انگریز حکومت سے جماعتِ احمدیہ کی وفاداری پانچواں باب جہادِ اسلامی، قادیانی نبی مرزا غلام احمد کا انگریز حکمرانوں کے خلاف جہاد کا تصور، علمائے اُمتِ مسلمہ کا تصورِ جہاد، فریضہء جہاد اور مرزا غلام احمد کا طرزِ عمل، فریضہء جہاد اور اقبال کا طرزِ عمل چھٹا باب کشمیر کمیٹی کے قیام کا مقصد، قادیانیوں کی کشمیر کمیٹی سے وابستگی، کشمیر میں قادیانیت کی تبلیغ واشاعت، اقبال کی کشمیر کمیٹی سے وابستگی اور اُن کا طرزِ عمل ساتواں باب تحریک آزادء ہند اور قیامِ پاکستان، قیامِ پاکستان کے لیے قادیانیوں کی جدوجہد، قیام پاکستان کے لیے اقبال کی جدوجہد، قیامِ پاکستان کے بعد قادیانیوں کا طرزِ عمل، اقبال اور قائداعظم کے تعلقات------تحریکِ پاکستان کے حوالے سے ہے۔ کتاب کا آٹھواں اور آخری باب اقبال کی کردار کشی، اقبال کے کردار کے حوالے سے قادیانیوں کے بیانات، اقبال کے کردار کے حوالے سے اکابرین امتِ مسلمہ کے بیانات، مرزا غلام احمد کا کردار----- انتہائی مختصر جائزہ اور حاصلِ تحقیق پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر صغریٰ کے مقالے کا موضوع ’’اقبال پر قادیانیوں کی تنقید-----ایک تحقیقی جائزہ‘‘ جبکہ انگریزی میں اس کا عنوان ہے:

"Criticism on the lifeandworkofiqbalbyQADIYANISECT-----A through research review"

اس مقالہ کی تکمیل کے بعد علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد نے ڈاکٹر صغریٰ بی بی کو ’’پی ایچ ڈی اِن اقبال سٹڈیز‘‘ کی ڈگری دی۔ اس مقالے کو اب کتابی شکل میں ’’اقبال------ایک مردِمومن‘‘ کے نام سے

شائع کیا گیا ہے۔''اقبال پر قادیانیوں کی تنقید ------- ایک تحقیقی جائزہ'' بظاہر بہت ہی سادہ اور عام فہم موضوع ہے لیکن اقبال شناس اہلِ علم کے لیے یہ موضوع نہ تو سادہ ہے اور نہ ہی عام فہم بلکہ بہت ہی پیچیدہ اور پُر خار ہے۔قادیانی اہلِ قلم نے جس مدلل انداز میں اقبال پر تنقید کی ہے اور جگہ جگہ تسامح کا جو انداز اختیار کیا ہے، اس کو مخصوص حوالے سے اگر دیکھا جائے تو پھر اس موضوع کی پیچیدگی اور ساتھ ہی اس کی اہمیّت کا اندازہ بھی ہو جائے گا۔ڈاکٹر صغریٰ ''گزارشِ احوالِ واقعی'' میں رقم طراز ہیں:

> ''یہ تحقیقی مقالہ ایک متنازعہ موضوع پر لکھا گیا ہے۔ یہ موضوع اقبال کی زندگی کے بعد منظرِ عام پر آیا ہے۔اقبال کی زندگی میں کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ انہیں ''احمدی'' کہہ کر پکارتا۔اقبال کی کردار کشی جس سوچی سمجھی سازش کے تحت کی گئی اُس کا سدباب کرنے کے لیے ڈاکٹر صغریٰ نے اقبال کے کردار اور اُن کی مذہبی، ملی، معاشرتی اور سیاسی خدمات کو تحقیقی انداز میں پرکھ کر اہلِ علم اور اقبال شناس حضرات کے سامنے پیش کیا۔''(۲۷)

علامہ اقبال پر قادیانی نقاد کی طرف سے لگائے گئے الزامات کو غیر جانب دار اقبال شناس مصنّفین کے مشاہدات و بیانات کی روشنی میں پرکھ کر، انتہائی غیر جانبدارانہ انداز میں رائے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔مقالہ کے حوالے سے سب سے بڑی مشکل جو میرے سامنے آئی وہ یہ کہ قادیانی اہلِ قلم نے جو کچھ اقبال کے حوالے سے لکھا ہے وہ ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور انہوں نے ایک ہی بات کی تکرار جگہ جگہ اپنی تصانیف میں کی ہے۔اس لیے یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان کی تنقید اور الزام تراشیوں کا جائزہ، ممکنہ حد تک، ایک ہی مقام پر حقائق کی روشنی میں پیش کر دیا جائے۔۔۔۔اس لیے صرف ان ہی الزامات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جو براہ راست اقبال سے متعلّق ہیں۔

محققہ نے اس مقالے میں اقبال کی ملی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی خدمات کا جائزہ تو احسن طریقے سے لیا ہے لیکن ان کی سوانحِ حیات سے صرفِ نظر کر گئی ہیں؛ شاید اس لیے کہ اقبال کی سوانح کے حوالے سے بہت سے اقبال شناس، بہت کچھ لکھ گئے ہیں، لکھ رہے ہیں اور شاید مجرد انداز میں لکھتے رہیں گے۔لیکن اقبال نے قادیانیوں کے خلاف اس شدت سے آواز کیوں اُٹھائی، اس کے اسباب وعوامل اور محرکات کیا تھے، ان سوانح نگاروں کی تخلیقات سے اس کا پتا نہیں چلتا۔اقبال اپنی اُفتادِ طبع، اپنے کردار اور اپنے معاشرتی رویے کے لحاظ سے مرنجاں مرنج تھے، اس کے باوجود انہوں نے ایک جماعت اور اس سے وابستہ افراد کو دائرہ اسلام'' سے خارج قرار دے کر اپنا مخالف اور دشمن کیوں بنا لیا؟ یہی مخالفین، اقبال کی زندگی میں ان کی مخالفت کر رہے اور اُن کے انتقال کے بعد سے اب تک ان کی کردار کشی کر رہے ہیں۔ان کی مخالفتوں سے بچنے کے لیے بہت سے دوسرے راسخ العقیدہ مسلمانوں کی

طرح اقبال خاموش تماشائی کیوں نہ رہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اقبال، اوّل وآخر، عاشق رسول ﷺ تھے۔ ان کے اسی عشق رسول ﷺ نے انہیں خاموش تماشائی نہ بننے دیا۔ اقبال ایک راسخ العقیدہ مسلمان، پرہیزگار، عبادت گزار اور متقی والدین کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کی تربیت انہی شب بیدار، خدا رسیدہ والدین کے زیرِ سایہ ہوئی، اسی لیے اقبال کے اندر بھی درویشی، قناعت پسندی، استغنا اور بے نیازی کی صفت پیدا ہوگئی۔ یہ انہی نیک دل اور نیک سیرت والدین کا فیضان تھا کہ اقبال نیا پنی ساری زندگی ''ایک مردِ مومن کی حیثیت سے گزاری۔

ڈاکٹر صغریٰ نے اس مقالے کی تکمیل میں مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں اور قادیانی اکابرین کے بیانات کو بہ کثرت پیش کیا ہے تا کہ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ چوں کہ یہ موضوع انتہائی اختلافی ہے اسی لیے ڈاکٹر منہاج الدین صاحب نے موضوع کی گراں باری کی وجہ سے کتابوں کے حوالے اور ان کا صفحہ نمبر ساتھ ساتھ آخیر میں لکھنے کی ہدایت کی تا کہ قاری کو بار بار مآخذ کی تلاش میں سرگرداں نہ رہنا پڑے۔ مرزا غلام احمد کی ہر ہر کتاب، کئی کئی دفعہ چھپی ہے اور یہ بھی کہ ان کی تمام کتابوں کو روحانی خزائن' کے نام سے کم و بیش ۲۳ جلدوں میں جمع کر دیا گیا ہے اور ایک ایک جلد میں کئی کئی کتابوں کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے ہوگا کہ حوالے کی تصدیق کرنے سے پہلے کتاب کا سنہ اشاعت ضرور دیکھ لیں۔

آخر میں ڈاکٹر صغریٰ نے ''عالمی مجلسِ تحفظ ختم نبوت، ملتان'' کے ناظمِ جناب عزیز الرحمٰن صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا ہے جنہوں نے ادارے کے اندر آنے کی اجازات مرحمت فرمائی اور میں نے جب بھی وقت مانگا ،لائبریرین، عزیز الرحمٰن صاحب کو تمام کاموں سے فارغ کر کے محض میرے کام کے لیے وقف کر دیا۔

پروفیسر محمد منور بطور اقبال شناس'' مصنفہ: زبیدہ جبیں

علامہ اقبال کی شخصیت ،نظریات اور شاعری کے جملہ پہلوؤں پر تو ہمارے واجب الاحترام اقبال شناسوں نے بہت کچھ لکھ ڈالا مگر فکرِ اقبال کا ہماری عملی زندگیوں میں گزر نہیں ہوسکا۔ اقبال کے تصورات ہماری روزمرہ زندگی میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ یہ وہ الجھن تھی جو اقبال کے حوالے سے اکثر و بیشتر ذہن میں کھٹکتی رہتی تھی۔ پروفیسر محمد منور بطور اقبال شناس'' کا موضوع والد محترم کے مشورے پر منتخب کیا اس کام کے دوران یہ احساس بڑھتا گیا کہ عظیم اور نظریاتی شخصیات قوم کا قابلِ فخر سرمایہ ہوتی ہیں۔ ان کے کارناموں کو سمجھنا، قوم کے سامنے انہیں نمایاں کرنا اور خاص طور پر نئی نسل کو ان سے واقف کرانا قومی اور ملی فریضہ ہے۔ یوں یہ مقالہ لکھنا ایک ملی اور علمی فریضہ ادا کرنے کے مترادف ہے اور یہ میری خوش قسمتی ہے۔ زبیدہ جبیں کا مقالہ پروفیسر محمد منور بطور اقبال شناس'' اقبال اکادمی پاکستان

،لاہور سے ۲۰۰۶ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

مقالے کا پہلا باب پروفیسر محمد منور کی سوانح اور شخصیت سے متعلّق ہے۔آپ کے دوست احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا اور آپ کی شخصیت اتنی ہمہ جہت اور ہمہ گیر تھی کہ اس کے تمام پہلوؤں کو مقالے میں زیر بحث لانا ایک نہایت کام تھا۔ ہر پہلو اور ہر واقعہ ہی جاندار، دلچسپ اور بامعنی و بامقصد تھا۔ آپ بہت سے اداروں، انجمنوں اور کالجوں سے وابستہ رہے، ملازمتیں اختیار کیں، تقاریر کیں اور سفر بھی کیے۔ان سب کا مکمل اور تفصیلی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوسکا۔ گو کہ اقبال اکادمی میں ریکارڈ رکھنے کی کوشش ہوتی رہی مگر افسوس کہ آپ کی تقاریر کا پورا ریکارڈ، باوجود کوشش کے مرحوم کے ذاتی کاغذات اور اقبال اکادمی سے بہت کم مل سکا ہے۔ پھر بھی ہم نے مرحوم کے جس قدر سوانحی کوائف وحالات جمع کر دیئے ہیں، وہ کہیں اور نہیں ملیں گے۔

دوسرا باب اقبال اور فکرِ اقبال سے پروفیسر محمد منور کی وابستگی سے متعلّق ہے۔ پروفیسر محمد منور ایک صاحبِ فکر و نظر اور باکردار شخصیت کے مالک تھے۔اس باب میں اقبال سے آپ کی وابستگی کے اسباب، پس منظر، پھر ان کے سفرِ اقبالیات کے مختلف مراحل اور مختلف پہلوو?ں کا ذکر کیا گیا ہے۔تیسرا اور چوتھا باب ان کی اُردو اور انگریزی تصانیف کے تعارف اور جائزے پر مشتمل ہے۔اس سے اندازہ ہوگا کہ مرحوم کو اقبالیات کے فکری اور نظریاتی پہلوؤں سے زیادہ دلچسپی تھی اور زیادہ تر وہ پاکستان کے نظریاتی تشخص کے سیاق وسباق میں فکرِ اقبال کی تشریح کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ فکرِ اقبال کے ایک مخلص اور ان تھک مفسر تھے۔ پانچویں باب میں پروفیسر محمد منور کی اقبال شناسی پر مجموعی نظر ڈالی گئی ہے۔اس باب سے قارئین کو بابائے اقبالیات'' کی ہمہ جہت اقبالیاتی جدوجہد اور فروغِ اقبالیات کے لیے ان کی عملی کاوشوں کا اندازہ ہو سکے گا۔

مرزا محمد منور نے اقبال کے فکر ونظر اور تصورات وعقائد کو ہر پہلو سے اپنے لیے ایک مقصد اور نصب العین قرار دیا تھا۔ آپ نے اقبال کی فکر کو اپنے ذہن وشعور اور لاشعور میں بھی خوب راسخ کر لیا تھا۔ اقبال ان کے لیے محض ،ایک شخصیت نہ تھے بلکہ قرآن کے شارح تھے جن کے افکارِ عالیہ اور انقلابی لب ولہجہ میں یہ تاثیر موجود ہے کہ وہ ایک عالم کو زیروزبر کر سکتے ہیں۔ آپ نے اقبال کے پیغام کی تشریح وتوضیح میں جسم وجان کی تمام توانائیاں صرف کردیں۔ یہ آپ کی زندگی کا مشن تھا۔ زبیدہ جبیں کے مطابق:

> پروفیسر محمد منور طبعی طور پر ایک دردمند انسان تھے، اور ملتِ اسلامیہ کے بارے میں اقبال ہی کی طرح ہمیشہ فکر مند رہتے تھے، اس لیے وہ اپنی تقاریر میں علامہ اقبال کے فکر اور پیغام کو افرادِ ملت کی عملی زندگیوں سے مربوط کر کے پیش کرتے تھے۔،، (۲۸)

پروفیسر محمد منور اردو کے علاوہ حسب موقع انگریزی اور عربی زبان میں بھی اچھی تقریر کر لیا کرتے تھے۔ آپ نے پہلی مرتبہ فی البدیہہ عربی تقریر قاہرہ یونی ورسٹی کے جلسۂ اقبال میں کی اور خود اپنی اس صلاحیت پر حیران ہوئے۔ لکھتے ہیں:

میں نے علامہ اقبال کے کلام پر عربی اثرات کے ضمن میں کوئی دس منٹ اظہارِ خیال کیا اور عربی میں اظہارِ خیال کیا، اور حیرت ہے کہ 'کردم وشد'۔"(۲۹)

پروفیسر محمد منور صاحب کو اردو کے علاوہ عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ لہٰذا آپ نے فکرِ اقبال کی وضاحت اپنے انداز میں کی ہے ان کی توضیح وتشریح سے اقبال ایک عظیم شاعر اور فلسفی اور مفکر کے طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ ہمیں اسلام کے بہت بڑے نقیب اور انقلاب کے داعی نظر آتے ہیں اور اس کی جھلک ہمیں ان کے ان مقالات ومضامین میں نظر آتی ہے۔ پروفیسر مرزا محمد منور نے علامہ اقبال کے افکار ونظریات پر عالمانہ انداز میں نقد وانتقاد کیا ہے۔ ان کی کوشش رہی ہے کہ فکرِ اقبال کو، قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جانچا جائے۔ اقبال کے حوالے سے آپ نے معاصر تحریکوں اور شخصیتوں اور اس وقت کے حالات کا تجزیہ پیش کرنے کی بھی بھرپور سعی کی ہے۔ پروفیسر محمد منور نے فروغِ اقبالیات کے میدان میں جس سوچ کے ساتھ قدم رکھا، وہ سوچ یہ تھی:

بعض وہ افراد ہوتے ہیں جو اپنا ایمان بچانے یا اپنی ہی روش کا دفاع کرنے کو کافی نہیں سمجھتے، بلکہ وہ مخالف ماحول کو مسخر کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اپنے معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کی خاطر مصروفِ جہاد ہوتے ہیں اور پھر اپنے عزمِ صمیم اور ایمانِ مستحکم کی بدولت اس جہاد میں کمی، دمِ آخر تک نہیں آنے دیتے۔"(۳۰)

مرزا صاحب نے یہ بات اقبال کے حوالے سے کہی تھی۔ اہم بات یہ ہے کہ خود مرزا صاحب نے بھی اپنے لیے بھی یہی اسلوب اختیار کیا تھا اور پھر پوری زندگی اسی نصب العین کے فروغ میں گزاری۔ مرزا محمد منور کی اقبال شناسی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ آپ نے فکرِ اقبال پر جتنے بھی مضامین ومقالات سپردِ قلم کیے ہیں، ان سب میں انہوں نے علامہ اقبال کی شخصیت کے دھندلے اور کہیں واضح نقوش ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ مرزا صاحب نے اقبال کی محض فکری اور فنی تشریح ہی نہیں کرتے، بلکہ آپ علامہ اقبال کی مجموعی شخصیت کو ان کے فکر کے پس منظر میں رکھ کر یوں پیش کرتے ہیں کہ اقبال اور فکرِ اقبال ہم آہنگ اور یکجان محسوس ہوتے ہیں۔ مرزا محمد منور ایک جگہ کہتے ہیں:

اللہ نے حضرت علامہ کو بابصر بھی بنایا تھا اور بابصیرت بھی۔ ان کی نظر میں خیر وشر اور صفا وکدر کو پہچاننے کی اہلیّت تھی، اور وہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔"(۳۱)

مرزا صاحب نے اقبال کے افکار ونظریات کی اشاعت کے لیے ہر محاذ پر کام کیا ہے۔ تقریریں کیں، اداروں کو منظّم کیا، خود لکھا، دوسروں سے لکھوایا، دورے کیے، اور اس طرح اقبالیات کو ایک علمی اور عملی تحریک بنا دیا۔

آج نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی علامہ اقبال کا نام سر بلند ہے۔ اس فضا کے بنانے میں ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ مرزا صاحب کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ جب بھی اقبالیات کی تاریخ لکھی جائے گی تو ابائے اقبالیات'' کی حیثیت سے پروفیسر محمد منور کی خدمات کا یقیناً اعتراف کیا جائے گا۔

اس مقالے کے آخر میں زبیدہ جبیں ادارہ نوائے وقت، اقبال اکادمی کے جملہ شعبہ جات اور پروفیسر محمد منور صاحب کی بیٹی نزہت صلاح الدین کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتی ہیں جنھوں نے متعلقہ ریکارڈ نہایت خوش دلی سے فراہم کیا۔ پروفیسر محمد منور کی بلند قامت شخصیت اوران کے وسیع کام پر مقالہ تیار کرنا ایک مشکل کام تھا۔ یہ احساس مسلسل دامن گیر رہا کہ اس کام کو ویسا ہی بلند پایہ ہونا چاہیے جیسی آپ کی شخصیت تھی اور زبیدہ جبیں اعتراف کرتی ہیں کہ یہ کاوش محض طالب علمانہ ہے اور ابھی اس باب میں مزید تحقیق کی ضرورت اور گنجائش موجود ہے۔

اقبال کا نظریۂ فن (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)'' مصنفہ: رابعہ سرفراز

رابعہ سرفراز کا تحقیقی مقالہ اقبال کا نظریۂ فن (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)'' ۲۱ اپریل ۲۰۰۶ء میں کتابی شکل میں قرطاس، فیصل آباد سے شائع ہوا۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول: تمہیدی مباحث، باب دوم: علامہ اقبال کا نظریۂ فن (شاعری کی روشنی میں)، باب سوم: علامہ اقبال کا نظریۂ فن (نثری تحریروں کی روشنی میں)، باب چہارم: علامہ اقبال کا نظریۂ فن (ناقدین ادب کی نظر میں) اور باب پنجم: محاکمہ پر مشتمل ہے۔ کتابیات (مقالے کے آخر میں ان کتب کی فہرست دے دی گئی ہے جن سے مقالے کی تکمیل کے دوران میں استفادہ کیا گیا۔) رابعہ سرفراز کا تحقیقی مقالہ ''اقبال کا نظریۂ فن (تحقیقی وتنقیدی جائزہ)'' اس میں کوشش کی گئی ہے کہ علامہ اقبال نے اپنی شاعری، خطبات، نثر اور گفتگو میں فن کے حوالے سے جو باتیں کی ہیں اُن کا جائزہ لیتے ہوئے اُس مربوط تصورِ فن پر بحث کی جائے جو علامہ اقبال کے افکار شخصیت اور شاعری سے خاص ہے۔۔۔۔ خاص اس لیے کہ اُردو شعروادب کی کم وبیش سات سوسال تک پھیلی ہوئی تاریخی جڑوں کے حوالے سے اگر ہم اُن مشاہیرِ ادب کے شعری اورنثری سرمائے کا تجزیہ کریں جنھوں نے اردو شعروادب کو اپنے خیالات اور افکار سے ثروت مند کیا تو ہمیں کسی ایک کے بھی ہاں ایسا مربوط تصورِ فن نہیں ملے گا جیسا علامہ اقبال کے ہاں مربوط شکل میں ملتا ہے۔

علامہ اقبال کا تصورِ فن ایک موثر، وقیع اور اردو شاعری کی تاریخ میں نمایاں اور خیال افروز تصور ہے جس سے اردو شاعری کے ناقدین تو کیا عام قاری بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ نظریہ؟ فن کم وبیش پون

صدی سے ادبی حلقوں، اردو شاعری کے مختلف ناقدوں اور قاری کے اذہان وقلوب کو گرماتا رہا اور ایک متحرک ادبی مبحث (Discusion Literary Dynamic) کے طور پر زندہ رہا اور ہے۔ علامہ اقبال کے کم وبیش تمام ناقدین نے اپنی تحریروں میں جزوی یا کلی طور پر اس نظریہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ خصوصاً ادب برائے زندگی سے منسلک ناقدین نے اس تصور کو سراہا۔ اسلامی معاشرت سے وابستہ اقدارِ حیات کے ماننے والوں کو اقبال کے تصورِ فن کی شکل میں ایک ایسا ادبی منشور مل گیا ہے جس سے تخلیق ومقاصد فن کی بہت ساری کڑیاں اور سلسلے اقبال کے تصورِ فن کی شکل میں از خود مربوط ہوتے نظر آتے ہیں۔ یوں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد شعروادب میں سرسید اور مولانا حالی ی اصلاح پسندی کی تحریک کو ایک واضح پلیٹ فارم مل گیا۔ علامہ اقبال کے تصورِ فن نے نہ صرف اپنے معاصر ادب دوستوں کو متاثر یا بلکہ اب تک ایک نسل ان کے افکار وخیالات سے بدستور متاثر ہو رہی ہے۔ ایران کے عہد جدید کے ملک الشعراء بہار کے بقول ''عصرِ حاضر خاصہ اقبال گشت''۔ نہ صرف عصر حاضر بلکہ آنے والے زمانوں میں بھی اقبال کے جو افکار وخیالات اپنے قارئین اور ناقدین کو متاثر کرتے رہیں گے ان میں سے ایک اہم حوالہ اقبال کے تصورِ فن کا بھی ہوگا۔

علامہ اقبال کے ہاں بہ تکرار اور بہ تنوع سینکڑوں ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے فن، محرکات فن، تخلیق فن، تاثیر فن اور فن کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثرات کا واضح بیان نظر آتا ہے۔ علامہ اقبال کی فارسی اور اردو شاعری ، علامہ اقبال کی نثری تحریروں خصوصاً مکاتیب کے حوالے سے ملنے والے ایسے تمام اشارے ایک مربوط نظامِ فن اور تصورِ فن پر منتج ہوتے ہیں۔

اقبال کا یہ خاصا ہے کہ اُن کے تمام تصورات (مثلاً تصورِ خودی، تصورِ مردِ مومن، تصورِ ابلیس، تصورِ عشق، تصورِ تعلیم، تصورِ عورت وغیرہ) میں ایک مربوط اور منضبط سلسلۂ فکر نظر آتا ہے۔ رابعہ سرفراز رقم طراز ہیں:

> ''میں نے کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال کے ان افکار وتصورات کو جو فن کے حوالے سے ہیں جمع کر کے پہلے مرحلے پر علامہ اقبال کے نظریۂ فن کا جائزہ لوں اور اس طرح فن کی تخلیق کے مختلف مرحلے، اس کے محرکات، اظہار وتاثیر کی مختلف شکلیں نیز علامہ اقبال کے تصور خودی اور دوسرے افکار واقدار کی روشنی میں اس ارفع اور اعلیٰ مقصد کا مطالعہ کروں جسے وہ اپنی شاعری میں آدم گری سے تعبیر کرتے ہیں جس کی وجہ سے شاعری ان کے نزدیک ''جزو ایست از پیغمبری است'' پاتی ہے۔ علامہ اقبال کے تصورِ فن کے جائزے کے ساتھ ساتھ بعض ضروری ذیلی اور تمہیدی مباحث کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اس طرح علامہ اقبال کے تصورفن پر کی جانے والی تنقید اور تصورات کا بھی تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے''(۳۲)

اقبال فن کو زندگی کا معاون سمجھتے ہیں اور اسے افادیت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ وہ ایسے فن کے شدید مخالف

ہیں جس سے قوم پر مردنی چھا جائے اور جو انسان کے قوائے عمل کو مضحل کر دے۔ اس لحاظ سے اقبال کے نظریہ فن میں افادیت اور مقصدیت کو بہت اہمیّت حاصل ہے۔ اقبال کے نزدیک فن کا واحد مقصد یہ ہے کہ وہ اجتماعی زندگی کی نشو ونما میں معاونت کرے۔ جس فن میں نہ زندگی کی کارفرمائی نظر آئے اور نہ فنکار کی خودی کی وہ اقبال کے نزدیک بے کار اور رجعت پسند فن ہے۔ اقبال سارے فنونِ لطیفہ کو زندگی اور خودی کے تابع قرار دیتے ہیں۔ رابعہ سرفروز لکھتی ہے:

> ''زندگی سے اقبال کی مراد قوم کی اجتماعی اور عمرانی زندگی ہے اقبال نے اپنی ایک نظم میں قوم کو ایک جسم قرار دیتے ہوئے افراد کو اس کے مختلف اعضاء سے تشبیہ دی ہے۔ ان اعضاء میں شاعر کی حیثیت قوم کی دیدۂ بینا کی ہے۔'' (۳۳)

علامہ اقبال فن برائے زندگی کے قائل تھے۔ جس زمانے میں چاروں طرف فن برائے فن کے نعرے بلند ہو رہے تھے انہوں نے فن برائے زندگی کے نظریہ کی بھرپور حمایت کی اور لوگوں کو بتایا کہ جو فن زندگی کی خصوصیات سے عاری ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ بحیثیت مجموعی علامہ اقبال اُردو کے پہلے ایسے شاعر ہیں جنہوں نے اپنے افکار میں فن کا نہ صرف یہ کہ ایک مربوط تصور پیش کیا بلکہ خود اُس کا عملی نمونہ بھی فراہم کیا۔ جو مہارت، ریاضت اور ضربِ کلیمی کی اُن اعلیٰ صفات سے مرتب ہوتا ہے جو ہر دور میں اعلیٰ اور ارفع شاعری کی بنیاد رہی ہیں۔

اقبال کا نظریۂ فن ایک غیر معمولی تازگی کا حامل ہے۔ یہ نظریہ ابتداء سے انتہاء تک مثبت انداز میں منظرِ عام پر آتا ہے۔ کلاسیکی روایت سے اکتساب کے باوجود اقبال نے اپنے نظریات کے لیے جدت کی جو راہ منتخب کی ہے وہ ان کے نقطۂ نظر کو زیادہ بھرپور اور واضح انداز میں پیش کرتی ہے۔ اقبال کے نظریہ؟ فن کے حوالے سے اس بحث کو ان کے درج ذیل اشعار پر سمیٹنا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

رنگ ہو یا خشت وسنگ چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزہ فن کی ہے خُونِ جگر سے نمود (۳۴)
قطرہ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
خون ِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود (۳۵)

مصنفہ کے نزدیک اقبال فن کو زندگی کا معاون سمجھتے ہیں اور اس کو افادیت کی کسوٹی پر کھتیہیں۔ اقبال ایسے فن کے شدید مخالف ہیں جس سے قوم پر مردنی چھا جائے اور جو اس کے قوائے عمل کو مضحل کر دے۔ اس لحاظ سے اقبال کے نظریہ فن میں افادیت اور مقصدیت کو ہے۔۔۔۔ بہت اہمیّت حاصل

’’علامہ اقبال اور تحریک آزادی فلسطین‘‘ مصنفہ: فریدہ الٰہی

فریدہ الٰہی کی کتاب ’’علامہ اقبال اور تحریکِ آزادی فلسطین‘‘ جاوداں پبلی کیشنز، اسلام آباد سے مارچ ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی۔ علامہ اقبال نے فلسطینی مسلمانوں کے سیاسی اور تہذیبی مصائب کے محرکات وعوامل پر بڑی دلسوزی کے ساتھ غور وفکر کیا تھا اور اس غور وفکر کے نتائج کو بڑی جرآت کے ساتھ اپنی شاعری اور اپنی سیاسی تحریروں میں بیان کیا تھا۔ اقبال کے فکر وعمل کا یہ گوشہ ابھی تک ہماری تحقیق وتنقید کا ایک فراموش شدہ باب چلا آرہا تھا۔ محترمہ فریدہ الٰہی نے ’’اقبال اور تحریکِ آزادءِ فلسطین‘‘ کو اپنے ماسٹر آف فلاسفی کے مقالے کا موضوع بنا کر اقبال شناسوں کو اس غفلت کی بڑی عمدگی کے ساتھ تلافی کر دی ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ فریدہ الٰہی نے پانچ ابواب پر مشتمل اس تحقیقی مقالے کو ایک فکر انگیز کتاب کی صورت بخش دی ہے۔ باب اول: تحریک آزادی فلسطین کا پس منظر، باب دوم: اقبال کی شاعری اور مسئلہ فلسطین، باب سوئم: اقبال کی نثر اور مسئلہ فلسطین، باب چہارم: ملی وحدت اور اجتماعی ہستی کی حفاظت وبقاء اقبال کے نظریات اور ان کا فلسطینیوں کا جماعتی وحدت اور سلامتی کے ساتھ تعلّق اور باب پنجم: فلسطین کی موجودہ صورتحال اور اقبال کے نظریات پر مشتمل ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں تحریکِ آزادی فلسطین کا پس منظر بڑی خوبی اور انتہائی دقتِ نظر کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بالترتیب اقبال کی شاعری میں مسئلہ فلسطین اور اقبال کی نثر میں مسئلہ فلسطین کی ترجمانی کی تحسین بڑی عمدگی کے ساتھ کی گئی ہے۔ کتاب کے چوتھے باب میں ملتِ اسلامیہ کی بیداری اور اتحاد سے متعلّق اقبال کے افکار کی روشنی میں فلسطین کی تحریکِ آزادی کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کے آخری باب میں فلسطین کی موجودہ صورتِ حال کو اقبال کے نظریہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ مسئلہ فلسطین چونکہ اقبال کے دور میں ابھرا۔ ۱۹۱۷ء میں اعلان بالفور کے بعد یہ کشمکش موجودہ دور تک جاری رہی ہے۔ اقبال نے نہ صرف اس دکھ کو محسوس کیا بلکہ نظم ونثر میں بہترین طریقے سے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور اس میں مضمر نقصان دہ اثرات کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ علاج بھی تجویز کیا لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس پر عمل نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ دن بدن گھمبیر صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ اقبال کے پیش نظر ملتِ اسلامیہ کی فلاح وبہبود تھی۔ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے مسائل کے ساتھ ساتھ امتِ مسلمہ کے مسائل پر سوچا اور قلم اٹھایا اور ان کا حل اس پسِ منظر میں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اقبال کے خیال میں یہ مسئلہ یہودیوں کے لیے وطن کی تلاش ہرگز نہیں تھا۔

بلکہ اصل میں یہ مغرب کے دروازے پر مغربی سامراج کے فوجی اڈے کی تعمیر کا تھا۔ وہ اسے عالمِ اسلام کے قلب میں ایک ناسور سے تعبیر کرتے تھے۔ اقبال نے اپنے آپ کو دنیائے اسلام کے معاملات و مسائل سے کبھی الگ تصور نہیں کیا۔ وہ یہودی آبادکاری، برطانیہ کی ریشہ دوانی اور فلسطینی سرزمین پر غاصبانہ قبضے اور بالآخر یہودی ریاست کے قیام کے واقعات کی طرف نہ صرف دنیائے اسلام کو متوجہ کرنا چاہتے تھے بلکہ انہوں نے اپنا شدید ردِعمل بھی ظاہر کیا۔ اقبال کا یہ ردِعمل اپنی اہمیّت و افادیت اور فکری و نظریاتی ثروت خیزی کے اعتبار سے آج بھی موجودہ صورت حال سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر تحقیق کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ڈاکٹر پروفیسر شاہد اقبال کامران فریدہ الٰہی کی کتاب ''اقبال اور تحریک آزادی فلسطین'' کے حوالے سے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''علامہ اقبال اور تحریک آزادی فلسطین'' کا ایک سرا تاریخ سے جڑا ہوا ہے تو دوسرا حال کی مشکلات کی تعبیر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ ایک تازہ کتاب ہے اور اس کا بنیادی مطمحِ نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلسطین اور تحریک آزادی فلسطین کو صحیح پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کا آغاز کیا جائے۔ یہ کتاب فلسطین اور تحریک آزادی فلسطین کو روشن خیالی کی دھند میں سے نکالنے کی کوشش بھی معلوم ہوتی ہے۔'' (۳۶)

فریدہ الٰہی کے مطابق تحریک آزادی فلسطین آج بھی اسی جذبے کے ساتھ جاری و ساری ہے جیسا کہ اقبال کے زمانے میں موجود تھی۔ تمام مسلمان اگرچہ جسمانی طور پر ان مجاہدین کے ساتھ نہیں ہیں لیکن ان کے دل کی وہی صدا ہے جو تحریک آزادی فلسطین کے مجاہدین کی ہے۔ مسئلہ کشمیر کی مسئلہ فلسطین کے ساتھ گہری مماثلت ہے۔ دنیا کی بالادست قوتوں اور ان کی آلہ کار اقوامِ متحدہ کا طرزِ عمل کشمیر کے ساتھ بھی وہی ہے جو فلسطین کے ساتھ۔ اقبال نے کشمیر اور فلسطین ہر دور کے مصائب و مشکلات پر اپنی نظم و نثر میں بڑی انقلابی باتیں کی ہیں۔ پروفیسر فتح محمد ملک ''اقبال اور تحریک آزادی فلسطین'' کے متعلّق کہتے ہیں:

> ''محترمہ فریدہ الٰہی نے بڑی محنت اور محبت کے ساتھ اپنے موضوع سے انصاف کرتے ہوئے تحریکِ آزادیٔ فلسطین میں اقبال کی فنی، فکری، تہذیبی اور سیاسی خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر میں ان کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ تحقیق و تنقید کی وادی میں انہوں نے جس سفر کا آغاز کیا ہے اسے وہ تکمیل تک پہنچانے میں کوشاں رہیں گی۔'' (۳۷)

فریدہ الٰہی نے یہ مقالہ لکھنے کی ادنیٰ کوشش کی ہے اور اسے کتاب کی شکل میں پیش کیا ہے تاکہ آنے والے محققین اس مواد کی روشنی میں تحقیق کی نئی راہیں تلاش کر سکیں اور منزل کی جانب ان کا سفر آسان ہو جائے۔

’’اقبال کی باتیں‘‘ مصنفہ: فرزانہ یاسمین

فرزانہ یاسمین کی کتاب ’’اقبال کی باتیں‘‘ مکتبہ عالیہ، لاہور سے ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔علامہ اقبال بہت بڑے قومی رہنما، بہت بڑے شاعر اور بہت بڑے فلسفی تھے۔کم شخصیتیں ہوں گی جو اعلیٰ اوصاف اور فکر و فہم میں ان کی ہمسری کر سکیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے فلسفہ، شاعری اور قومی خدمات پر اتنا کچھ لکھا گیا ہے۔جس کی مثال کم ملے گی۔۔۔لیکن اس وافر ذخیرہ میں اگر جیتے جاگتے، ہنستے بولتے اور جذبات و محسوسات کے حامل اقبال کو تلاش کیا جائے تو اس کا ملنا مشکل ہوگا۔اقبال، جیسا کہ ان کے معاصرین کے بیانات، ان ملفوظات و مکاتیب اور ان کی نثری تحریروں سے اجاگر ہوتا ہے، ایک جیتی جاگتی شخصیت تھی۔وہ بے حد دل نشیں اور مجلسی زندگی رکھتے تھے انہوں نے ایک اخلاق، زرخیز اور نکتہ رس ذہن پایا تھا۔ان میں خوش طبعی، ظرافت اور نکتہ رسی کے اوصاف کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ان کی زندگی اگر سوز و ساز سے عبارت تھی۔تو ہنسی، دل لگی، خوش مزاجی اور لطیفہ گوئی بھی ان سے کچھ دور نہ تھی۔

زیر نظر چھوٹی سی کتاب میں اس اقبال کو پیش کیا گیا ہے جو ہنستا بولتا اور بے تکلفانہ فقرہ بازی کرتا نظر آتا ہے۔وہ جو دوستوں کے درمیان بے تکلف دوست ہے اور عالموں کی محفل میں ادب و شعر کی زندہ اور بہار آفریں معانی و نکات پیش کرنے والا، مولانا گرامی، اکبر آلہ آبادی اور شہاب الدین جیسے بلند پایہ انسانوں کا بے تکلف دوست ہے جس کی گفتگو اور مکالموں سے زندگی کی جولانیاں ٹپکتی ہیں اور جو حسرت و یاس کا پروردہ ہے۔خوش طبعی و ظرافت کا نمائندہ ہے۔فرزانہ یاسمین نے اپنی کتاب ’’اقبال کی باتیں‘‘ میں ایک حسین خواب، اقبال دیر سے آیا کرتا ہے، اُستاد کا احترام، تیرا احسان بہت بھاری ہے، التجائے مسافر، مرزا غالب کو بوسہ، فرائض سے انہماک، اور شیطان کے نمائندے، یہودی ذہنیت، پادری اس کا ناکام مشن، ہر تیسرے دن، زلزلے کے وقت سکون، علی بخش کی قدر، ناراضگی کی صرف ایک بار، رحیم بخش کی سادگی، مغربی لباس سے بیزاری، خطاب قبول کرنے کی شرط، بے نیازی، انکساری، سات سال بعد قرطبہ میں نماز، ابلیس کا قائم مقام، قصابوں کی برات، چھوٹے میاں کے لیے ایک شعر، دل کی شیطانیاں، دعاؤں کے سہارے، الہٰ آباد کا لنگڑا، سکندری قلندری، جرنیلی شیطان، پردہ لڑکیوں کے لیے، ملت بیضا، دیو محل، ظاہر و باطن، زمین آسمان، شرعی وراثت اور قانون اور روحانی روزی وغیرہ جیسی باتوں کا مختصراً ذکر کیا ہے۔فرزانہ یاسمین رقم طراز ہیں:

’’میں نے اقبال سے وابستہ تمام زندہ واقعات ملفوظات کو اس کتاب میں جمع کر کے نئی نسل کے سامنے اقبال کے

زندہ نقوش اجاگر کرنیکی سعی کی ہے۔اس کتاب کا انتساب قوم کے بچوں کے نام کرتے اور انہیں اقبال کی نسبت سے ''سرمایہ بہار'' کہتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ یہ ''سرمایہ بہار'' ملت کے تمام بچوں کے لیے ہے۔خدا کرے کہ وہ اس سے کردار و عمل اور فکر و شعور کی وہ تابانیاں، وہ نقوش پا سکیں جو خدائے تعالیٰ نے اقبال کو ودیعت کی تھیں۔اگر اقبال کی زندگی کا ایک عکس،ایک پرتو بھی اس کتاب کی بدولت پاکستانی بچوں کی زندگی میں در آیا تو میں فخر محسوس کرسکوں گی کہ میری یہ سعی ناکام نہیں گئی۔'' (۳۸)

اقبال کو بچوں کی تعلیم و تربیت سے خصوصی دلچسپی تھی جس کا مظہر ان کا مضمون بعنوان بچوں کی تعلیم و تربیت ہے جس میں انہوں نے بچوں کی نفسیات کے تحت ان کی تربیت کیسے کی جائے اس سلسلے میں گیارہ امور کو ضروری قرار دے کر ان سے بحث کی ہے۔

''اقبال اور نذر الاسلام'' مصنفہ: اُم سلمیٰ

اُم سلمی کی کتاب ''اقبال اور نذر الاسلام'' اقبال اکادمی پاکستان سے ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔علامہ اقبال اور قاضی نذر الاسلام دونوں عظیم شاعر ہیں۔دونوں اپنے اپنے ملک کے قومی شاعر ہیں۔علامہ اقبال پاکستان کے قومی شاعر ہیں اور نذر الاسلام بنگلہ دیش کے۔دونوں ملکوں نے غیر ملکی استعمار کے خلاف جنگ لڑی اور حصولِ آزادی کے بعد کچھ عرصہ ایک وطن کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔علامہ اقبال اور قاضی نذر الاسلام میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔نذر الاسلام بھی اقبال کی مانند سیاست دان،شاعر اور سماجی خدمت گزار تھے۔اقبال اور نذر الاسلام دونوں اشتراکیت کے قائل اور سرمایہ دارانہ نظام سے بیزار تھے لیکن اقبال کی اشتراکیت ہو یا سرمایہ داری وہ ہر چیز کو اسلامی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ان کو اسلام سے بہتر اور کوئی نظام نظر نہیں آتا تھا۔ان کا فرمانا ہے کہ اسلام اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں میں اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے۔لیکن نذر الاسلام پورے سماج کی تعمیر مکمل طور پر اشتراکی نظام پر تعمیر کرنے کے قائل تھے۔اس لیے وہ ہندو ہو یا مسلمان،تمام کسانوں،مزدوروں،نوجوانوں کو انقلاب کی دعوت دیتے ہیں۔اقبال اور نذر الاسلام دونوں نے بے عمل اور نام نہاد ملاؤں اور پنڈتوں پر سخت تنقید کی ہے۔اقبال کا کہنا ہے:

''مولوی صاحبان میں اگر بحث چھڑ جائے تو ایسی چھڑ جاتی ہے کہ جوتیوں میں دال بٹتی ہے کہ خدا کی پناہ۔'' (۳۹)

اور نذر الالسلام کا فرمانا ہے:

''دل میں جہاں کا درد پیدا کرو،انسانیت سے پیار کرو۔'' (۴۰)

اقبال اور نذر الاسلام دونوں اپنے دور کے مجاہد،نقیب آزادی اور قوم کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے والے تھے۔دونوں نے مسلمانوں کی آزادی کے خواب دیکھے۔دونوں کے خواب شرمندہ تعبیر ہوئے اور آزاد وطن

حاصل ہوا۔ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری نے نذرالاسلام کی چند نظموں کا ترجمہ اقبال کو دکھایا تو بقول اختر حسین رائے پوری وہ (اقبال) بہت خوش ہوئے اور ہم سے دیر تک نذرالسلام کا ذکر کرتے رہے۔انہوں نے یہ بھی فرمائش کی کہ انہیں کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔افسوس کہ اقبال آج ہم میں نہیں۔وہ نذرالاسلام کے خیالات کے سخت مخالف تھے لیکن ان کے شاعرانہ کمال کے بڑے معترف تھے۔سلیم اللہ فہمی لکھتے ہیں ''یاد اقبال'' کے مولف غلام سرور کو علامہ اقبال کی خدمت میں اکثر و بیشتر حاضر رہنے کا شرف حاصل تھا۔فگار کو نذر الاسلام کے ترجموں سے جوان دنوں ساقی اور دیگر رسالوں میں شائع ہو رہے تھے بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ایک دن فگار نے علامہ اقبال کو نذرالاسلام کی نظم ''نوجوان سے خطاب'' کے شائع شدہ ترجمے کا ایک حصّہ سنایا۔اقبال بہت متاثر ہوئے اور ان کی زبان سے یہ جملہ بے اختیار نکل آیا:اس نظم کے زور بیان اور جوش آفرین معانی نے نہ جانے بنگالہ کے نوجوانوں کے جذبات اور احساسات کی دنیا میں کس حد تک زندگی کی روح پھونک دی ہوگی۔

اُم سلمیٰ نے علامہ اقبال اور قاضی نذرالاسلام دونوں شاعروں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا اور بے مثال کتاب ''اقبال اور نذرالاسلام'' لکھی۔اُم سلمیٰ نے اس کتاب میں دو عظیم اور انقلابی شاعروں میں مماثلتیں اور مشابہتیں تلاش کرنے کی جسارت کی ہے اور اس مقصد کے لیے مختلف موضوعات کے تحت ان کے اپنے اپنے نظریات کے مطابق اشعار جمع کیے ہیں اور مستند دانشوروں اور نقادوں کے تبصروں سے فائدہ بھی اٹھایا ہے۔اُم سلمیٰ کو یقین ہے کہ یہ کتاب قارئین اقبال کے لیے مفید ثابت ہوگی۔اور بنگلہ دیش اور پاکستان کے درمیان جو رشتہ اخوت پہلے سے موجود ہے،اُسے مزید پختہ کرنے میں میرا یہ کام معاون ثابت ہوگا۔

''علامہ اقبال اور شیخ عبدالماجد (قادیانی)'' (عقائد و افکار)

-محاکمہ-مصنفہ: ڈاکٹر ارشد خانم

ڈاکٹر ارشد خانم کا تحقیقی مقالہ ''علامہ اقبال اور شیخ عبدالماجد (قادیانی)'' ۲۰۱۰ء میں بیکن بکس،لاہور سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔چھ ابواب پر مشتمل کتاب کی تفصیل درج ذیل ہے۔باب اول: مرزا غلام احمد اور تحریکِ احمدیہ،مرزا غلام احمد مبلغ اسلام سے نبوت تک،اقبال کا تصورِ نبوت،تصورِ ختمِ نبوت اور وحدت امت مسلمہ باب دوم: آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام اور تحریک آزادی،آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور جماعت احمدیہ کا طرزِ عمل،آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور اقبال کا طرزِ عمل باب سوم: علامہ اقبال اور انگریز حکمران،مرزا غلام احمد اور انگریز حکمران،انگریزی حکومت سے جماعت احمدیہ کی وفاداری باب چہارم: تحریک آزادی ہند اور اقبال کا کردار،تحریک آزادی ہند اور

جماعت احمدیہ، قائداعظم محمد علی جناح اور اقبال باب پنجم: اسلام کا تصور جہاد، مرزا غلام احمد کا انگریز حکمرانوں کے خلاف جہاد کا تصور، اقبال کا انگریز حکمرانوں کے خلاف جہاد کا تصور اور آخری باب میں: اقبال اور احمدیت، مرزا غلام احمد کی بیعت اور اقبال، آفتاب اقبال کی قادیان میں تعلیم و تربیت اور تحریک احمدیت سے اقبال کے اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے۔

''ہونہار بردے کے چکنے چکنے پات'' کے مصداق اپنے والد کے مشوروں سے فیض یاب ہو کر حقائق کو مسخ کرنے اور علامہ اقبال کی ذات پر کیچڑ اچھالنے میں ''اوج کمال'' کو پہنچے۔ شیخ عبدالماجد کا تعلّق احمدیہ فرقہ سے ہے۔ ارشد خانم لکھتی ہیں بقول ان کے والد شیخ عبدالماجد (سابق سوداگرمل):

> ''ہندوؤں اور سکھوں میں سے جن لوگوں نے احمدیوں کی تبلیغ سے حق قبول کرنے کی سعادت پائی، ان میں سے 15 سال سوداگرمل بھی تھا، جو ۱۹۲۴ء میں قادیان پہنچا، کلمہ طیبہ پڑھا اور پھر شیخ عبدالقادر کے نام سے عمر بھر اصلاح وارشاد اور نشر و اشاعت کے ذریعہ خدمتِ دین کرتا رہا۔''(۴۱) (فکرِ اقبال اور تحریک احمدیہ، ص۳۰۰)

شیخ عبدالماجد کی دو کتابیں ''اقبال اور احمدیت'' اپریل ۱۹۹۱ء ''فکرِ اقبال اور تحریکِ احمدیہ'' ستمبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئیں۔ اپنی دونوں تصانیف میں شیخ عبدلماجد نے تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر کچھ اس طرح سے پیش کیا کہ مداحین اقبال کو ایک بار پھر میدان میں آنا پڑا۔ اقبال اکیڈمی کے نامور محقق، نقاد اور ڈائریکٹر ڈاکٹر وحید عشرت صاحب کی طویل عرصہ تک شیخ عبدالماجد کے ساتھ قلمی جنگ رہی۔ گورنمنٹ کالج بوس روڈ کے ریٹائرڈ لائبریرین محترم عبدالمجید خان ساجد نے ''ختم نبوت اور عقیدہ اقبال'' لکھ کر شیخ عبدالماجد کے الزامات کا بھرپور انداز میں جواب دیا۔ ڈاکٹر ارشد خانم کے مطابق:

> ''شیخ عبدالماجد کی طرف سے عائد کردہ الزمات کی تردید سے پہلے میں نے ضروری سمجھا کہ تحریکِ احمدیہ اور بانی تحریک احمدیہ کا تاریخی پس منظر بیان کیا جائے تا کہ اس کی روشنی میں قاری کو حقائق تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ پہلا باب مراز غلام احمد کے حالاتِ زندگی اور تحریک احمدیہ کے تعارف پر مشتمل ہے۔ باقی پانچ ابواب میں ان حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے مرزا غلام احمد کے عائد کردہ الزامات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اقبال کی شاعری، نثری تحریروں، تقریروں اور بیانات کی روشنی میں اقبال کے عقائد وافکار کے بارے میں نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔''(۴۲)

۱۹۳۴ء میں پروفیسر الیاس برنی کی کتاب ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' چھپ کر منظر عام پر آئی تو اس کے مطالعے نے اقبال کو تحریک احمدیہ کے مفادات، معتقدات اور اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا۔ اس آگہی کے بعد ۱۹۳۵ء سے اقبال نے بڑی شد و مد کے ساتھ اس تحریک کی مخالفت شروع کردی۔ وہ فرماتے ہیں میرے نزدیک بہائیت قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے، کیوں کہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے، لیکن موخر الذکر اسلام کی

چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی ہے، مگر باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے انتہائی مہلک ہے۔(علامہ اقبال کا پہلا بیان)

یہ تھے اقبال کے وہ عقائد و افکار، جن کے تناظر میں حقائق کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ڈاکٹر ارشد خانم کہتی ہیں کہ میری اس پُر خلوص کوشش میں میرے استاد اور مشفق گائیڈ ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین صاحب نے میری بھرپور معاونت فرمائی۔میں تہہ دل سے اُن کی مشکور ہوں۔ڈاکٹر ارشد خانم کی اس تصنیف نے قارئین اقبال کی معلومات میں نہ صرف اضافہ کیا بلکہ اقبال پر لگائے جانے والے الزامات کا جواب بھی پیش کیا۔ڈاکٹر ارشد خانم کی تصنیف ''علامہ محمد اقبال اور شیخ عبدالماجد (قادیانی)'' اقبالیات کے ضمن میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔

''محسناتِ شعر اقبال'' (شعرِ اقبال میں علم بیان اور علم بدیع کے محاسن)

مصنفہ: ڈاکٹر بصیرہ عنبرین

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین کا تحقیقی مقالہ ''محسنات شعر اقبال (شعرِ اقبال میں علم بیان اور علم بدیع کے محاسن)'' بزم اقبال، لاہور سے ۲۰۱۰ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔پیشِ نظر کتاب محسنات شعر اقبال (شعر اقبال میں علم بیان اور علم بدیع کے محاسن) اسی تشنگی کو محسوس کرتے ہوئے ذخیرۂ اقبالیات میں شامل کی جارہی ہے۔ یہ ڈاکٹر بصیرہ عنبرین کے پی ایچ۔ڈی کے مقالے: اقبال کی اُردو شاعری: فنی محاسن کا تحقیقی و لسانی مطالعہ کا ابتدائی نصف حصّہ ہے جس میں تحسین شعری کے مشرقی و کلاسیکی مباحث اور محاسن کی روشنی میں شعرِ اقبال کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔اس حصّے میں کل سات اجزا پیش ہیں اور یہ مشرقی شعریات کے علوم بیان و بدیع سے متعلّق بنیادی محاسن کی رو سے اقبال کی شاعری کا مرتبہ متعین کرتے ہیں۔

علومِ شعری میں بیان و بدیع کی اہمیّت سے انکار نہیں۔ یہ علوم کلاسیکی شاعری کو قوی بنیادیں فراہم کرتے ہیں وہاں شعرِ نو میں بھی ان کی وساطت سے سبکِ تازہ کی تلاش وجستجو جاری وساری ہے۔مجاز اور محسّنات کے پیرایوں نے ہمیشہ سے شعرا کو اپنا اسیر کیے رکھا ہے اور بڑے بڑے فن کار بیان و بدیع کی سحر کاریوں سے استفادہ کرتے رہے۔اردو شاعری میں میر وسودا، انشا و مصحفی، نسیم و آتش اور ذوق، میر حسن و مرزا شوق، نظیر وانیس، غالب و مومن اور امیر داغ جیسے ممتاز شعرا ان علوم سے وابستہ محاسن شعری کو کمال بلاغت کے ساتھ برتتے آئے ہیں۔۔۔۔پھر بیسویں صدی میں کلامِ اقبال نے کلاسک وجدت کے ایک عجیب وغریب مرقعے کی صورت میں ڈھل کر نمایاں طور

پر ان شعری علوم پر ماہرانہ گرفت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ شاعرِ بے مثال فارسی اور اردو کی کلاسکی شعری روایت سے انجذاب واکتساب کرتا ہوا اپنی انفرادی صلاحیت کی نمود میں کہیں آگے نکل گیا ہے۔۔۔۔اقبال نے علم بیان اور علم بدیع کی شعری خوبیوں کو ان کے متعین دائروں اور حدود وقیود سے بالاتر کر دیا ہے اور یوں متاحرین کے لیے خاصی تازہ اور کشادہ راہیں کھول دی ہیں۔۔۔ان کے ہاں محسنات واسالیب شعر اور لفظیات وتر کیبات کے بے شمار خزینے موجود ہیں جو شعرائے نو کے لیے خاصی کشش رکھتے ہیں۔

کلام اقبال کے اسالیب اور بیان و بدیع کے محاسن پر چھوٹے بڑے چند کام ہی ہوئے ہیں، لیکن ایک تخصیصی مطالعہ، جو بیان و بدیع کے تمام متعلقہ موضوعات اور مباحث کا احاطہ کرتا ہو، پھر تنقید، تحقیق اور تجزیاتی عمل کے ذریعے ان محاسن کے تعیّن کی کوئی جامع کوشش بھی ایسی نہیں جیسی اب اس زیر تصنیف میں دیکھی جا سکتی ہے۔بصیرہ عنبرین کو شعری محاسن، صنائع بدائع اور پھر فارسی اور پھر اردو شاعری کی طویل تر روایات سے خاصی واقفیت ہے، جس کا ثبوت ان کی سابقہ تصانیف اور مقالات میں موجود ہے۔ان کی زیر نظر تصنیف اپنے موضوع پر اب ایک مستقل کام بلکہ ایک ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔مصنفہ نے اپنے اس کام میں علم بیان اور علم بدیع کے بنیادی مباحث کی روشنی میں اقبال کے شعری محاسن کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔اور اس مطالعے کے دوران محض بیان و بدیع کے عناصر کی جمع آوری تک ہی اپنے کام کو محدود نہیں رکھا بلکہ ان محاسن کے لسانی اور فنی اجزا کے استخراج کو اپنے مطالعے کا جزوِ لازمی بھی بنا دیا ہے۔اس اعتبار سے ان کا یہ کام اپنی نوعیت اور اپنے معیار کے لحاظ سے ایک ایسی کوشش سے متصف ہے جس کی کوئی اور مثال کم از کم نہیں ملتی۔ڈاکٹر بصیرہ کا یہ مثالی کام محض ایک سرسری مطالعہ نہیں بلکہ اس موضوع کے تعلّق سے مطالعے کی وسعت اور تنقید و تجزیہ کی گہرائی و گیرائی اور پھر موضوع کے فنی مباحث کا جامع طور پر احاطہ بھی کرتا ہے۔اپنے اس مطالعے کے ضمن میں متعلقہ تمام اہم ناگزیر مآخذ ان کے پیش نظر رہے اور ان مآخذ اور معاون کتب سے انہوں نے بھر پور استفادہ بھی کیا ہے اور پھر اقبال کے اردو کلام کو، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ، لفظاً لفظاً ڈاکٹر بصیرہ نے اپنے استخراج نتائج کے لیے پیش نظر رکھا ہے۔ڈاکٹر بصیرہ نے اپنے اس مطالعے کے ضمن میں محض فارسی محاسن کا تعیّن ہی نہیں کیا بلکہ تلازمات کو بھی اخذ کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کی بھی ایک جامع کوشش کی ہے۔ڈاکٹر بصیرہ کا یہ کام ایک ایسی انفرادیت کا حامل ہے جس کی کوئی اس جیسی جامع اور مبسوط نظیر ملنا مشکل ہے۔ڈاکٹر بصیرہ عنبرین کی کتاب ''محسنات شعر اقبال'' کا تعارف پیش کرتے ہوئے محمد اکرام چغتائی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر بصیرہ عنبرین صاحبہ کی زیر نظر تنقیدی کاوش محسّنات شعر اقبال یقیناً اقبالیات میں گراں بہا اضافہ ہے اور اس

بات کا بین ثبوت ہے کہ راستے کی کٹھنائیاں اپنی جگہ، اگر ہمت ''مرداں'' کے ساتھ مددِ خدا بھی شامل ہو تو کشتیِ مراد آسودۂ منزل ہو جاتی ہے۔ اقبال پر تحقیقی معیار اور جامعیت کے اعتبار سے یہ ان کی تیسر کتاب ہے۔ یہ رسمِ دنیا یا دستورِ زمانہ سہی، پھر بھی انہیں اس تصنیف کی اشاعت پر مبارک باد اور ہدیہ تبرک پیش کرتا ہوں۔'' (۴۳)

ڈاکٹر معین الدین عقیل ڈاکٹر بصیرہ عنبرین کی کتاب ''محسنات شعر اقبال'' کے حوالے سے کہتے ہیں اقبال پر مختلف فکری اور فنی حوالوں سے متنوع کام ہوئے ہیں اور معیاری کاموں کی بھی کوئی کمی نہیں، لیکن ایسے مثالی کاموں میں، جو یادگار بھی رہیں گے، یقین ہے کہ بصیرہ عنبرین کی یہ تصنیف بھی ان میں شامل رہے گی۔ گویا اقبال پر ہونے والے مثالی اور یادگار کاموں میں ان کے زیرِ نظر کام کو فراموش نہ کیا جا سکے گا۔ اقبالیات کی دنیا بصیرہ کی آمد اور ان کے کیے ہوئے کام خوش آیند ہیں اور ایسے مزید بہتر اور بلند تر امکانات کی نوید بھی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر بصیرہ اپنے مطالعے کے لیے ایسے موضوعات کا انتخاب کرتی ہیں کہ جنہیں بالعموم چھونے سے بھی لوگ احتراز کرتے ہیں۔ تضمین اور پھر اقبال کی رباعی اور دوبیتی کے حوالے سے بہت کم ہی کچھ کسی نے لکھا ہے یا اس میدان میں داخل ہونے کی جسارت کی ہے۔ ڈاکٹر بصیرہ نے یہ دونوں میدان سر کیے ہیں اور اقبالیات کے ان اچھوتے موضوعات کو اپنے تحقیقی اور تنقیدی مطالعے کا موضوع بنا کر ایک قابل تحسین اور قابل رشک مثال قائم کی ہے۔ ڈاکٹر بصیرہ کی تصنیف ''محسنات شعر اقبال (شعر اقبال میں علم بیان اور علم بدیع کے محاسن)'' اقبالیاتی ادب میں بے مثال اضافہ ہے اور یقیناً یہ تصنیف اقبالیاتی تنقیدات و تحقیقات اور شعری و فنی مطالعات کی روایت میں نقشِ تازہ ثبت کر سکے گی۔

''ہمارا شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال'' مصنفہ: سیمیں لالیکا

سیمیں لالیکا کی تصنیف ''ہمارا شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال'' دیا پبلی کیشنز، لاہور سے اکتوبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔ اقبال کی شاعری پر بہت سے اساتذہ کرام اور محققین نے بے انتہا عرق ریزی، تحقیق اور جستجو کے بعد، اقبال کی شاعری کے مختلف پہلوؤں کو اپنے اپنے خیالات اور حسن اسلوب نگارش کے ساتھ کئی قابلِ قدر کتب تحریر کی ہیں، پھر بھی جستجو کا عمل جاری ہے اور جستجو کا عمل رک جائے تو زندگی کے سفر میں سست روی پیدا ہونا یقینی ہے۔ سیمیں لالیکا نے بھی اس خیال کے بعد کتاب کا لکھنے کا فیصلہ کیا کہ جستجو مکمل نہ سہی، جستجو تو ہے۔

سیمیں لالیکا نے اپنی کتاب میں اقبال کی زمانہ طالب اور شاعری کا پہلا دور، یورپ میں قیام اور شاعری کا دوسرا دور، وطن واپسی اور شاعری کا تیسرا دور، والدہ مرحومہ کی یاد میں، اسرارِ خودی، انگریز حکومت کی طرف سے سر کا خطاب، اقبال اور فلسفہ زندگی، اقبال اور فلسفہ خودی، بلال، اقبال کا پیغام بچوں اور نوجوانوں کے لیے، مسلم اُمہ کے لیے دعا، مسجدِ قرطبہ، اقبال اور عشق، علامہ اقبال کا عملی سیاسی دور، گول میز کانفرنسیں، علامہ اقبال کی وفات، اشعار کا

مطلب اور مفہُوم اور فرہنگ پیش کی ہے۔

سیمیں لا لیکا کی تصنیف کا ابتدائی حصّہ پرائمری تک کے طالب علموں کے لیے ہے۔اس کے بعد چھٹی سے آٹھویں اور پھر میٹرک یا او لیول کے طالب علم، استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔اپنی بساط کے مطابق، سیمیں لا لیکا نے علامہ کے منطقی اور فلسفیانہ افکار، زندگی، خودی اور سوزِ عشق جیسے موضوعات کی وضاحت کر دی ہے۔اس کے علاوہ علامہ کی بعض نظموں کے چند اشعار لکھ کر، اُن کا پس منظر بیان کر دیا ہے چوں کہ جس پس منظر اور حقیقت کے اعتراف کے طور پر، علامہ اقبال نے نظمیں کہیں ہیں، وہ پس منظر جاننا ضروری ہے کہ طلباء تک ان کا اثر پہنچ سکے۔سیمیں لا لیکا اپنی کتاب کے حوالے سے رقم طراز ہیں: ''ممکن حد تک، لفظوں کو اعراب سے آراستہ کر دیا گیا ہے تا کہ اس کتاب کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھا جا سکے(۴۴)

علامہ محمد اقبال پر سیمیں لا لیکا کی یہ تخلیق قابلِ رشک اور ہے ان کی مثالی ہمت وحوصلے اور لیاقت واستعداد کو ہمارے سامنے نمایاں کرتی ہے۔

''کلام اقبال میں انبیاء کرام کا تذکرہ'' مصنفہ: زیب النساء سرویا

زیب النساء سرویا کی کتاب ''کلام اقبال میں انبیاء کرام کا تذکرہ'' محمد سہیل عمر، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۱۶۴ صفحات اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ''وحی ونبوت فکرِ اقبال کے ماخذ کی حیثیت سے'' شامل ہے۔ دوسرے باب میں الف: ''اقبال کا شعور ولایت، شعور نبوت اور شعور ختم نبوت'' ب: ''مقصود نبوت و رسالت محمدی ﷺ '' کا ذکر کیا گیا ہے۔تیسرا باب انبیاء کرامؑ اقبال کی نظر میں حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت داوُدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمدؐ کا ذکر پیش کیا گیا ہے۔باب چہارم: ''اقبال کی فکر پر انبیائے عظامؑ کے اثرات'' پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی پرورش ایک دینی ماحول میں ہوئی۔ پاک سیرت ماں، درویش صفت باپ، اور علم و آگہی کا خزینہ سید میر حسن کی صورت ان کی پرورش میں مہتاب کی طرح چلتا رہا۔خالصتاً مذہبی سائبان تلے وقت گزارنے والے اقبال کا ذہن فطری طور پر اسلامی رنگ میں نمایاں ہوا۔قرآن پاک کی انہماک سے تلاوت اور تصوف کے گہرے مطالعہ نے انہیں عشق رسول ﷺ کی دولت اور انبیائے کرامؑ سے عقیدت کا جذبہ پیدا کیا۔ان کی نظم ونثر میں یہ تذکرہ جا بجا ملتا ہے۔وہ اولیاء کرام، اللہ کے برگزیدہ ہستیوں اور انبیائے کرامؑ کی جلائی ہوئی روشنی

میں اپنے لیے منزل اور راستہ تلاش کرتے رہے۔ علامہ کی شاعری کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ایسی ہستیوں کو ڈھونڈنا کوئی مشکل نہیں رہتا کیوں کہ علامہ محمد اقبال نے اپنی اردو اور فارسی شاعری براہ راست اور تلمیحات کے ذریعے بھی انبیائے کرامؑ کے واقعات اور ان کی تعلیمات کا ذکر کیا ہے۔ محترمہ زیب النساء سرویا خوش قسمت ہیں جنہوں نے ''کلام اقبال میں انبیائے کرامؑ کا تذکرہ'' کے موضوع پر کتاب مکمل کی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد وہ ان خواتین میں شامل ہو گئیں جنہوں نے اقبال شناسی میں بہت سا کام کیا۔ انہوں نے کمال محنت و لگن سے اس موضوع کو نبھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ زیب النساء سرویا نے اپنی بے پناہ مشکلات اور دشواریوں کا بھی ذکر کیا ہے جن سے گزر کر انہوں نے مذکورہ موضوع پر تحقیقی کام کیا۔ ہمارے ملک میں دہشت گردی اور جرائم پیشہ افراد نے عدم تحفظ کے احساس کو بڑھا دیا ہے۔ محترمہ زیب النساء سرویا کے والد گرامی بھی اسی گردش دوراں کا شکار ہوئے۔ زیب النساء سرویا نے اپنا غم اور احتجاج کتاب کے انتساب میں بیان کر کے ہم سب کو سوچنے پر مجبُور کیا ہے۔ ''والد محترم حبیب اللہ سرویا (شہید) کے نام جنہیں جرائم پیشہ گروہ نے ۲۹ جون ۲۰۰۸ء کو نماز فجر کی ادائیگی سے روک کر ''تاوان'' کے لیے اغوا کیا اور تاوان لینے کے باوجود شہید کر دیا۔

''ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان محمد سہیل عمر خصوصی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کتاب کی طبع دوم کا اہتمام کیا۔ ''کلام اقبال میں انبیاء کرام کا تذکرہ'' ایم فل اقبالیات کا موضوع ہے۔ جو میرے استاد گرامی رحیم بخش شاہین (مرحوم) کے حُسنِ انتخاب کا ثمر ہے۔ اسے حُسنِ اتفاق کہیے کہ میرے ایم فل اقبالیات کے موضوع ''اقبال بحثیت ادبی نقادؔ'' کو ڈاکٹر صدیق شبلی اور ڈاکٹر محمد ریاض نے حتمی طور پر منظور کیا تھا۔ محترمہ زیب النساء سرویا کے مذکورہ موضوع کو بھی ڈاکٹر صدیق شبلی کی منظوری حاصل ہوئی۔ کتاب کے مقدمہ زیب النساء نے لفظوں کو کتاب کا حوالہ دینے کے لیے یوں منتخب کیا ہے:

''علامہ اقبال کے نزدیک یہ انبیائے کرامؑ ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کے احکام، اس کی مرضیات اور عقائد و اعمال کی خاصیات، صحیح اور غلط، بد اور نیک اخلاق کے نتائج کا علم، آخرت میں انجام، ثواب و عذاب اور جنت و جہنّم کی معرفت کے علم کا سرچشمہ ہیں۔ زمانے کے علما و محققین دواؤں کے خواص دریافت کر سکتے ہیں، اشیاء کی طبائع اور ان کی پوشیدہ قوت کے بارے میں معلومات کا قیمتی خزانہ جمع کر سکتے ہیں، لوگوں کو دنیاوی نفع دے سکتے ہیں لیکن دنیا اور آخرت کے متعلّق دینی نفع کے حصول کا وسیلہ انبیائے کرامؑ کی ہستیاں ہیں کیوں کہ اس زندگی کے بعد کے حالات اور اس دنیا میں ہونے والے حشر و نشر، انعام و عذاب، نعمت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے صرف انبیائے کرامؑ کو عطا کیا ہے۔'' (۴۵)

انبیائے کرامؑ کے بارے میں اقبال کی گہری دلچسپی اور ان کی نظم و نثر میں اللہ کے ان پسندیدہ شخصیات کا تذکرہ تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اقبال کے ہاں ان تذکروں سے جو مجموعی تاثر ابھرتا ہے اس

کے بارے میں زیب النساء کی رائے ہے: علامہ نے بتایا ہے کہ عالم اسلام میں شریعت پر عمل میں کوتاہی اطاعات سے غفلت، نفس پر بھاری گزرنے والی اشیاء سے وحشت اور نبی کی سنت کے معاملے میں نئے تعلیم یافتہ طبقے کی غفلت، سب اسی عظمت انبیائے کرامؑ کا حساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے جس پر قرآن نے بہت زور دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں انبیائے کرامؑ بالخصوص رسول پاکؐ سے محبت کے جذبہ میں کمی کو بہت عمل دخل ہے۔ یہ وہی جذبہ ہے جو پہلے اور اب بھی حیرت انگیز قوت کا سرچشمہ رہا ہے اور تاریخ کے عجائبات و معجزات کے لیے مشہور بھی۔ اس جذبہ کی کمی، عقل وعزم اور کسی نظام کی بڑی سے بڑی مقدار سے بھی نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی صرف اور صرف انبیائے کرامؑ کی سیرت و کردار کی اطاعت و پیروی سے ممکن ہے۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے حسن کردار اور کمال سیرت سے تاریخ عالم کا رخ بدلا۔ انسانوں کو جینے کا رنگ ڈھنگ سکھایا۔ کامیاب زندگی بسر کرنے کے لیے ایسے روشن اور دائمی اصول مہیا کیے، جو زمان و مکان کی قید سے آزاد تمام نسل انسانی کے لیے تا قیامت سرچشمہ ہدایت و رہنمائی ہیں۔ علامہ نے نبوت کے اصولوں اور پیغام کو اپنے تخیل کی قوت، جذبات کی شدت، فکر کی رعنائی اور ندرت خیال سے اس طرح لوگوں تک پہنچایا ہے کہ وہ ان کے قلوب میں جاگزیں ہوگیا۔ بقول ملک حسن اختر:

> ''اقبال نے تخیل کی بے پناہ قوت جذبات کی شدت، رعنائی فکر اور ندرتِ خیال سے اپنا پیغام لوگوں تک اس طرح پہنچایا کہ وہ ان کے دلوں میں گھر گیا اور اقبال ایک خشک واعظ اور مصلح کے علاوہ شاعرِ رنگین بھی بن گئے۔ ایسا شاعر جس نے دیدۂ بینائے قوم کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔'' (۴۶)

اقبال نے امت مسلمہ کی تربیت و رہنمائی کی بھرپور کوشش کی۔ انہوں نے سلسلہ نبوت کی نمائندہ ہستیوں (انبیاء کرامؑ) کا ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ ان انبیاء کرامؑ کا سرچشمہ علم ایک ہے۔ مصدر و عرفان ایک ہے۔ منزل و سمت ایک ہے۔ پیغام دعوت اور دستور العمل کی روح ایک ہے۔ اصولی اور بنیادی اختلاف ہرگز نہیں۔ تمام انبیاء کرامؑ کی تعلیمات روحانی و معاشرتی تقاضوں سے بھرپور ہیں۔ اور کارگاہِ حیات میں پیش آئند مشکلات کا حل انبیاء کرامؑ کی بتائی ہوئی تعلیمات کی اطاعت و پیروی میں پوشیدہ ہے۔ ضرورت صدق دل سے عمل کی ہے۔

''فروغ اُردو میں اقبال کی خدمات کا تحقیقی جائزہ''

مصنفہ: ڈاکٹر گلشن طارق

گلشن طارق کی کتاب ''فروغ اُردو میں اقبال کی خدمات کا تحقیقی جائزہ'' ۲۰۱۲ء میں فکشن ہاؤس، لاہور، حیدرآباد، کراچی سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہیں۔ عہد اقبال سے پہلے دور، عہد اقبال میں

اُردو، اقبال کی اُردو تخلیقات نظم و نثر کا مختصر جائزہ، اقبال کا اسلوب نظم و نثر، فروغ اُردو میں اقبال کی خدمات۔ اُردو آج دنیا کی اہم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ اس کے فروغ میں لا تعداد دانشوروں نے حصّہ لیا ہے اردو کی ارتقائی کہانی بڑی طویل ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق اور ان کے رفقاء نے فروغ اُردو زبان کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے کہ جنھوں نے اظہار رائے کے لیے اردو کا انتخاب کیا۔ محترمہ گلشن طارق نے فروغ اردو میں اقبال کی خدمات کا تحقیقی جائزہ مقالہ تحریر کیا۔ بعدازاں یہ مقالہ کتابی صورت میں منظر عام پر آیا۔ دیباچہ اور ابتدائیہ میں اس بات کا تذکرہ موجود نہیں ہے کہ یہ مقالہ اہم اے، ایم فل یا پی ایچ ڈی کس سطح کا ہے؟ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے (۱۲/اگست ۲۰۱۲ء) دیباچہ میں علامہ اقبال اور فروغ اردو کے بارے میں اپنے تاثرات یوں بیان کیے ہیں:

> ''علامہ اقبال کی خدمات زبان اُردو پر متعدد مضامین لکھے گئے خاص طور پر جناب ممتاز حسین نے اس موضوع کے بعد پہلوو؟ں پر بہت اچھی روشنی ڈالی ہے لیکن زیرِنظر مقالیمیں اقبالیات کا یہ موضوع پہلی بار تفصیل سے پیش کیا جارہا ہے۔ گلشن طارق صاحبہ نے زیرِنظر تحقیقی مقالے میں اردو کے فروغ کے لیے اقبال کی خدمات، اقبال کی تخلیقات کے فنی محاسن اور ان کے اسلوب شعر کی خوبیوں کو بہت عمدگی سے اجاگر کیا ہے۔ انھوں نے اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''اُردو میں اقبال کا سرمایہ نظم و نثر اردو کے کسی بھی ادیب اور شاعر سے کم نہیں اور اردو زبان کو علمی، تہذیبی، تخلیقی اور عالمگیر زبان بنانے میں اقبال کا حصّہ تاریخی ہے۔'' (۴۷)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے نظم و نثر میں اردو زبان کی نادر تراکیب اور تلمیحات سے اپنی شاعری کے حُسنِ تخلیق کو لازوال بنایا۔ تشبیہات و استعارات کا وہ انداز اپنایا کہ ان کی شاعری کے منفرد نگینے اردو ادب کو منور کرنے لگے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تحریک پاکستان میں اسلام کے بعد سب سے بڑا نعرہ اردو کے نفاذ کا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انجمن ترقی اردو کے ایک اجلاس میں یہ اعلان کردیا تھا کہ ''پاکستان کی قومی زبان اردو، اردو، اور اردو ہوگی۔'' گلشن طارق کی یہ کتاب تحقیقی انداز میں انفرادیت کی حامل ہے کہ اس میں اقبال کا لسانی شعور واضح انداز میں موجود ہے۔ اردو زبان پر مکمل دسترس کی وجہ سے اقبال کی شاعری کو روشنی کی طرح مقبولیت حاصل ہوئی۔ مختلف تقریبات میں علامہ اقبال نفاذ اردو کی ضرورت پر زور دیتے رہے۔ اردو زبان قیام پاکستان سے پہلے اور پھر قیام پاکستان کے بعد مختلف مراحل سے گزرتی رہی۔ عہد اقبال قیام پاکستان سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا لیکن اقبال نے ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء تک اردو کے لیے جو خدمات انجام دی تھیں اس کے اثرات آزادی کے بعد بھی قائم رہے۔ محترمہ گلشن طارق لکھتی ہیں:

> ''اقبال نے اپنی شاعری کا آغاز اردو زبان سے کیا۔ اقبال کو اردو زبان سے بہت محبت تھی وہ اسے ہندی مسلمانوں

کی زبان سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک اردو زبان کا خمیر عربی ،فارسی اور ترکی زبانوں کے الفاظ سے تیار ہوا تھا۔عربی ،فارسی اور ترکی مسلمانوں تہذیب کی نمائندگی کرتی تھی۔اقبال گاہے بگاہے نجی گفتگو،مضامین اور خطوط میں اردو زبان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے رہے۔اقبال اردو زبان کو بین الاقوامی زبان بنانا چاہتے تھے۔اقبال کی شاعری میں تمام شاعرانہ لوازمات موجود تھے۔ان کی شاعری میں شیرینی،شائستگی،نغمگی اور نزاکت تھی۔''(۴۸)

گلشن طارق صاحبہ نے دیباچہ میں بتایا کہ اقبال کو خود بھی اردو زبان سے محبت اور عقیدت تھی اور اقبال اردو کو بین الاقوامی زبان کے روپ میں دیکھنے کے تمنائی تھے۔انہوں نے اپنی اردو شاعری کے ذریعے اردو کو جس نہج پر پہنچا دیا تھا کہ اردو کو بین الاقوامی سطح پر تقسیم کیا گیا ایک سروے کے مطابق دنیا کی چوتھی بڑی زبان کے طور پر اردو ابھر کر سامنے آئی۔اقبال نے اردو نظم کو نیا جنم دیا اور غزل کو پرانے موضوعات سے نجات دلائی۔اقبال نے شاعری میں نئے موضوعات داخل کیے تو اس کے لیے انہیں نئے ذخیرہ الفاظ کی ضرورت ہوئی۔انہوں نے اس کے لیے نئے الفاظ تلاش کیے۔اس کے لیے انہوں نے عربی اور ترکی سے استفادہ کیا۔پرانے لفظوں کو نئے مفاہیم عطا کیے۔موضوعات کے اعتبار سے نئی نئی تشبیہات بنائیں۔پرانی تشبیہات واستعارات کو نئے انداز میں پیش کیا۔قرآن واحادیث اور تاریخ سے تلمیحات کو شاعری میں لائے۔تلمیحات کو موضوعات کے مطابق انوکھے انداز میں پیش کیا۔نئی نئی تراکیب وضع کیں۔فارسی اور عربی کی تراکیب کا ترجمہ کیا اور اردو شاعری میں لا کر اردو کا حصّہ بنایا۔صنائع بدائع سے کلام کو چار چاند لگائے۔اردو شاعری کے دامن کو نئی نئی علامتوں سے مالا مال کیا۔پرانی علامتوں کو نئے مفاہیم کا لباس پہنایا۔شاعری کے لیے آسان،سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی اس سے ان کے کلام میں روانی اور برجستگی پیدا ہوئی اس مقالہ کی تیاری میں کئی ماہرین اقبالیات کی رہنمائی شامل ہے۔مقالہ کی مکمل تفصیل کے علاوہ گلشن طارق نے اظہار تشکر کے طور پر لکھا ہے میں محترم ڈاکٹر رحیم بخش شاہین اور محترم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی شکر گزار ہوں کہ جن کی مدد سے میں اپنے مقالے کے لیے موضوع کا انتخاب کر سکی۔میں اپنے مقالے کے نگران محترم ڈاکٹر وحید قریشی کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس مقالے کی تکمیل میں ہر طرح سے میری رہنمائی کی۔ان کی علمی وادبی گفتگو سے مجھے مقالے کے موضوع کو سمجھنے میں مدد ملی۔انہوں نے موضوع کی تفہیم اور مقالے کی تکمیل کے لیے اپنا قیمتی وقت مجھے عنایت کیا۔ان اساتذہ کرام کے علاوہ میں بطور خاص محترم وحید عشرت کی مشکور ہوں۔ملک کے نامور دانش وروں کی رہنمائی نے اس مقالہ کو غیر معمولی بنا دیا ہے۔

''بانگ درا (بہ اعتبار زمانہ)'' مصنفہ: عروبہ مسرور صدیقی

عروبہ مسرور صدیقی کی کتاب ''بانگ درا (بہ اعتبار زمانہ)'' جون ۲۰۱۲ء میں سید محمد علی انجم رضوی،اظہار سنز

،لاہور۔اردو بازار لاہور سے شائع ہوئی۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے تحقیقی کام کو حسن پیرہن عطا کرنے کے لیے کئی محققین نے اپنے اپنے انداز میں کام کیا ہے۔اقبال کے ذہنی ارتقاء کو مہ سال کے آئینہ میں ڈھالنے کے لیے جن اقبال شناسوں نے کلام اقبال کو حیات اقبال کے سفر کی صورت پیش کیا ہے ان میں سے چند کتب کا تذکرہ کرنا از بس ضروری ہے۔

ڈاکٹر گیان چندجین ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب و سال (ابتدائی کلام)، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اقبال کی طویل نظم، سید عبدالواحد معینی باقیات اقبال، سید وحیدالدین فقیر روزگار فقیر، جلد اول، سید وحیدالدین فقیر روزگار فقیر، جلد دوم، غلام رسول مہر (مطالب بانگ درا)، عبدالغفار شکیل (نوادر اقبال)، سید مظفر حسین برنی (کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول)، سید مظفر حسین برنی (کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم) کلام اقبال کو ان کی زندگی کے لمحات کے ساتھ مرتب کرنے کا سلسلہ ایک عرصہ جاری ہے۔ممتاز دانشور، شاعر و ادیب، محقق، ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر کی شاگرد رشید محترمہ عروبہ مسرور صدیقی نے ڈاکٹر علامہ اقبال کے شعری مجموعہ ''بانگ درا'' کا کلام بہ اعتبار زمانہ کتابی شکل میں پیش کر دیا ہے۔یہ کام عرق ریزی کا ثمر ہے۔عروبہ نے دیباچہ میں لکھا ہے:

''یہ کتاب ''بانگ درا'' (بہ اعتبار زمانہ) بیسویں صدی کی عظیم مذہبی و روحانی شخصیت اور ممتاز شاعر حضرت علامہ محمد اقبال کے پہلے اردو شعری مجموعے کی توقیت ہے جو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔بنیادی طور پر یہ میرا ایم اے اُردو کا مقالہ ہے جو میں نے ۲۰۰۵ء میں استاد محترم ڈاکٹر زاہد منیر عامر کی زیرنگرانی لکھا تھا۔ایم فل (۲۰۰۷ء) کی تدریس کے دوران استاد ڈاکٹر بصیرہ عنبرین نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ مجھے اس اہم تحقیقی کام کا ایک مضمون کی شکل میں لا کر کسی ریسرچ میگزین میں چھپوا دینا چاہیے۔چنانچہ میں نے مقالے پر نظر ثانی کی تو معلوم ہوا کہ کام اتنا آسان نہیں ہے، مقالہ لکھتے ہوئے، وقت کی کمی کے باعث چند ایک مقامات پر جو کمی رہ گئی تھی اس کو ٹھیک کرنا ضروری تھا یہ گویا نئے سرے سے کام کرنے کے مترادف تھا۔''(۴۹)

عروبہ مسرور لکھتی ہیں کہ تواریخ کے تعیّن کے لیے سب سے مستند مآخذ اقبال کی خطی بیاضیں ہیں رسائل کے ضمن میں سب سے زیادہ اہمیّت رسالہ ''مخزن'' کی ہے کیوں کہ اس میں اقبال کا ابتدائی کلام شائع ہو رہا ہے۔ بانگ درا کی پہلی نظم ''ہمالہ'' بھی اسی رسالے میں شائع ہوئی۔علاوہ ازیں وہ تمام ادبی اور دوسرے رسائل جن میں اقبال کا کلام وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا تھا، میں نے ان سب سے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔مطلوبہ رسائل کے تمام شمارے دستیاب نہیں ہوئے۔بہت سے دستبرد زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں لیکن جو دستیاب ہیں ان سے بھی کلام کا زمانہ ء تاریخ کے تعیّن میں بہت حد تک مدد ملتی ہے۔اقبال کا بہت سا ابتدائی کلام خصوصی طور پر انھی رسائل (خصوصاً رسالہ مخزن) کے لیے لکھا جاتا رہا جو نظمیں علامہ اقبال انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں پڑھتے تھے

بعدازاں وہ انہی رسائل میں شائع ہوجاتیں، اس لحاظ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو کلام جس سال یا مہینے کے رسالے میں شائع ہوا اس کی تخلیق بھی اس سے کچھ عرصہ پہلے ہی ہوئی ہوگی کیونکہ عام طور پر اقبال اپنا تازہ کلام ہی ان رسائل میں چھپنے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ''ہمالہ'' مخزن کے پہلے شمارے اپریل ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی، یہ نظم علامہ اقبال نے اس سے کچھ عرصہ پہلے ہی لکھی تھی۔ اس کا تفصیلی ذکر شیخ عبدالقادر نے بانگ درا کے دیباچے میں کیا ہے۔ ان کے بیان سے اس نظم کے زمانۂ تخلیق سے متعلّق کافی راہنمائی ملتی ہے۔ باقی ماندہ تاریخوں کا تعیّن بھی اسی اصول پر کیا ہے۔

عروبہ مسرور صدیقی خوش قسمت ہیں کہ انہیں بہت ہی قابل اساتذہ سے اکتساب فیض کا موقع ملا۔ اُن کی راہنمائی میں عروبہ مسرور صدیقی نے اتنا دقیق کام انجام دے کر اقبالیاتی ادب میں اپنا نام پیدا کیا ہے۔ اُن کی استاد گرامی ڈاکٹر بصیرہ عنبرین جو خود بھی ماہر اقبالیات ہیں۔ انہوں نے کتاب کے فلیپ کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ کلام اقبال کی زمانی ترتیب اقبال شناسی کا ایک اہم تحقیقی زاویہ ہے۔ اس حوالے سے زیادہ تر اقبال کی باقیات شعر یا مسترد و منسوخ کلام کی تواریخ کے تعیّن کی طرف توجہ رہی۔ عروبہ مسرور صدیقی کی یہ کتاب مطبوعہ کلام اقبال کو زمانی اعتبار سے پیش کرنے کی ایک مستحسن کاوش ہے۔ انہوں نے اقبال کے اولین اردو مجموعے کا انتخاب کیا اور متن کو بہ اعتبار زمانہ درج کرتے ہوئے ممکنہ مآخذ و مصادر تک رسائی کی کوشش کی ہے۔ اقبال پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ کتاب راہنمائی کا باعث ہوگی۔ عروبہ مسرور صدیقی کا بانگ درا بہ اعتبار زمانہ ایک خوبصورت کاوش ہے۔ انہیں اس کام پر نہ صرف ڈگری ملی ہے بلکہ اقبال شناسوں کی طرف سے ہدیہ سپاس بھی میسر آیا ہے۔ محترمہ عروبہ مسرور صدیقی نے کمال محنت اور لگن سے بانگ درا کی شاعری کے مہ و سال کو مقید کیا ہے۔

''پیام سروش''، اکیسویں صدی میں افکارِ اقبال کی اثر آفرینی

مصنفہ: فارحہ جمشید

فارحہ جمشید کی کتاب ''پیامِ سروش''، سخن ورفورم، ملتان سے ۹ نومبر ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی۔ اقبال شناسی اور اقبال فہمی اُردو اور فارسی نقد و ادب میں ایک دبستان کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔ اقبال کی فکر و نظر اور ان کے کلام کا مطالعہ انسانی دل و دماغ ک بے شمار گوشے منور کرتا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں اُفقِ مشرق سے طلوع ہونے والے خوش فکر و خوش خیال شاعر کے ہاں انسان کے ظاہر و باطنی احوال، حسی کیفیاتی اور روحانی امکانات کا ایک ایسا دلآویز قرینہ ملتا ہے جس میں عہد بعہد اثرات کی سچّی تصویریں ملتی ہیں۔ اس اعتبار سے اقبال کل کا شاعر بھی ہے اور

آج کا بھی اور شعرِ اقبال میں آنے والے زمانے کے امکانات بھی صاف نظر آتے ہیں۔اس اعتبار سے اقبال فہمی اور اقبال شناسی شاعری اور ادب میں ایک مستقل روایت کا درجہ اختیار کر چکی ہے اور علوم وفنون کی تفہیم میں اقبالیات کا مطالعہ ایک قدر بن چکا ہے۔اقبال کی شاعری اور افکار و تصورات پر تازہ ترین کاوش پروفیسر فارحہ جمشید کی ہے۔ پروفیسر صاحبہ نے اقبال کے حوالے سے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے وہ نئے نہیں۔ان پر اہلِ علم کی مستقل تصانیف موجود نہیں لیکن انہوں نے اپنے اندازِ نظر سے جملہ مضامین شعر پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ پروفیسر صاحبہ نے کلامِ اقبال کے چیدہ نظریات وتصورات پر نقد وتبصرہ کیا ہے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔(۱) تصورِ خودی کی وسعت (۲) اے پیرحرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ (۳) استخراج از قرآن (۴) اقبال اور حبِ رسول ﷺ (۵) لطیف اندازِ مزاح گو اقبال نے اپنی شاعری اور نثری تصانیف میں ان موضوعات کے علاوہ دوسرے بے شمار تصورات پر قلم اٹھایا لیکن اگر غور کیا جائے تو فکرِ اقبال کے بنیادی مضامین یہی ہیں جن کی تعبیر انہوں نے زبانِ شعر میں کی اور نثر میں بھی قلم اٹھایا۔ گویا یہ مضامین مرکزی نقطہ کا درجہ رکھتے ہیں جس کے گرد ان کی پرکارِ قلم گھومتی ہے۔

اقبال کے حوالے سے فلسفہ خودی پر پروفیسر صاحبہ کا اہم مضمون ہے۔آغاز میں خودی کے تصور کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔اس ضمن میں مختلف نقادوں کی آراء کا ذکر کیا گیا ہے۔اسرارِ خودی میں اقبال نے خودی کی قدر واہمیّت بیان کی ہے۔اس کا ذکر شعری حوالوں سے بیان کیا گیا ہے۔غرض تصورِ خودی کے حوالے سے جملہ مباحث کا ذکر کرنے کے بعد انہوں نے خلاصہ کلام میں موجودہ دور میں خودی کی قدر واہمیّت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے تناظر میں اقبال فلسفہ خودی کی اہمیّت اور حیثیت کیا بنتی ہے؟ کیا اقبال کا فلسفہ خودی قصہء پارینہ ہو گیا؟ کیا آج بھی وہ اپنی بامعنی قدر و قیمت کا حامل ہے؟ کیا کوئی بھی نظریہ یا فلسفہ اسی وقت تک بامعنی قدر و قیمت کا حامل رہتا ہے جب تک معاشرے میں اس کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ جب ہم اس نقطہ نظر سے اقبال کے فلسفہ خودی کا جائزہ لیتے ہیں تو بلاشبہ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ آج اکیسویں صدی میں بھی اقبال کے کے فلسفہ خودی کی انسان کو بالعموم اور مسلم اُمہ کو بالخصوص ضرورت ہے۔''(۵۰)

تصوف کے حوالے سے اقبال کے تصورات ان کا کلیدی مضمون ہے۔انہوں نے تصوف کی حقیقت پر تفصیلی بحث کی ہے۔تصوف کی ماہیت اور تاریخی قدر و قیمت کا بیان بیس پچیس صفحات پر مشتمل ہے۔اس ضمن میں قرآن و حدیث کے حوالے سے تفصیلی مباحث بیان کر دیئے اور اسلامی تصوف کے حوالے سے عہد بعہد مسلم فلاسفہ اور اکابرینِ تصوف کے افکار بیان کیے گئے ہیں جن میں امام غزالی، شیخ محی الدین ابن عربی، مجدد الف ثانی کا نکتۂ نظر بیان کرنے کے بعد شعر و نثر میں اقبال کی آراء کے حوالے دیئے گئے ہیں۔''استخراج از قرآن'' زیرِ نظر کتاب''

پیامِ سروش'' کا تیسرا عنوان ہے۔اسلام کی جملہ تعلیمات کا سرچشمہ قرآن ہے۔اقبال کی شاعری کے بغور مطالعے سے یہ بات انشراحِ صدر کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ اقبال کا سارا کلام قرآن کریم کی توضیح وتشریح پر مبنی ہے،کوئی ایک شعر بھی نہیں جو قرآنی تعلیمات کے معیار پر پورا نہ اُترتا ہے۔مصنفہ نے قرآن مجید کے حوالے سے علامہ اقبال کی شاعری کا جائزہ لیا ہے اوراس حوالے سے نقادانِ فن کی آراء کا جابجا ذکر کیا ہے۔

''اقبال اور حُبِ رسول'' کتاب کا ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اقبال کے نس نس میں عشق رسول ﷺ سرایت تھا۔جس کا اظہار شعرِ اقبال میں والہانہ انداز میں ہوا ہے۔اقبال نے روایتی انداز میں نعت نہیں لکھی اور نہ بطور صنف نعت گوئی کی ہے بلکہ جہاں کہیں،جس بھی حوالے سے حضورِ اکرمؐ کی ذاتِ گرامی کا ذکر ان کی زبانِ قلم پر آ گیا وہیں محبت وعقیدت کا دریا موجزن ہوگیا۔محترمہ پروفیسر صاحبہ نے اس مبارک تذکرے میں بھی قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ اقبال کی وارفتگی کے اشعار اور واقعاتی حوالے نہایت اخلاص و محبت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔فارحہ جمشید رقم طراز ہیں:

> ''میں نے خودی کے تصور کی وسعت، ع: اے پیرحرم رسمِ رہِ خانقہی چھوڑ، استخراج از قرآن، اقبال اور حُبِ رسول؟ اورلطیف اندازِ مزاح جیسے موضوعات کو اس کتاب کا حصّہ بنایا ہے اور اقبال کے افکار کی فہم حاصل کرتے ہوئے جس قدر سمجھ سکی آپ کی نذر کررہی ہوں۔''(۵۱)

فارحہ جمشید کی کتاب ''پیامِ سروش'' مطالعہ اقبال کے ضمن میں ایک پیش رفت کا درجہ رکھتی ہے اوراقبالیات کے حوالے سے بے حد وقعت اورقدر و قیمت کی حامل ہے۔

''اقبال کا تصورِ کشف'' تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

/مصنفہ: شاہدہ رسول

شاہدہ رسول کی کتاب ''اقبال کا تصورِ کشف'' مقتدرہ قومی زبان ،اسلام آباد سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی۔شاہدہ رسول کی کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔باب اول: خطباتِ اقبال کی اہمیّت وضرورت، باب دوم: اسلام کا تصورِ کشف والہام اور حقیقتِ وحی، باب سوم: اقبال کا تصورِ کشف، وحی اور الہام (ان کے خطبات کی روشنی میں)، باب چہارم: اقبال کے تصورِ کشف پر اعتراضات کا جائزہ اور باب پنجم میں محاکمہ درج ہے۔اقبال کے فلسفیانہ افکار کا مطالعہ کرنا ایک انتہائی دشوار مرحلہ ہے۔بالخصوص اقبال کے تصورِ کشف اور وحی پر گفتگو کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔اس لیے ایک تو یہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے،جس میں حسی تجربات کو کوئی اہمیّت نہیں دی جاتی۔دوسرے اقبال کے ایسے افکار کو بہت آسانی سے یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ

اسے موضوعات پر لکھنا اور پھر صحیح اسلام فکر کو اجاگر کرنا اقبال کے بس کا روگ نہ تھا، کیوں کہ اقبال مغرب فلسفے سے متاثر رہا۔

اس موضوع پر اس جدد دور میں تحقیقی کام کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ حسی تجربات خواہ ان کی حیثیت کچھ بھی ہو آج بھی اپنا ایک مستقل وجود رکھتے ہیں، پھر یہ حقیقت بھی بڑی تلخ ہے کہ موجودہ دور میں جو لوگ اقبال کے ان نظریات کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں، وہ بظاہر تو اقبال کو حکیم الامت، مفکرِ اسلام کی حیثیت سے زندہ رکھے ہوئے ہیں، مگر ان کے افکار و تصورات کو اپنی زبان عطا کر کے دین اسلام کو اپنے پسندیدہ طریق سے رائج کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اقبال کا تصورِ کشف، وحی اور الہام، اس کتاب کا موضوع ہے۔ مصنفہ نے اس کتاب میں میں سب سے پہلے خطبات کی اہمیّت وضرورت کے عنوان سے ایک باب لکھا ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہل اُردو نے ان خطبات کی صحیح قدر و قیمت کو پرکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر اقبال کے ان خطبات پر کسی نے کام کیا تو ترجمے، تبصرے، تقریظ یا تنقیص سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ ہر چند کہ خطبات کا بیشتر حصّہ اب صرف تاریخی اہمیّت کا حامل ہے۔ مگر بہت سے پہلو ایسے بھی ہیں جو آج ہماری تہذیب کے عین مطابق ہیں۔ بقول شاہدہ رسول:

> ''میں جب اس باب پر تحقیق کر رہی تھی تو بہت ساری کتب میرے سامنے آئیں جن کے پیش لفظ یا دیباچے میں لکھا تھا یہ کتب شعبہ اقبالیات میں نو ابن سکتی ہیں جو ہنگامہ رستخیز برپا کر سکتی ہیں مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کتب میں جو مصنفین کا اپنا تبصرہ ہے، وہ سید نذیر نیازی کا ترجمہ ہے اور حوالے میں کہیں کہیں ان کے انگریزی خطبات سے مثالیں آ گئی ہیں۔'' (۵۲)

مصنفہ نے اس کتاب میں بہت سی فلسفیانہ اصطلاحات استعمال کیں ہیں۔ جن کے مطالب کی تفہیم ایک بڑا دشوار مرحلہ تھا۔ پھر اقبال کے تصورِ کشف پر بہت زیادہ تحقیقی کام نہیں ہوا تھا۔ اس لیے کتب کی فراہمی بھی ایک بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ یہ کتاب شاہدہ رسول کا ایم فل کا مقالہ ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد ''اقبال کا تصورِ کشف'' کے پیش لفظ میں کہتے ہیں شاہدہ رسول ایک ایسی بہادر بچی ہیں، جس نے بصارت سے محرومی کو اپنے پاؤں، قلم اور ذہن کی زنجیر نہیں بننے دیا۔ اس نے ایم۔ اے اُردو بڑے اعزاز کے ساتھ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی سے کیا، تب اس نے رضا علی عابدی کی افسانہ نگاری پر تحقیقی مقالہ لکھا تھا۔ اس نے ایم فل اردو بھی اس یونیورسٹی سے کیا اور جو مقالہ اس نے لکھا، وہ اب مقتدرہ قومی زبان سے شائع ہو رہا ہے اور یہ محض حسن اتفاق ہے کہ اسے اشاعت کی سعادت بھی اس ادارے کو مل رہی ہے، جس میں وابستہ ہوں۔

بہر حال اس موضوع پر تحقیق کی گنجائش موجود تھی کیوں کہ اب اصل تصوف کی جگہ نام نہاد تصوف نے لے لی ہے۔ جس کی وجہ سے سارے تصوف کو رد کیے جانے کا تصور عام ہو گیا ہے۔ اقبال نے اسی نام نہاد تصوف کی بیخ کنی کرنے کے لیے قدامت پرستی سے نکلنے کی تلقین کی اور تحقیق کی روش اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ اقبال نے اس موضوع پر جو کچھ بھی کہا وہ حق و صداقت پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنا مطلب اخذ کرنے کے لیے قرآنی آیات کے سیاق و سباق سے اغماض نہیں برتا۔ البتہ خطبات میں جو دوسرے موضوعات ہیں، ان میں تھوڑی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ بحیثیت مجموعی کشف اور وحی کے حوالے سے ان کے تصورات خالص اسلامی ہیں۔ وہ مذہبی واردات کو حقیقی سمجھتے ہیں اور اس سلسلے میں تحقیق کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اقبال کے اس فلسفیانہ فکر کو صحت مندی سے آگے بڑھانے کی ضرورت ہے کیوں کہ اقبال نے اپنے ہی فکر کو حتمی قرار نہ دے کر تقلید کی روش کی کلیتاً نفی کر دی ہے۔ شاہدہ رسول نے اس علمی اور تحقیقی کتاب میں اقبال اور ان کے فلسفے کے حوالے سے غلط فہمیوں کو دور کی کوشش کی ہے۔ اس میں خامیوں کا رہ جانا ایک فطری بات ہے۔ لیکن شاہد رسول کی کتاب ''کا تصورِ کشف'' مطالعہ اقبال میں بے مثال اضافہ ہے۔

''بچوں کا اقبال'' مصنفہ: فارحہ جمشید

فارحہ جمشید کی کتاب ''بچوں کا اقبال'' اگست ۲۰۱۳ء میں کتاب نگر حسن آرکیڈ، ملتان کینٹ سے شائع ہوئی۔ اقبال ایک آفاقی شاعر ہے۔ آفاقی شاعر کا مخاطب انسان ہوتا ہے جس کا تعلّق کسی رنگ نسل فرقے علاقے یا قوم سے نہیں ہوتا۔ کلامِ اقبال میں جہاں معنویت اسلوب اور موضوعات کا جہاں آباد ہے وہاں بچوں کی دنیا بھی آباد ہے ہر ذی شعور کو اپنا پیغام دینے کے ساتھ ساتھ انہوں نے بچوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ جب فکر میں گہرائی اور گیرائی زور پکڑے تو خیالات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے ایسے میں نچلی سطح مراد بچوں کی ابتدائی سطح پر آ کر سوچنا بظاہر ناممکن نظر آتا ہے مگر اس عظیم شاعر نے معصوم بچوں کا بھی حق ادا کر دیا ہے۔

جیسا کہ نظم ''ایک مکڑا اور مکھی'' کے حوالے سے خوشامد جیسی لعنت کے بارے میں بتایا ہے ایسا تمثیلی انداز اختیار کیا ہے کہ یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ انسان اگر نفس کا غلام بن جائے تو شیطان اسے خوشامد کے ذریعے سے اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ ''ایک پہاڑ اور گلہری'' میں یہ بات سمجھائی ہے کہ کائنات کی کوئی بھی شے خالقِ کائنات نے بیکار پیدا نہیں کی۔ ''ایک گائے اور بکری'' میں صبر شکر جیسے وسیع موضوع کی جھلک نظر آتی ہے۔ ''ہمدردی'' میں بھی اخلاقی سبق موجود ہے نظم ''بچے کی دعا'' بظاہر ایک سادہ سی دعا ہے مگر وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو اقبال بہت خوبصورتی سے بچے کو اس کی زندگی کا مقصد بتاتے ہیں اور یہ باور کروانا کہ اچھا انسان اللہ رب

العزت کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے۔فارحہ جمشید رقم طراز ہیں:

''میں نے ان نظموں کے مکالماتی انداز کو کہانی کے روپ میں ڈھالا ہے جہاں جہاں مشکل الفاظ ہیں کتاب کے آخر میں دی گئی فرہنگ میں ان کے معانی بتائے گئے ہیں تاکہ بچوں کے ذخیرہ الفاظ (Vocabulary) میں اضافہ ہو۔کیوں کہ اغیار کی تہذیبی شورش کے نتیجے میں اردو زبان اپنی معنویت اور فصاحت و بلاغت کی مٹھاس سے شعوری طور پر محروم کی جارہی ہے۔''(۵۳)

فارحہ جمشید نے ''بچوں پر اقبال'' کے عنوان سے کتاب لکھ کر اقبالیات کے ضمن میں قابلِ قدر خدمت سرانجام دی ہے۔اقبال اپنی شاعری سے نہ صرف بڑوں کا بلکہ اپنی نظموں سے بچوں کا من بھی پوری طرح موہ لیتا ہے وہ ان کے ذہن کی تعمیر میں تمام خوبیاں پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہے جس سے ان کی شخصیت مکمل ہو۔

''اقبال شناسی اور ماہنامہ نگار نگارِ پاکستان

توضیحی و تجزیاتی مطالعہ۱۹۲۲ءتا۲۰۰۸ء"

مصنفہ: پروفیسر شہناز پروین

زیر نظر کتاب ''اقبال شناسی اور ماہنامہ نگار نگارِ پاکستان'' پروفیسر شہناز پروین ادارہ یادگارِ غالب، کراچی سے۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔

کتاب کا پہلا باب مجلّہ ''نگار'' ''نگارِ پاکستان'' تعارف اور تاریخ،۱۹۲۲ء،۱۹۴۶ء، ۱۹۴۷ء مئی ۱۹۶۶ء اور ۳/جون ۱۹۶۶ء دسمبر ۲۰۰۸ء پر مشتمل ہے۔دوسرا باب نیاز، فرمان اور نگار، نیاز فتح پوری اور اقبال (ملاحضات) (اداریہ، اقبال کے حوالے سے)، فرمان فتح پوری اور اقبال (ملاحضات) (اداریے اقبال کے حوالے سے)، دیگر ماہرینِ اقبال کتاب کا تیسرا باب نگار کے اقبال نمبروں کا خصوصی مطالعہ، اقبال نمبر ۱۹۶۲ء، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، اقبال نمبر ۱۹۹۰ء، برسی کے لحاظ سے خصوصی شمارہ ۱۹۹۳ء چوتھا باب خصوصی اور عمومی شماروں میں دیگر ماہرین و ناقدینِ اقبال کے مضامین فہرستِ مضامینِ افکار و نظریات، افکار و نظریات، شعری محاسن، فارسی شاعری، دیگر موضوعات پانچواں باب مسجد قرطبہ: تعارف، مصنّفین کے اسمائے گرامی: (سنین کے اعتبار سے)، جگن ناتھ آزاد (ماخوذ از ''اقبال کی شاعری'') ۱۹۶۲ء، پروفیسر اے۔بی۔اشرف ۱۹۶۶ء، نگارِ پاکستان ۱۹۹۴ء میں مسجد قرطبہ پر اقبال اکیڈمی حیدر آباد آندھرا پردیش کے ''اقبال ریویو'' سے منتخب سات مضامین: مصنفین کے اسمائے گرامی (حروف تہجی کے لحاظ سے)، مولانا ابوالحسن علی ندوی، پروفیسر اسلوب احمد انصاری، ڈاکٹر خاتم رام پوری، پروفیسر عالم خوندمیری، عمیق حنفی، پروفیسر مسعود حسین خان، سید محمد یوسف، فکرِ اقبال کے حوالے سے نگار میں

شائع ہونے پہلا ادرایہ اور مضمون ۴۲۱،علامہ اقبال کی رحلت کے بعد شائع ہونے والا پہلا ادرایہ اور مضمون کتاب کیآ خری باب میں متفرقات، ماحصل، اشاریہ،مصنف وار، زمانی،موضوع وار، کتابیات،ضمیمہ،اقبال نمبر نگار، رام پور۱۹۶۳ء(تعارف)پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اقبالیات خاصا وسیع موضوع ہے اوراس پر کام بھی بہت ہو چکا ہے۔لیکن اقبالیات کے چند گوشے اب بھی محققین کی توجہ کے منتظر ہیں۔مثلاً اردو کےبعض وقیع رسائل وجرائد میں اقبالیات کے موضوع پر اتنی کثیر تعداد میں اہم اور عالمانہ تحریریں شائع ہوئی ہیں کہ ان کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔اس ضمن میں بعض رسالوں پر کام ہوا بھی ہے۔لیکن تعجب ہے کہ نگار میں نگارِ پاکستان جیسے قدیم اور وقیع پرچے کونظر انداز کر دیا گیا۔حالاں کہ نگار میں اقبالیات کے موضوع پر اردو کے بعض معتبر ترین اور مصروف ترین اہل علم کی تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں۔محترمہ پروفیسر شہناز پروین صاحبہ نے اس موضوع کو اپنے مقالے کے لیے چنا اور جناب پروفیسر ڈاکٹر یوسف حسنی صاحب کی نگرانی میں ایک عمدہ مقالہ بھی پیش کر کے سند حاصل کی۔

اقبال کی نظم ونثر کا پیغام انسانی زندگی کی بقا اور استحکام کا سبق دیتا ہے۔فکر اقبال حرکت،حرارت اور عمل کا دوسرا نام ہے۔اس مقالے''اقبال شناسی اور ماہنامہ نگار'' کے توضیحی وتجزیاتی مطالعے کی غرض وغایت بھی یہی ہے کہ''نگار''میں علامہ اقبال پر شائع ہونے والے معتبر،مستنداور صاحب الرائے ناقدین ومبصرین کی آراء کی روشنی میں اقبال کے فکرونظر کی ترویج کی جائے نیز برصغیر و پاک وہند کے رسائل وجرائد میں اقبال پر جتنا کام ہوا ہے،ان سب کو یکجا کر کے ان میں خصوصاً اقبال کی قومی اور ملی جذبات کے حوالے سے مضامین کا انتخاب شائع کرنا،اقبال فہمی اور اقبال دوستی ہی نہیں بلکہ انسان دوستی اور آج کے ملی مسائل کے حل کے ضمن میں خوشگوار اور قومی خدمت ہوگی۔رسائل وجرائد میں علامہ اقبال پر اتنا اہم اور وقیع کام موجود ہے کہ محض ان کے انتخابات کو پیش نظر رکھا جائے تو کئی ضخیم کتابیں منظر عام پر آ جائیں گی۔۱۹۲۲ء سے ۲۰۰۸ءتک''نگار'' کے ہر شمارے کی تلاش میں مصنفہ نے کراچی کے کونے کونے میں کوئی چھوٹی بڑی لائبریری ڈھونڈ نکالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی،لیکن''نگار'' کے شمارے محض چند لائبریریوں میں ہی ملے۔''اقبال شناسی اور ماہنامہ نگار۔نگارِ پاکستان (توضیحی وتجزیاتی مطالعہ ۱۹۲۲ءتا۲۰۰۸ء)''میں رؤف پاریکھ معروضات میں رقم طراز ہیں:

''یہ مقالہ بڑی محنت اور جستجو سے لکھا گیا ہے اس میں اقبالیات کے موضوع پر بعض اہم معلومات بھی سامنے آئیں ہیں اور اقبالیات کے بعض فراموش شدہ گوشے بھی روشنی میں آ گئے ہیں اشاریے کے اہتمام نے اس مقالے کی اہمیّت میں اضافہ کر دیا ہے۔اشاریے پر ایک نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کیسے کیسے جید لوگ اس موضوع پر

نگار میں لکھ سکتے ہیں۔''(۵۴)

مصنفہ کے اس مقالے کا مقصد اور ماحصل بھی یہی ہے کہ اقبال کا سرسری مطالعہ نہ کیا جائے خصوصاً پاکستان کے وجود کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے کلام و پیام پر خصوصہ توجہ دی جائے ،ان کا نورِ بصیرت عام کیا جائے۔ان کے کلام کی گہرائی میں اترنے کے بعد ہی وہ گوہرِ نایاب منظرِ عام پر آ سکتا ہے جس کی پاکیزگی اور تابانی سے پاکستان کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھے گا۔ پاکستانی قوم انفرادی اور اجتماعی طور پر اس حقیقت کو ذہن نشین کر لے:

''اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد
نا چیز جہانِ مہ و پرویں ترے آگے
وہ عالم مجبور ہے، تو عالم آزاد ہے(۵۵)

مصنفہ نے نگار نگار پاکستان کے مقالات اور مضامین کے اس جائزے کو''اقبال شناسی''اور''اقبال دوستی'' کے سلسلے کی ایک مستحسن کوشش قرار دیا ہے۔

''علامہ محمد اقبال اور میاں محمد بخش (کے افکار و نظریات کا تقابلی جائزہ)''

مصنفہ: عابدہ خاتون

عابدہ خاتون کی کتاب''علامہ محمد اقبال اور میاں محمد بخش'' کے افکار و نظریات کا تقابلی جائزہ پر مکتبہ جمال ،لاہور سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں میاں محمد بخش کی سوانح عمری تحریر کی گئی ہے۔ نیز تاریخی و سیاسی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ اقبال کی میاں محمد بخش سے عقیدت اور ان کی شخصیت اور ماحول کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے باب سے تقابلی مطالعے کا آغاز کیا گیا ہے۔ یہ باب اقبال اور میاں محمد بخش کے''تصورِ تصوف'' پر مبنی ہے۔تصوف کے باب میں دونوں شعراء کے کلام میں وحدتِ فکر و عمل کا جو حسین امتزاج پایا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت وطریقت دونوں کے ہاں لازم و ملزوم ہیں۔ میاں محمد بخش نے انسان کے اندر جس خالص سونے جیسی نوری قوت کا ذکر کیا ہے اقبال نے اسے خودی کا نام دیا ہے۔

تیسرے باب کا عنوان''تصورِ عشق'' ہے۔خودی کا استحکام عشق سے ہوتا ہے اور دونوں شعراء کے کلام میں عشق ہی مقصد آفریں اور لازوال قوت ہے جو انسان کو خدا سے ملاتی ہے اور عشق کی تکمیل اسوۂ طیبہ کے کامل اتباع کے بغیر ہرگز ممکن نہیں ہوسکتی۔ چوتھا باب''تصورِ مردِ کامل'' ہے۔میاں محمد بخش اور علامہ اقبال نے مردِ مومن کا جو تصور پیش کیا ہے وہ صفات خداوندی کا مظہر ہے۔ دونوں شعراء کے تصورِ مردِ کامل کا منبع و ماخذ قرآن مجید ہے۔

پانچواں باب ''تصورِ اخلاق'' کے عنوان سے ہے۔ اخلاقیات کی تعلیم دونوں شعراء کا خاص موضوعِ سخن ہے۔ علامہ اقبال اور میاں محمد بخش محبت، ہمدردی، امن اور دوستی کے پیامبر ہیں۔ انہوں نے اخلاق کا جو درس دیا اُس کا سرچشمہ دینِ محمدی ہے۔ دونوں شعراء کے نظامِ فکر میں اخلاق کو بنیادی اہمیّت حاصل ہے۔ اخلاقی ترقی کے بغیر کوئی قوم اور معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا۔ اس لیے وہ افراد کو اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ قوم ترقی اور عروج سے ہمکنار ہو۔ مقالے کے آخر میں ''ماحصل'' بیان کیا گیا ہے۔ محمد سہیل عمر عابدہ خاتون کی کتاب ''علامہ محمد اقبال اور میاں محمد بخش (کے افکار و نظریات کا تقابلی جائزہ)'' میں لکھتے ہیں:

> ''میاں محمد بخش کے ساتھ اقبال کی معنوی اور کیفیاتی مماثلتیں ڈھونڈ نکالنا ایک خاص دائرے میں کارنامہ ہی کہلائے گا۔ آہنگ اور فنکاری میں کوئی مشابہت نہ ہونے کے باوجود ان دو بڑے شاعروں کو ہم خیال اور ہم احوال دکھا دینے کا کام گویا ایک بڑی روایت کی توسیع میں اپنا کردار ادا کرنے کے مترادف ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں حضرات جوہرِ شعری میں تو کچھ امتیاز رکھتے ہیں لیکن معانی و مضامین اور جذبہ و حال میں ان کے درمیان کم از کم ایسا اشتراک پایا جاتا ہے جو ایک ہی چشمے سے سیراب ہونے والے دو پھل دار درختوں میں موجود ہوتا ہے۔''(۵۶)

غرض کہ علامہ اقبال اور میاں محمد بخش کے افکار و نظریات کا تقابلی جائزہ یقیناً تفہیم اقبال میں مد و معاون ثابت ہوگا کیوں کہ دونوں شعراء کے کلام میں گہری فکری مماثلت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا رومی رحمتہ اللہ علیہ اور اقبال کے درمیان میاں محمد بخش ایک اہم کڑی کا درجہ رکھتے ہیں۔ عابدہ خاتون کے اس مقالے کو صرف چند بنیادی تصورات تک محدود رکھا گیا ہے حالانکہ ابھی بے شمار افکار و نظریات تشنہ طلب ہیں۔ یہ تحقیقی کاوش اُمید ہے آنے والوں دور کے محققین کے لیے نہ صرف تحقیق کی نئی راہیں کھولے گی بلکہ ایک سنگِ میل ثابت ہوگی۔

''شروح کلامِ اقبال (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)'' مصنفہ: ڈاکٹر اختر النساء

''شروح کلام اقبال (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)'' بزمِ اقبال، لاہور سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی۔ زیرِ نظر مقالہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ''شرح نویسی کی روایت'' کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔ اقبال کے اردو مجموعوں اور بعض فارسی مجموعوں کی ایک سے زائد شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ چنانچہ سات ابواب میں چار اردو مجموعوں (بانگ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز، اردو) اور تین فارسی مجموعوں (اسرار و رموز، پس چہ باید کرد اور ارمغانِ حجاز، فارسی) کی شرحوں کا تحقیقی، تنقیدی اور تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ پیامِ مشرق، جاوید نامہ اور زبورِ عجم کی چونکہ صرف ایک شرح لکھی گئی ہے، اس لیے مابعد ابواب میں ان مجموعوں کی ایک ایک شرح کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا

گیا ہے۔آخری باب میں تمام شارحین کی شرح نویسی پر ایک مجموعی نگاہ ڈالی گئی ہے۔مقالے میں شارحین کے نام چونکہ ہر باب میں متعدد مرتبہ آئے ہیں،اس لیے حوالہ دیتے وقت ان کے مکمل ناموں کے بجائے مخففات اختیار کیے گئے ہیں،مثلاً یوسف سلیم چشتی۔۔۔۔۔چشتی،مولانا غلام رسول مہر۔۔۔۔۔مہر،عارف بٹالوی۔۔۔۔بٹالوی ،آ قائے رازی۔۔۔رازی،ابونعیم عبدالحکیم نشتر جالندھری۔۔۔نشتر،محمد عبدالرشید فاضل۔۔۔۔۔فاضل،ڈاکٹر شفیق احمد۔۔۔۔۔شفیق احمد ،اسرار زیدی۔۔۔۔زیدی ،فیض احمد فیض لودھیانوی۔۔۔۔۔۔فیض لو دھیانوی،ڈاکٹر الف د نسیم۔۔۔۔نسیم،الٰہی بخش اعوان۔۔۔۔۔اعوان،غلام احمد پرویز۔۔۔۔۔۔پرویز،سید اصغر علی شاہ جعفری۔۔۔۔۔جعفری،مقبول انور داؤدی۔۔۔۔۔۔داؤدی۔شروح کلام اقبال کے مجموعی جائزہ میں محمد زکریا کہتے ہیں:

> ''کلام اقبال کی مختلف جہتیں اور پہلو ہیں اور اس کے اندر ایک جہان معنی پوشیدہ ہے جبکہ کلام اقبال کی تفہیم وتشریح میں بعض شارحین نے سہل پسندی سے کام لیا ہے اور مطالعہ اقبال کے سلسلے میں غیر اطمینان بخش رویہ اپنایا ہے جس کی وجہ سے تشریحات میں کوتاہیاں ہوئی ہیں۔کہیں غیر ضروری باتوں کا طومار ہے،کہیں اپنی علمیت جتانے کا احساس بھی موجود ہے،کہیں ضمنی مباحث تفہیم اقبال کے سلسلے میں راستہ روک دیتے ہیں اور ایسی غیر ضروری تفصیل ہے کہ جس مقصد کے لیے شرحیں لکھی گئی ہیں وہ مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔۔۔۔۔''(۵۷)

اقبال ایک پیامبر شاعر ہیں جس کے فن کے جلو میں بنی نوع انسان کی تہذیب کے ہزاروں روپ اور ان کے امکانات پوشیدہ ہیں۔یہ شارحین اقبال کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے امکانات کو بے حجاب کریں اور بروئے کار لائیں تاکہ اقبال کی نئی تفہیم اور اس کی معنویت کا جواز پیدا ہو سکے۔کلام اقبال کی افہام وتفہیم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ موجودہ شرحوں کے باوجود مزید شرحیں بھی لکھی جائیں جن میں بہت سی باتوں کے علاوہ اقبال کے فن،ان کی صناعی،اور شعری آہنگ کے ساتھ ان کی تخلیقات کے اسرار ورموز اور ان کے پہلوؤں کو دریافت کرنے کی سعی کی جائے جن سے اقبال کا کلام توانا اور آفاقی بنتا ہے۔ڈاکٹر اختر النساء کا مقالہ''شروح کلام اقبال (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)''قارئین اقبال کے لیے ایک عمدہ کوشش ہے۔اقبالیات کے ضمن میں اہمیّت کی حامل ہے۔

''اقبال جرمنی میں'' مصنفہ: ریحانہ کوثر

زیرِ نظر کتاب''اقبال جرمنی میں''جمہوری پبلی کیشنز،لاہور سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی زندگی میں قیام یورپ ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔۲۴ستمبر ۱۹۰۵ء کو اقبال بزرگوں کی دعاو?ں سے لدے یورپ پہنچے۔اس سفر یورپ کے کئی محرکات اور ارفع مقاصد تھے،جن میں اولین محرک اعلیٰ تعلیم کا حصول تھا۔قانون

کے امتحان میں ناکامی سے اقبال بہت دلبرداشتہ ہوئے۔ پروفیسر آرنلڈ کی نگاہِ انتخاب نے اقبال کو ایسے منصب پر فائز کیا، جہاں شعر و شاعری کے پہلو بہ پہلو تحقیق، تصنیف و تالیف، ترجمے اور تدریس کے نئے باب کھل گئے۔۱۹۰۴ء میں تامس آرنلڈ لاہور کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر انگلستان چلے گئے۔ اُستاد کی محبت نے بھی سفرِ یورپ اختیار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یورپ پہنچ کر اقبال کو آرنلڈ اور عبدالقادر کی وجہ سے مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

علامہ اقبال کے قیام جرمنی کے شب و روز پر بہت کم لکھا گیا۔ ان کی شخصیت کی غیر معروف گہرائیوں کی تحقیق کا کام اب بھی تشنۂ تشکیل ہے۔ بلاشبہ علامہ اقبال کی شخصیت اس prism کی مانند ہے، جس میں شعاعِ عفت رنگ ہو کر نکلتی ہے۔ وہ بلند مرتبت شاعر، فلسفی، نامور مفکر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک حساس اور محبت بھرا دل رکھنے والے انسان بھی تھے، جن کی زندگی کے نشیب و فراز اور ان کی حیات کا مرقع جو رنگ و نور سے روشن و تابندہ ہے، ان کی گمشدہ کڑیوں کو محفوظ کرنے کا بیڑا ڈاکٹر سعید اختر درانی صاحب نے اٹھایا۔ مایہ ناز سائنس دان، جن کا تعلّق اگرچہ جوہری توانائی سے ہے، لیکن اقبال سے بے پناہ عقیدت تھی۔ اس عقیدت و محبت کے بدلے انہیں ہائیڈل برگ اور میونخ کے خوب صورت اور باکمال شہروں سے اسی سال کی پڑی ہوئی دستاویزات سے گرد اور راز کے پردے اٹھا کر ''اقبال یورپ میں'' اور ''نوادر اقبال یورپ میں'' لکھ کر اقبال شناس طبقے پر احسانِ عظیم کیا۔ بقول ریحانہ کوثر رقم:

> ''اس موضوع کے انتخاب کے پیش نظر مقصد یہ تھا، چوں کہ میرے خاوند جرمنی (میونخ) میں ہوتے ہیں۔ اس لیے وہاں جا کر اپنا ریسرچ ورک مکمل کروں اس سلسلے میں مجھے کافی کاغذات بنوانے پڑے۔ جرمنی میں مترجم کا انتظام کیا۔ میونخ و نیورسٹی سے رابطہ کیا، لیکن بہ وجوہ جانا ممکن نہ ہوسکا۔۔۔۔۔'' (۵۸)

ریحانہ کوثر نے اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں علامہ اقبال کے کے یورپ جانے کے محرکات بیان کیے ہیں۔ دوسرے میں اُن کے ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے ساتھ تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ تعلّق کی نوعیت واضح نہیں ہوسکی۔ اس کے علاوہ ہائیڈل برگ میں ان کی مصروفیات، مشاغل اور تفریحات کو بیان کیا ہے۔ تیسرے باب میں میونخ یونیورسٹی سے حصول ڈگری پی ایچ ڈی کے تمام مراحل لکھے ہیں۔ چوتھے باب میں اقبال کی prism شخصیت کی ایک شعاع، جس کا نام ایما و یگے ناسٹ ہے۔ ان کے حالاتِ زندگی اور اقبال کے ساتھ تعلقات کی وضاحت کی ہے اور پانچویں باب میں یہ بتایا ہے کہ اقبال جرمنی کے شاعروں، مفکروں، شخصیات اور آدرشوں سے کس حد تک متاثر ہوئے۔ ریحانہ کوثر کی بے مثال تصنیف ''اقبال جرمنی میں'' مطالعہ اقبال میں درخشندہ باب کا اضافہ ہے اور موجودہ عہد میں بھی اس کی اہمیّت برقرار ہے۔

''اقبال اور رومانویت'' مصنفہ: ڈاکٹر عظمت رباب

ڈاکٹر عظمت رباب کی تصنیف ''اقبال اور رومانویت'' بزم اقبال، لاہور سے ۲۰۱۶ء میں شائع ہوئی۔ علامہ اقبال کی شاعری اور ان کا فلسفہ اردو خواں طبقے میں شروع ہی سے تحقیق و مطالعے کا مقبول موضوع رہا ہے۔ پاکستان اور نظریہ پاکستان سے اقبال کے تعلّق اور احیائے اسلام سے ان کی وابستگی نے ان موضوعات کو قبول عام کا درجہ دیا ہے۔ بہت سے نقاد، مفکر اور کئی ادارے اس مطالعے سے وابستہ ہیں۔ ''اقبالیات'' نہ صرف اردو زبان و ادب اور تاریخ پاکستان کا ایک محبُوب و مقبول موضوع ہے بلکہ اب تو بیشتر جامعات میں ایک جداگانہ شعبہ ہے جس کا اپنا علیحدہ نصاب ہے۔ ڈاکٹر محمد خاں اشرف کتاب کے ''ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

> ''ہمارے معاشرے اور اردو ادب میں عوامی سطح پر دو اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں ''رومانیت'' اور ''رومانویت''۔ لغوی طور پر دونوں کے معانی ایک ہیں لیکن اصطلاحی طور پر ان کے معانی میں فرق رکھنا علمی مطالعے کے لیے ضروری ہے۔ رومانیت کو عموماً عشق و محبت یا جذباتیت کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ عام بول چال میں رومانی ناول، رومانی موسم، رومانی فلم وغیرہ سے مراد ایسے مظاہر ہیں جو عشق و محبت اور جذباتی اظہار رکھتے ہیں۔ اس عام اظہار کے لیے ''رومانویت'' کا لفظ مناسب نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوامی سطح پر رومان کے لفظ سے یہی مراد لیا جاتا ہے لیکن علمی اور فکری سطح سے ''رومانویت'' سے مراد وہ عالمی تحریک ہے جس نے کلاسیکیت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور انسان کی فکری آزادی کا آعادہ کیا۔۔۔۔'' (۵۹)

ڈاکٹر عظمت رباب نے اپنے مقالے ''اقبال اور رومانویت'' میں اقبال کی شاعری اور فکر میں اس رومانوی بنیاد اور اس کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ زیرِنظر کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب ''رومانویت اور رومانوی تحریک'' رومانوی تحریک کے نظریاتی اور تاریخی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ رومانویت کی تعریف متعین کرنے میں جو مشکلات نقادوں اور محققین کو پیش آ رہی ہیں ان کا حوالہ اور وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے باب میں ''اردو ادب میں رومانوی تحریک'' کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ہندوستان کے زرعی جاگیردارانہ معاشرے میں انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی صنعتی انقلاب کے اثرات داخل ہوئے جس نے ہندوستان میں معاشرتی، معاشی اور ادبی سطح پر تبدیلی کی لہر پیدا کی۔ سرسید کی بدولت شاعری اور نثر کے سانچے بدل گئے۔ آزاد، شرر اور شبلی کی تحریروں میں کچھ رومانوی خصوصیات پائی جاتی ہیں لیکن باقاعدہ تحریک کا آغاز سر عبدالقادر کے رسالے ''مخزن'' کے پہلے شمارے ۱۹۰۱ء سے ہوا جس میں اقبال کی نظم ''ہمالہ'' شائع ہوئی۔ اقبال کی رومانوی خصوصیات کے بیان کے علاوہ اس باب میں اردو رومانوی تحریک کے شعرا اور نثر نگاروں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ تیسرے باب بعنوان ''اردو رومانوی تحریک کی نمایاں خصوصیات اور اقبال'' میں اقبال کی رومانوی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چوتھے باب کا عنوان ''پہلے دور

کی شاعری میں رومانوی عناصر'' ہے۔نقادوں نے اقبال کی شاعری کو اپنے نقطہ نظر کے مطابق مختلف ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے،ادوار کی تقسیم کا ذکر کر کے اقبال کی شاعری کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پانچواں باب ''دوسرے دور کی شاعری کے رومانوی عناصر'' کا احاطہ کرتا ہے۔اقبال کے قیام یورپ کے دوران کی گئی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔چھٹے باب میں ''تیسرے دور کی شاعری میں رومانوی عناصر'' کا جائزہ لیا گیا ہے۔۱۹۰۸ء میں وطن واپسی کے بعد کی شاعری میں عہدِ رفتہ کی عظمت ٹھیس بن کر ابھرتی ہے اور قوم کو پیغامِ عمل دیتی ہے۔ساتواں باب ''چوتھے دور کی شاعری میں رومانوی عناصر'' کے جائزے پر مشتمل ہے۔یہ دور بال جبریل کی شاعری کا دور ہے جس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں بانگ درا کی نسبت جذبات کا جوش کم ہے ،رومانویت اور کلاسیکیت کا توازن موجود ہے اس لیے نظموں کے ساتھ غزلیات بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔آٹھواں باب ''فلسفہ اقبال اور رومانویت'' میں اقبال کے فلسفے کے رومانوی عناصر اور خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔باب نہم، ''اقبال کی زبان ،اسلوب اور رومانویت'' کے حوالے سے ہے۔نویں باب میں اقبال کی زبان اور امیجری کا جائزہ لیا گیا ہے۔دسویں باب میں ''اقبال اور رومانویت۔مجموعی جائزہ'' کے عنوان کے تحت اقبال کی رومانویت اور رومانوی خصوصیات کا مجموعی جائزہ لیا گیا ہے۔ڈاکٹر عظمت رباب کا یہ مقالہ اردو ادب میں اپنی نوعیت کی یہ قابلِ ستائش کاوش ہے جس سے اقبال شناسی اور اقبال فہمی میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

حوالہ جات

۱۔ پروین شوکت علی، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، اقبال کا فلسفہ سیاسیات، لاہور، غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، ص۶-۷
۲۔ پروین، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، اقبال کا فلسفہ سیاسیات، ۵۳-۵۴
۳۔ عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، لاہور، آتش فشاں پبلی کیشنز، دسمبر۱۹۸۴ء، ص۳۳۵
۴۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو)، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، مارچ ۱۵، ص۲۵۷
۵۔ ایضاً
۶۔ بیگم ثاقبہ، دائمی تحرک اور اجتہاد فکر و علم کا شاعر، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۹ نومبر ۱۹۸۲، ص۴
۷۔ فرزانہ یاسمین، اقبال کا بچپن، لاہور نیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۳ء ص۹
۸۔ شمیم ملک، ڈاکٹر، اقبال کی قومی شاعری، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۴ء ص۱۹۰
۹۔ سید عبدالواحد معینی، مرتبہ، مقالات اقبال، لاہور، شیخ محمد اشرف پریس، ۱۹۶۳ء، ص۵
۱۰۔ فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص۱۴۶
۱۱۔ منزہ جاوید، تسہیل اقبال، راولپنڈی، صوفی تبسم اکیڈمی، ۲۱ر اپریل ۱۹۹۳ء، ص۲۲
۱۲۔ عطیہ سید، اقبال۔۔۔مسلم فکر کا ارتقا، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، ص۲۲
۱۳۔ سلیم اختر، اقبال کی نثر کا مزاج، مشمولہ مجلّہ سہ ماہی اقبال، لاہور، اپریل تا جولائی ۱۹۷۷ء، ص۸۷۶
۱۴۔ سید نذیر نیازی، دانائے راز، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۷۹ء، ص۱۴۳
۱۵۔ محمد اقبال، مرتبہ، صابر کلوری، تاریخ تصوف، لاہور مکتبہ انسانیت، ۱۹۸۵ء، ص۲۸
۱۶۔ زیب النساء، اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ، ص۲۱۳
۱۷۔ رشیدہ، آفتاب اقبال بیگم، اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال، کراچی، فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اگست ۱۹۹۹ء، ص۲۵
۱۸۔ عزیز احمد، اقبال نئی تشکیل، لاہور، گلاب پبلشرز، س۔ن، ۲۴۴
۱۹۔ آمنہ صدیقہ، داستان اقبال، لاہور، القمر انٹر پرائزز، نومبر ۲۰۰۲ء، ص۱۳
۲۰۔ ایضاً، ص۱۲
۲۱۔ بصیرہ عنبرین، تضمینات اِقبال، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۰۲ء، ص۱۱
۲۲۔ بصیرہ عنبرین، تضمینات اقبال، ص۵۷

۲۳۔ کنیز فاطمہ یوسف،اقبال اورعصری مسائل،لاہور سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء،ص ۳۸
۲۴۔ محمد احمد خان،اقبال کا سیاسی کارنامہ،کراچی،کاروان ادب،۱۹۵۲ء،ص ۴۱۷
۲۵۔ زبیدہ رئیس،اخلاق اقبال،فیصل آباد،سیرت رائٹر کلب،۲۰۰۶ء،ص ۷
۲۶۔ ایضاً،ص ۸
۲۷۔ ڈاکٹر صغریٰ،اقبال۔۔۔۔ایک مردمومن،گزارش احوال واقعی،لاہور،مجلس دانشوراں،۲۰۰۶ء
۲۸۔ زبیدہ جبیں،پروفیسر محمد منور بطور اقبال شناس،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۲۰۰۶ء،ص ۲۰۳
۲۹۔ پروفیسر محمد منور،قرطاس اقبال،ص ۳۰۷
۳۰۔ قرطاس اقبال،ص ۱۹
۳۱۔ برہان اقبال،ص ۶۱
۳۲۔ رابعہ سرفراز،اقبال کا نظریہ فن (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)،فیصل آباد،قرطاس،21 اپریل ۲۰۰۶ء،ص ۸
۳۳۔ ایضاً ص،۱۹۸
۳۴۔ اقبال،کلیات اقبال (اردو)،ص ۴۵۱
۳۵۔ ایضاً
۳۶۔ فریدہ الٰہی،علامہ اقبال اور تحریک آزادی فلسطین،اسلام آباد،جاوداں پبلی کیشنز،مارچ ۲۰۰۷،ص ۹ تا ۱۰
۳۷۔ ایضاً،ص ۷
۳۸۔ فرزانہ یاسمین،اقبال کی باتیں،لاہور،مکتبہ عالیہ،۲۰۰۸ء،ص ۷
۳۹۔ اُم سلمیٰ،اقبال اور نذر الاسلام،لاہور،اقبال اکادمی،۲۰۰۹ء،ص ۱۴۰
۴۰۔ ایضاً
۴۱۔ ڈاکٹر ارشد خانم،علامہ اقبال اور شیخ عبدالماجد (قادیانی)،(عقائد وافکار)،لاہور،بیکن بکس،۲۰۱۰ء،ص ۹
۴۲۔ ایضاً،ص ۱۰
۴۳۔ ڈاکٹر بصیرہ عنبریں،محسنات شعر اقبال (شعر اقبال میں علم بیان اور علم بدیع کے محاسن)،لاہور بزم اقبال،۲۰۱۰ء،ص ۱۴
۴۴۔ سیمیں لالیکا،ہمارا شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال،لاہور،دیا پبلی کیشنز،اکتوبر ۲۰۱۱ء،ص ۳۰
۴۵۔ زیب النساء سرویا،کلام اقبال میں انبیاء کرام کا تذکرہ،لاہور،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۲۰۱۰ء،ص ۱۲
۴۶۔ حسن اختر،ملک،اطرافِ اقبال،لاہور،بزم اقبال،۲۰۰۱ء،ص ۶۴
۴۷۔ گلشن طارق،فروغ اردو میں اقبال کی خدمات کا تحقیقی جائزہ،لاہور،فکشن ہاؤس،۲۰۱۲ء،ص ۷
۴۸۔ ایضاً،ص ۹
۴۹۔ عروبہ مسرور صدیقی،بانگ درا (بہ اعتبار زمانہ)،لاہور،اظہار سنز،جون ۲۰۱۲ء،ص ۱۳
۵۰۔ فارحہ جمشید،پیامِ سروش (اکیسویں صدی میں افکارِ اقبال کی اثر آفرینی)،ملتان،سخن ورفورم،۹ نومبر ۲۰۱۲ء،ص ۱۳ تا ۱۴

۵۱۔ ایضاً،ص۹

۵۲۔ شاہدہ رسول،اقبال کا تصورِ کشف (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان ،۲۰۱۲ء،ص۹

۵۳۔ فارحہ جمشید،بچوں کا اقبال،ملتان کینٹ،کتاب نگر حسن آرکیڈ،اگست ۲۰۱۳ء،ص۱۰

۵۴۔ پروفیسر شہناز پروین،اقبال شناسی اور ماہنامہ نگار رنگارِ پاکستان (توضیحی و تجزیاتی مطالعہ ۱۹۲۲ء تا ۲۰۰۸ء)،کراچی،ادارہ یادگار غالب،۲۰۱۴ء،ص۸

۵۵۔ کلیات اقبال اردو،ص۵۸۵

۵۶۔ عابدہ خاتون،علامہ اقبال اور میاں محمد بخش (کے افکار و نظریات کا تقابلی جائزہ) لاہور،مکتبہ جمال،۲۰۱۵ء،ص۸

۵۷۔ خواجہ محمد زکریا،اقبال کا ادبی مقام،ص۱۳۶

۵۸۔ ریحانہ کوثر،اقبال جرمنی میں،لاہور،جمہوری پبلی کیشنز،۲۰۱۵ء،ص۲۵ تا ۲۶

۵۹۔ ڈاکٹر عظمت رباب،اقبال اور رومانویت،لاہور،بزم اقبال،۲۰۱۶ء،ص۶

دیگر زبانوں کی اقبال شناس خواتین

علامہ محمد اقبال اُردو شاعری میں رفعتِ خیال اور فلسفیانہ تفکر کے ایک منفرد انداز کے موجد ہیں۔ یہ ان کی شاعری کا اعجاز ہے کہ مختلف بلکہ متضاد نظریات وافکار رکھنے والے دانشور بھی یکساں جوش وخروش اور دلچسپی سے ''اقبالیات'' کی طرف توجہ مبذول کرتے رہے ہیں اور اقبال کے فلسفہ وفکر، شعروسخن اور خطبات ومکاتیب میں فکر ونظر کی مختلف جہات سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ علامہ اقبال ایسی نابغہ روزگار شخصیت کے فکر وفن پر علمی وتحقیقی سرگرمیوں، مباحث اور تصانیف کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اقبالیاتی تحقیق میں اقبال شناس خواتین کا ایک اہم رول ہے انہوں نے انگریزی کتب، دیگر زبانوں کی اقبال شناس خواتین کی کتب، کلام اقبال کے اشاریے، مولفہ ومرتبہ کتب پر قابلِ تعریف کام کیا ہے۔ جو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اقبال شناس خواتین کی تصانیف کے موضوعات اور مضامین میں تنوع ہے اور بیشتر کاوشیں اقبال شناسی کے میدان میں قابل قدر اضافہ جات کی حیثیت اختیار کرتی نظر آتی ہیں۔

''عرفان اقبال'' از پروفیسر آل احمد سرور/ مرتبہ: زہرا معین

علامہ اقبال اپنی زندگی ہی میں اہل نظر کی توجہ کا مرکز بن گے تھے۔ پروفیسر آل احمد سرور اقبال کے قدیم قدر شناسوں، مداحوں بلکہ پرستاروں میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ علامہ سے سرور کے شغف کی بات کسی بار ثبوت کی محتاج نہیں۔ پروفیسر آل احمد سرور نے علامہ اقبال کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس کا ثبوت ''عرفان اقبال'' کی حامل وہ عالمانہ تحریریں ہیں جو وقتاً فوقتاً آل احمد سرور کے معجز رقم قلم سے علامہ اقبال کے فکر وفن پر نکلیں اور جو اَب کتابی صورت میں یکجا منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔

زہرا معین نے پروفیسر آل احمد سرور کے وقتاً فوقتاً علامہ اقبال کے فکر وفن پر لکھے گئے مضامین کو یکجا کر کے کتابی صورت میں مرتب کر دیا ہے۔ یہ کتاب تخلیق مرکز شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے ق ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ آل احمد سرور کی یہ نگارشات اپنی دانش ومعنویت، اپنے رچے ہوئے تہذیبی اور ادبی مذاق اور اپنے پر کار اور

جاندار اسلوب کی بنا پر ہمیشہ زندہ رہنے والی تحریریں ہیں۔کتاب کی مرتبہ زہرا معین اس ضمن میں لکھتی ہیں:

> ''سرور صاحب کے ان مضامین کے مطالعے سے ہمیں اقبال کے پیغام کی روح تک پہنچنے، ان کی شخصیت کے خدو خال کو پرکھنے اور ان کے فن کے رمز و ایما سے آشنا ہونے میں مدد ملتی ہے اور بحیثیت مجموعی اقبال کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔''(۱)

مرتبہ نے کتاب کے آغاز میں آل احمد سرور کی حیات کا بیک نظر جائزہ بھی پیش کیا ہے۔جس سے ان کی حیات، تعلیم، مصروفیات، تصانیف اور مرتبات کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔پروفیسر آل احمد سرور نے اقبال پر بہت زیادہ لکھا نہیں لکھا مگر اقبال پر ان کے تھوڑے سے مضامین کی مجموعی اہمیّت و افادیت اس لیے کسی مستقل کتاب سے کم نہیں کہ یہ مضامین بقول سید وقار عظیم سرور صاحب کے علم، ان کے غور و فکر اور منطق و شعر میں رچ بس کر منظر عام پر آئے ہیں۔مرتبہ نے بھی پیش نظر مجموعہ مضامین ''عرفان اقبال'' کا یہی جواز پیش کیا ہے۔دو ضمیموں کی صورت میں توضیحی حواشی کے ساتھ پروفیسر آل احمد سرور کے نام علامہ اقبال کا ایک گرامی نامہ اور اقبال کی یاد میں سرور کی ایک نظم بھی شامل کتاب کی گئی ہے۔

''اقبال'' بڑا اُپدیشک/مولفہ: شمیم حیات سیال

محترمہ شمیم حیات سیال نے بڑے سلیقے اور بہت ہی سوجھ بوجھ سے اقبال سے متعلّق ایسی بہت سی نمائندہ یادوں کا ایک دل آویز مرقع پیش کیا ہے جن کے حوالے سے اقبال کی شخصیت کی بہت سی اہم پرتیں کھل جاتی ہیں۔اقبال سے محبت کرنے والے اقبال کی زندگی کے جیتے جاگتے ان لمحات سے بھی تعارف حاصل کر لیتے ہیں جو ان بے شمار خوش قسمت افراد کے ذہنوں میں محفوظ ہیں، جنہوں نے اقبال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔شمیم حیات سیال کی مرتبہ یہ کتاب آئینہ ادب لاہور سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔اقبال کی زندگی کی یہ لفظی تصویریں کسی فرد واحد کی قلمی کاوش کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس میں کم و بیش اقبال پر کام کرنے والے سبھی وادب الاحترام بزرگ شامل ہیں، اس سے اس کتاب کی ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔کتاب کے تعارف میں پروفیسر سمیع اللہ قریشی مرتبہ کی اس کاوش کو سراہتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''عزیزہ شمیم نے اس مجموعے کو ترتیب دیتے ہوئے رد و اختیار کا ایک کٹھن مرحلہ بڑے ہی حزم و احتیاط کے ساتھ مگر بڑی ہی کامیابی سے طے کیا ہے۔اقبالیات کے سمندر کی غواصی اور وہ بھی ایک خاص نقطہ نظر سے کہ صدف تلاش کر کے لایا جائے۔جان کا ہی کا متقاضی ہے۔عزیزہ شمیم نے اقبال سے متعلّق معنی خیز یادوں کے موتیوں کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہمارے سامنے لا رکھا ہے۔''اقبال بڑا اُپدیشک''میں اقبالیات کے اُفق پر یادوں کی ایک دھنک ہے جو

ہماری توجہ کو بے اختیار اپنی جانب جذب کر رہی ہے۔''(۲)

کتاب کی مصنفہ نے مختلف کتب، خطوط اقبال کے مجموعوں اور مختلف رسائل و جرائد میں سے حیات اقبال کے مختلف مرقعے منتخب کر کے اس کتاب میں (شامل) جمع کر دیے ہیں۔اس کتاب میں کل ۱۵۳ مرقعے جمع کیے گئے ہیں۔ یہ مرقعے حیات اقبال کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہیں۔ان میں اقبال کی ذاتی زندگی، شخصیت و کردار و سیرت اور خیالات کی جھلکیاں بھی دستیاب ہیں اور ان کی پیغمبرانہ اور فلسفیانہ شخصیت و افکار پر بھی روشنی پڑتی ہے اور بعض مرقعوں سے اقبال کی بذلہ سنجی، ظرافت اور حس مزاح کے بارے میں پتا چلتا ہے۔کتاب کیشروع میں ڈاکٹر یوسف حسین خاں، مولانا مودودی اور قائداعظم کی اقبال کی شخصیت کے مختلف گوشوں سے متعلّق آراء درج کی گئی ہیں، جن سے ان کے ذہن اور زندگی کی وسعت، طبیعت کی ہمہ گیری، بہترین کتاب قرآن مجید سے بے پناہ دلچسپی اور عقیدت، تعلیمات اسلام کی پیروی اور اسلام کے اصولوں پر غیر متزلزل یقین کے بارے میں پتا چلتا ہے۔

اس کتاب میں زیادہ تر خلیفہ عبدالحکیم، خالد نظیر صوفی، ڈاکٹر جاوید اقبال، عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر، محمد طاہر فاروقی، خواجہ عبدالحمید، ڈاکٹر عاشق بٹالوی، عطیہ بیگم، میاں ایم اسلم، سید وحیدالدین فقیر، رشید احمد صدیقی، مولانا مودودی، عبداللہ قریشی، سر عبدالقادر، حمید احمد خاں، ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور عبدالسلام ندوی کے بیان کیے گئے مرقعے درج کیے گئے ہیں۔اس کے علاوہ کتاب کی مرتبہ نے اقبال کے عطیہ فیضی بیگم، غلام بھیک نیرنگ، ظفر احمد صدیقی، عبدالرب نشتر، ریاض الحسن، انشاء اللہ خاں، عباس علی اور سر راس مسعود کے نام لکھے گئے خطوط سے اقبال کی شخصیت کے دلچسپ اور فکر خیز خیالات و واقعات پر مشتمل مرقعے مختصر اقتباسات کی صورت میں منتخب کر کے اس کتاب میں جمع کیے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ اقبال کے خطبات و تقاریر اور ملفوظات وغیرہ سے بھی اقتباسات جمع کیے گئے ہیں۔اقبال شناسی کی فہرست میں اپنا نام شامل کرنے کی غرض سے ادھر ادھر سے مضامین جمع کر کے کتاب شائع کرنے کا رجحان عام ہو چکا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی رجحان کے تحت مرتب کی گئی ہے لیکن اب یہ کتاب اقبال شناسی کے نقطہ نگاہ سے زیادہ اہمیّت کی حامل نہیں ہے۔

''اقبال دورِ جدید کی آواز'' / مولفہ: سلطان مہر

کتاب ''اقبال جدید دور کی آواز'' کا تعلّق اقبالیات کے اس حصّے سے ہے جس میں مختلف لوگوں کے لکھے گئے مضامین منتخب و مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیے جاتے ہیں۔اس کتاب کی مولفہ سلطانہ مہر ہیں اور یہ ادارہ تحریر، کراچی سے پہلی بار دسمبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔

اس کتاب میں کل 12 مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ مولفہ کا اپنا ایک مضمون بعنوان ''علی گڑھ تحریک میں اقبال کا حصّہ'' بھی کتاب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر کرار حسین، ڈاکٹر جمیل جالبی، پروفیسر منظور حسین شور، احمد ندیم قاسمی، شان الحق حقی، پروفیسر مجتبیٰ حسین، سلیم احمد، افتخار احمد مدنی، ڈاکٹر جان جوزف، سعید رضا سعید اور کمال الدین احمد کے مضامین شامل ہیں۔ کتاب میں شامل مضامین کے عنوانات: اقبال- سوشلزم اور اسلام، خطوط اقبال کی اہمیّت، ڈاکٹر اقبال میری نظر میں، اقبال کا نظریہ فن، غزل کا سفر سعدی سے اقبال تک، پیام اقبال ایک مسیحی کی نظر میں، اقبال اور حب الوطنی اور اقبال اور سرمایہ داری ہیں۔ تمام مضامین بہت اہم ہیں۔ یہ اقبال کے فکر وفن کے مختلف پہلوؤں کا نہایت خوبصورتی، اختصار اور جامعیت کے ساتھ احاطہ کرتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں مولفہ کا اپنا 6 صفحات پر مشتمل مضمون بعنوان ''علی گڑھ تحریک میں اقبال کا حصّہ'' بھی شامل ہے۔ مضمون کے آغاز میں مصنفہ نے علی گڑھ تحریک کو برصغیر کی ترقی پسند تحریک قرار دیا ہے جو رجعت پسندی اور تنگ نظری کے خلاف چلائی گئی تھی۔ تاریخ پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید، علامہ اقبال، مصطفے کمال، جمال ناصر، قائداعظم غرض جن لوگوں نے بھی کسی مسلمان قوم کو حیات نوبخشی اور کوئی عظیم کارنامہ کر کے دکھایا ان سب کا تعلّق بلا استثنا اعتدال پسندوں سے تھا۔ ترقی کی راہ ہمیشہ روشن خیالوں نے ہی دکھائی ہے۔ رجعت پسندوں نے محض اپنی قوم کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔ سرسید تحریک کے پرجوش حامیوں نے مسلمان بچوں کو جدید علوم کے مطالعے سے محروم رکھنے کی کوشش کرنے والے رجعت پسند طبقے کے خلاف ایک تسلسل کے ساتھ ''ملاازم'' کی مخالفت کی اتنی شدت اور مستقل مزاجی کے ساتھ شاید کوئی اور یہ فریضہ انجام نہ دے سکا۔ اقبال ایک پڑھے لکھے اور نہایت روشن خیال انسان تھے۔ مصنفہ افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''آج رجعت پسند عناصر انہیں غلط رنگ میں پیش کرنے کی مہم چلا رہے ہیں تا کہ نئی نسل کو اس کا اصل چہرہ دکھانے کی بجائے خود اپنے مسخ چہرے سے متعارف کریں۔ اس مہم میں ذرائع ابلاغ بھی شامل ہیں اور اقبال کا وہ کلام جس میں انہوں نے علی گڑھ تحریک کے مخالفین کو بے نقاب کیا ہے، نہ آج کل کوئی شائع کرتا ہے نہ ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ پر اسے پیش کیا جاتا ہے۔''(۳)

اقبال شاعری، موسیقی، رقص، تصویر کشی اور سنگ تراشی سبھی کو فنون لطیفہ اور یکساں طور پر پاکیزہ قرار دیتے ہیں۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ جدید علوم کی مخالفت کرنے والے رجعت پسند عناصر تہذیب وثقافت کے ان پانچ بنیادی ستونوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں مگر اقبال اس تنگ نظری کے حامی نہیں ہیں۔ اقبال فرنگی کی سیاسی غلامی اور ملا، شیخ، واعظ اور پیر کی ذہنی غلامی کے بجائے من کی دنیا کو مثالی دنیا قرار دیتے ہیں اور اس دنیائے آب وگل کو بھی اپنی مثال

من کی دنیا کی مانند بنانا چاہتے ہیں۔علامہ اقبال جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال لوگوں کے اس نظریے کے حامی ہیں کہ جب علم کے حصول کے لیے چین جانے کا حکم دیا گیا ہے تو علم سے دنیاوی علم مراد لیا گیا ہے نہ کہ دین کا علم۔ جبکہ ہمارے ملاو?ں نے علم کو صرف علم دین بنالیا اور محض اسی بنا پر مسلمان ساری دنیا میں جدید علوم کے حصول کے لحاظ سے سب سے پیچھے رہ گئے۔اقبال مسلمانوں کی زبوں حالی اور پسماندگی کا سب سے بڑا سبب پیر پرستی اور ملائیت کو گردانتے تھے اور وہ مسیحیت کی طرح اسلام میں پاپائیت کے قائل نہ تھے۔

اقبال جانتے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی تحریک، خواہ وہ سیاسی ہو یا علمی کی قیادت مذہبی رہنماو?ں کے ہاتھ میں نہیں ہونی چاہیے اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ اسلامی تاریخ میں جن لوگوں نے واقعی عظیم کارنامے کر دکھائے ہیں ان میں سے کوئی بھی ملا نہیں تھا۔قیام پاکستان جیسی عظیم تحریک ہمارے سامنے ہے۔جس کی قیادت ملاؤں نے نہیں کی بلکہ ان کی مخالفت کے باوجود روشن خیال اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں نے اسے کامرانی تک پہنچایا۔

مصنفہ مضمون کے آخر میں علی گڑھ کی تحریک کی ضرورت اور اقبال کے نامکمل مشن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ آئین نو سے ڈرنے اور طرزِ کہن پر اڑنے والے رجعت پسند آج بہت طاقتور ہو چکے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ علی گڑھ تحریک اور اقبال کے مشن یعنی روشن خیالی کی تحریک اور رجعت پسندی کے خلاف مشن کو نئے سرے سے جاری کیا جائے۔مصنفہ مضمون اور مولفہ کتاب کا یہ مضمون منفرد نوعیت کا حامل مضمون ہے۔اس مضمون سے علامہ اقبال کی علی گڑھ تحریک کی حمایت بطور ایک ترقی پسند تحریک پسندیدگی، روشن خیالات اور رجعت پسندوں، ملاؤں پر کڑی تنقید کے بارے میں پتا چلتا ہے۔

''اقبال غیر مسلموں کی نظر میں''

مرتبین: شمیم حیات سیال، محمد حیات سیال

شمیم حیات سیال اور محمد حیات سیال کی مرتبہ کتاب ''اقبال غیر مسلموں کی نظر میں'' علامہ اقبال کے یادگاری سال ۱۹۷۷ء میں مکتبہ شاہکار اردو بازار، لاہور سے شائع ہوئی۔یہ کتاب ان مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ جو غیر مسلموں نے علامہ اقبال کی شخصیت اور شاعری پر مختلف اوقات میں لکھے۔اس کتاب میں جن غیر مسلموں کے اقبال پر لکھے گئے مضامین شامل ہیں، ان کے نام رام رام بابو سکسینہ، مالک رام، ڈاکٹر نکلسن، نربھے رام جوہر، سر مالکم ڈارلنگ، سردار گوربچن سنگھ، ہنس راج رتن، مہاراجہ سرکشن پرشاد، رش برک ولیمز، پروفیسر م-ت-استیتا س، ڈاکٹر بوسانی، رابندر ناتھ ٹیگور، تلوک چند محروم، کلدیپ کوردیپ، این میری شمل، جگن ناتھ آزاد اور سر تیج بہادر

سپرو ہیں۔

اس کتاب میں کل ۲۱ مضامین شامل ہیں۔ان میں ڈاکٹر نکلسن ،ڈاکٹر بوسانی،این میری شمل اور جگن ناتھ آزاد کے مضامین نمایاں ہیں۔اس کتاب کا اقبالیات میں اقبال شناسی کے حوالے سے کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ مرتبین نے اقبال شناسوں کی صف میں شمولیت کی خاطر کچھ ایسے نامور مصنّفین کے مضامین مرتبہ کر کے کتابی صورت میں شائع کیے ہیں جو غیر مسلم ہیں۔

''فکر اقبال کا تعارف''

مصنفہ: لوس کلوڈ میتخ ----مترجم: ڈاکٹر سلیم اختر

فرانسیسی متشرق خاتون لوس کلوڈ میتخ نے ۱۹۵۵ء میں علامہ اقبال کے فلسفیانہ تصورات کی توضیح میں ایک کتاب INTRODUCTION,S LA PENSEE DR.IQBAL لکھی جو پیرس سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ اس کا انگریزی اور اردو زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ کتاب صرف ۹۳ صفحات پر مشتمل ہے مگر مصنفہ نے اختصار کے باوجود فکر اقبال کے اہم ترین گوشے منور کیے ہیں۔ڈاکٹر سلیم اختر نے ''فکر اقبال کا تعارف'' کے عنوان کے تحت اس انگریزی ترجمے کو اُردو زبان کے قالب میں ڈھالا اور یہ اردو ترجمہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور کی طرف سے اکتوبر ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ ۱۱۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مترجم ڈاکٹر سلیم اختر کے پیش لفظ کے علاوہ اصل کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، کا اُردو ترجمہ شامل ہے۔مترجم ڈاکٹر سلیم اختر کتاب کے بارے میں ''پیش لفظ'' میں کہتے ہیں:

> ''آٹھ ابواب پر مشتمل یہ مختصر کتاب اگر چہ اپنے نام کی مناسب سے واقعی'' فکر اقبال کا تعارف'' ہے لیکن مندرجات پر ایک نگاہ ڈالتے ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ مصنفہ نے علامہ اقبال کے فلسفیانہ افکار اور ان سے وابستہ اساسی مباحث کی تشریح سے خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا ہے''۔ (۴)

اس کتاب کے کل آٹھ ابواب ہیں۔ پہلے اور آخری ابواب کو چھوڑ کر جن میں علامہ کی حیات وتصانیف اور ان کے شاعرانہ محاسن کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، بقیہ تمام ابواب فلسفہ اقبال کی توضیح کے لیے وقف ہیں۔اقبال کا فلسفہ شخصیت، انسان کامل اور مثالی معاشرہ، اقبال کی مابعد الطبیعات اور فلسفہ مذہب، اقبال اور مشرقی فکر یہ وہ تمام ابواب ہیں جن پر ''فکر اقبال کا تعارف'' کی بنیاد استوار کی گئی ہے۔

اس کتاب کا پہلا باب ''اقبال- حیات وتصانیف'' ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔اس باب میں مصنفہ نے علامہ

اقبال کی حیات اور تصانیف کے بارے میں مختصراً تعارف پی کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ شاعر، نثر نگار، فلاسفر، ماہر لسانیات، سیاستدان، ماہر قانون اور معلم اقبال کی عظیم صلاحیتوں میں بے حد تنوع ہے۔ اقبال نے اپنا شعری ورثہ اُردو اور فارسی دو زبانوں میں چھوڑا ہے اور اُردو اور انگریزی میں نثر نگاری کے جوہر دکھاتے ہوئے فلسفہ، اقتصادیات، سیاسیات اور ادب ایسے موضوعات پر قلم اُٹھایا۔اس کتاب کا دوسرا باب ''اقبال کا فلسفہ شخصیت'' ۱۲صفحات پر مشتمل ہے۔اس باب میں مصنفہ نے اقبال کا فلسفہ سیاست واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اقبال کی شاعرانہ حیثیت کو سمجھنے کے لیے ان کے فلسفے کے مطالعے کو اشد ضروری قرار دیا ہے۔فلسفہ اقبال میں شخصیت کے تصور کی اہمیّت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اقبال اسے خیر و شر اور مذاہب واقدار سے وابستہ مسائل کے حل کی کلید گردانتے ہیں۔تیسرا باب ''انسان کامل اور مثالی معاشرہ ۱۱صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں مصنفہ نے اقبال کے تصور انسان کامل اور مثالی معاشرے کی وضاحت کی ہے۔

اس کتاب کا چوتھا باب ''اقبال کی مابعدالطبیعات اور فلسفہ مذہب'' پر روشنی ڈالی گی ہے۔اقبال کی مختصر کتاب ''فلسفہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' ان کے فکری ارتقاء میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔اقبال صوفیاء کے برعکس وجدان کا اپنی ذات سے آغاز کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں وجدان معمولات کے تجربات سے قریب تر ہو جاتا ہے اور اقبال وجدان ذات سے نکل کر حقیقت مطلق تک پہنچ جاتے ہیں۔کتاب کا پانچواں باب ''اقبال اور مشرقی فکر'' ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔اس باب میں مصنفہ اقبال کو ذاتی اُپج رکھنے والا مفکر قرار دیتے ہوئے، اپنے وسیع مطالعے اور وسیع تر ثقافتی آفاق کے باوجود ان کے یہاں مستعار تصورات کی بازگشت کو تسلیم نہیں کرتیں۔ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق:

> ''فکر اقبال کا تعارف اختصار کے باوجود نہ صرف یہ کہ فکر اقبال کے بعض اہم گوشوں پر روشنی ڈالتی ہے بلکہ کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مصنفہ نے اسلام کی صورت میں فکر اقبال کو اس کے درست تناظر میں رکھ کر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔یہی نہیں بلکہ وہ اسلام پر ہی کلیت کو استوار بھی دیکھتی ہے۔'' (۵)

مصنفہ نے کتاب کے چھٹے باب ''اقبال اور مغربی فکر'' میں جو کہ 8 صفحات پر مشتمل ہے، اقبال پر یونانی فلسفے سے لے کر کانٹ، برگساں اور نطشے کے فلسفیانہ اثرات کی بطور خاص تردید کی ہے۔مثلاً نطشے کیضمن میں وہ رقم طراز ہیں:

> ''بعض ناقدین نے اقبال پر نطشے کے فلسفیانہ اثرات کے بارے میں غلو سے کام لیا ہے اس حد تک گویا اقبال اس کا ایک ادنیٰ شاگرد ہو لیکن یہ انداز نظر غلط ہے اور کوتاہ بینی پر مبنی !'' (۶)

کتاب کا ساتواں باب ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس باب میں مصنفہ نے اقبال کا بحیثیت شاعر مطالعہ پیش کیا ہے۔ مصنفہ کے نزدیک اقبال اس امر کے قائل تھے کہ کسی بھی قوم کی روحانی صحت کا انحصار اس کے شعراء اور مصوروں کے لیے محرک بننے والے خیالات وتصورات پر ہوا کرتا ہے۔ اقبال غیر مبہم اور واضح الفاظ میں فن برائے فن کے تصور کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حقیقی شاعر کا مقصد محض الفاظ کی موسیقی پیدا کرنا نہیں بلکہ دوسروں کو بیدار کرنا سمجھتے ہیں۔ مصنفہ لکھتی ہے:

''بحیثیت شاعر اقبال کے ہاں غضب کا تنوع ملتا ہے اقبال نے غنائیہ، فلسفیانہ، رزمیہ اور مابعد الطبیعی شاعری کی ہے اس کے ساتھ ہی مرثیہ، غزل، طنز اور رباعیات لکھنے پر بھی انہیں عبور حاصل تھا اسی طرح اردو فارسی دونوں ہی میں وہ باآسانی اپنے خیالات کے اظہار پر قادر تھے۔ اقبال کے ہاں ہمیں کلاسکیت اور رومانیت کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے ان کی شاعری عالمگیر کشش کی حامل ہے کیونکہ اس کا مرکزی نکتہ انسان کی ذات ہے۔''(۷)

اس کتاب کے آٹھویں اور آخری باب میں مصنفہ نے منتخب غزلیات کے عنوان کے تحت اقبال کی ۲۷ غزلیات درج کی ہیں۔ غزل اردو اور فارسی کی قدیم اور مقبول ترین صنف ہے۔

''اقبال'' از: عطیہ بیگم----مترجم: ضیاءالدین برنی

عطیہ بیگم کی اقبال کے خطوط پر مبنی کتاب کا ترجمہ ضیاءالدین برنی نے کیا اور یہ کتاب اقبال اکادمی پاکستان لاہور سے تین بار طبع ہو چکی ہے۔ پہلی بار یہ کتاب ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی، دوسری بار ۱۹۶۹ء اور تیسری بار ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے آغاز میں مترجم کی تمہید ہے جو 5 صفحات پر محیط ہے۔ بقول مترجم:

''میں دلی مسرت کے ساتھ علامہ اقبال مرحوم کے ان خطوط کو جو انہوں نے محترمہ عطیہ بیگم صاحبہ کے نام انگریزی زبان میں تحریر کیے تھے اُردو کا لباس پہنا رہا ہوں۔ ان خطوط کا سلسلہ ۱۹۰۷ء سے شروع ہوتا ہے۔''(۸)

اقبال کے عطیہ بیگم کے نام لکھے گئے بہت سے خطوط امتداد زمانہ کی نذر ہو گئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر وہ تمام خطوط دستیاب ہو جاتے تو اقبال کی عظیم المرتبت شخصیت کے وہ خدوخال جو ابھی تک پردہ اخفا میں ہیں، روشنی میں آ جاتے اور دنیا کو ان سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ عطیہ بیگم کے نام لکھے گئے اقبال پر یہ خطوط ان کی زندگی سے متعلّق گہری دلچسپی کے حامل ہیں۔ اگر عطیہ بیگم اقبال کو عالم یاس وقنوطیت سے باہر نہ نکال لاتیں تو نہیں معلوم کہ وہ رجحان طبیعت کہاں جا کر ختم ہوتا۔

بعض خطوط اقبال کے ذاتی خصائص اور اوصاف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً کتاب میں شامل دو خطوط جو ۳۰ مارچ ۱۹۱۰ء اور ۷/اپریل ۱۹۱۰ء کو لکھے گئے، سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سچّی دوستی کے بھوکے تھے اور جہاں کہیں

انہیں سچّی دوستی میسر آتی تھی وہ اس کی دل سے قدر کرتے تھے۔ کچھ خطوط ایسے بھی ہیں کہ جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال نے دنیاوی وجاہت کی کبھی پروانہیں کی۔ اگر چہ ان پر برے وقت بھی آئے لیکن وہ بدستور سابق فلسفی، شاعر اور خواب دیکھنے والے ہی رہے۔ ان خطوط سے اقبال کی طبیعت کا ایک بالکل نیا پہلو ہمارے سامنے آتا ہے۔ اقبال جو کہ اپنی شاعری میں یقین واُمید اور بہادری اور عزم واستقلال کی تعلیم دیتے نظر آتے ہیں اپنی ذاتی زندگی میں مصائب اور دلی وذہنی اضطراب کا شکار نظر آتے ہیں۔ جیسے عطیہ فیضی کے نام پر ایک خط میں لکھتے ہیں میری زندگی سخت مصیبت بنی ہوئی ہے۔ وہ مجھ پر کوئی سی بھی بیوی زبردستی منڈھ دینا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنے والد کو لکھ دیا ہے کہ انہیں میری شادی ٹھہرانے کا کوئی حق نہیں تھا بالخصوص جب میں نے اس قسم کے تعلّق میں پڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ انسان ہونے کی حیثیت سے مجھے مسرت اور خوشی حصال کرنے کا حق ہے۔

اس خط سے اقبال کے اندر مایوسی، ناامیدی اور شدید اضطراب جھلکتا ہے۔ اس انتہائی مایوسی کے عالم میں وہ یہاں تک کہہ اُٹھتے ہیں کہ" کسی اچھے خدا کے بجائے ذہنی طور پر کسی قادر مطلق شیطان پر یقین لے آنا زیادہ آسان ہے۔ ان خطوط سے اقبال؟ اور عطیہ بیگم کے باہمی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ ضیاء الدین برنی کے ذاتی مشاہدات سے بھی اس امر کی تاید ہوتی ہے کہ اقبال؟ ان کے ساتھ خصوصیّت سے پیش آتے تھے اور خود عطیہ بیگم بھی ان کی عظیم المرتبت شخصیت کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں۔ اقبال نہ صرف انہیں اپنی نظمیں بھیجتے تھے اور ان سے تنقید کے طالب ہوتے تھے بلکہ انہوں نے اپنے مقالے بھی یونیورسٹی میں بھیجنے سے قبل انہیں پڑھ کر سناتے تھے اور انسے درخواست کی تھی کہ وہ ان پر تبصرہ کریں۔ چنانچہ بعض خطوط سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اقبال ان کے تبصروں سے ایک حدتک مستفید بھی ہوئے۔ عطیہ فیضی کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں جو ان کے دلی جذبات کو سمجھتی ہو۔ ان کی قنوطیت کو دور کر کے ان میں امید، روشنی اور سکون پیدا کرسکتی ہو۔ بہر حال یہ دو یکساں طبیعت رکھنے والے افراد کی کبھی نہ ٹوٹنے والی دوستی تھی جو خطوط کی شکل میں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہی۔ اقبال کے عطیہ بیگم کے نام لکھے گئے انگریزی خطوط انشاء پردازی کے اعتبار سے اعلیٰ لٹریچر میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔

یہ محض خطوط نہیں بلکہ عطیہ بیگم نے اقبال کی زندگی کے واقعات کو خطوط کی روشنی میں اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ ایک منفرد چیز بن گئے ہیں۔ مصنفہ نے کتاب کی اشاعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اقبال کے خطوط اور یورپ میں ان کی تعلیمی زندگی کے بارے میں اپنے تاثرات کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ ان کا اپنا نہیں تھا۔ اقبال کے خطوط اور دوران تعلیم ان کے بارے میں اپنے تاثرات کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا مشورہ انہیں نواب حسن یار جنگ نے دیا اور عطیہ بیگم نے اس مشورے کو قبول کرتے ہوئے اس مجموعہ کو پبلک کو روبرو پیش

کر دیا۔مصنفہ نے اقبال سے متعلّق اپنے تاثرات کوقلمبند کیا ہے اور اقبال سے اپنی پہلی ملاقات کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ پھر مصنفہ کے نام لکھے گئے بارہ خطوط کا مترجم نے ترجمہ پیش کیا ہے۔ان خطوط میں اقبال نے مصنفہ سے اپنے چھوٹے بڑے مسائل کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنی نظمیں انہیں لکھ بھیجی ہیں۔اس کتاب میں مترجم نے عطیہ بیگم کی ڈائری کے وہ حصّے بھی شامل کیے ہیں، جن کا تعلّق اقبال کی ذات گرامی سے ہے۔اس ڈائری کے یہ حصّے پہلی اپریل ۱۹۰۷ء سے ۴ستمبر ۱۹۰۷ء تک کے واقعات پر محیط ہیں۔مترجم نے ڈائری قریب قریب انہی کے الفاظ میں دی ہے البتہ بعض جگہوں پر فنی ترمیمات کر کے سقم یا اس کی انگریزی پن کو دور کر دیا ہے۔اس کتاب سے اقبال کی شخصیت کے ظاہری و باطنی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو جیسے بذلہ سنجی، برجستگی اور حس مزاح سامنے آتے ہیں۔ ہمارے ہاں اقبال کو محض ایک فلسفی، مفکر اور شاعر مانا جاتا ہے مگر عطیہ بیگم کے نام لکھے گئے ان خطوط اور ان کی یادداشتوں اور تاثرات سیاقبال کا انسانی پہلو ہمارے سامنے آتا ہے۔

اس کتاب میں مترجم نے اپنا مضمون ''ایک بھولی ہوئی صحبت'' بھی شامل کیا جو انہوں نے ۲۷/اپریل ۱۹۴۶ءکو اقبال ڈے کے موقع پر پڑھا تا، جو انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی کے ہال میں نواب حسن یار جنگ بہادر امیر پائیگاہ حیدرآباد کی زیرصدارت منایا گیا تھا۔اس جلسہ کو عطیہ بیگم نے ترتیب دیا تھا۔اس مضمون میں مترجم نے علامہ اقبال کے ساتھ گزاری ہوئی صحبتوں کی یادوں کو دہرایا ہے اور اقبال کے ساتھ گزارے گئے لمحات کو اپنی زندگی کے بہترین اوقات میں شمار کیا ہے۔اس کے بعد مترجم نے ۱۱اقبال کے خطوط کے عکس بھی پیش کیے ہیں اور کچھ نظموں اور اشعار کے عکوس بھی دیے گئے ہیں جو اقبال نے عطیہ بیگم کو مختلف اوقات میں لکھ کر بھجوائے تھے۔

مصنفہ کی اسی انگریزی کتاب کا ترجمہ عبدالعزیز خالد نے کیا ہے جو آئینہ ادب انارکلی لاہور سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ان دونوں تراجم کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو دونوں تراجم اپنی اپنی جگہ اچھے ہیں لیکن عبدالعزیز خالد کے ترجمے میں ذرا مشکل اردو کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ضیاء الدین برنی کا اردو ترجمہ زیادہ آسان، سہل اور رواں ہے اور اصل متن سے زیادہ قریب تر نظر آتا ہے۔مثال کے طور پر عطیہ بیگم کے نام اقبال کے لکھے گئے ایک ہی خط کے دو تراجم کا تقابلی جائزہ درج ذیل ہے:

عبدالعزیز خالد کے ترجمہ سے ایک مختصر اقتباس:

> ''نظم کی نقل کے لیے جواز راہ کرم آپ نے ارساں فرمائی ہے، سراپا سپاس ہوں۔ مجھے اس کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے شعر مختصر کرنے کی کوشش کی لیکن بار بار کی کوشش کے باوجود نہ کر سکا۔''(۹)

اب ضیاءالدین برنی کا کیا ہوا ترجمے کا ٹکڑا ملاحظہ کیجیے:

''بہت بہت شکریہ نظم کی نقل کا جو آپ نے از راہ مہربانی مجھے بھیجی ہے۔ مجھے اس کی سخت ضرورت تھی۔ میں نے ان اشعار کو یاد کرنے کی کوشش کی مگر بار بار کی کوششوں کے باوجود میں ایسا نہ کر سکا۔''(۱۰)

عبدالعزیز خالد کی ترجمہ کی گئی کتاب میں اقبال کا عطیہ بیگم کے نام لکھا ہوا آخری خط ۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ء کا ہے۔ضیاءالدین برنی کی طرح عبدالعزیز خالد نے بھی اس کتاب کے آخر میں اقبال کے عطیہ بیگم کو لکھے جانے والے خطوط اور ان کو لکھ کر بھیجی گئی نظموں کے اصل مسودات کے عکوس شامل کیے ہیں۔اقبال کو سمجھنے کے لیے یہ ایک بے مثال کتاب ہے۔

GABRIAL,S WING
professor dr.annemorie schimmel
مترجم:''شہپر جبریل''(ڈاکٹر محمد ریاض)

ڈاکٹر این میری شمل کا پسندیدہ موضوع اقبالیات رہا ہے۔انہوں نے ترکی اور جرمن زبان میں اقبال کی بعض کتابوں کو منتقل کرنے کے علاوہ Gabriel,s wing ایسی شہرہ آفاق کتاب بھی تحریر کی ہے۔اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں علمی تلاش وجستجو کی غرض سے انہوں نے کئی ماہ تک پاکستان میں قیام کیا۔برلن میں زمانہ طالب علمی کے دوران ہی اقبال کے اشعار اور افکار سے شمل کی آشنائی ہوئی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی۔۱۹۵۴ء میں اقبال پر اپنی پہلی تحریر کی اشاعت کے بعد سے انہوں نے اقبال کے فکروفن کے مختلف پہلوو?ں پر مختلف زبانوں میں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔۱۹۶۲ء میں اقبال کے دینی افکار کے مبسوط مطالعہ پر مبنی Gabriel,s wing منظر عام پر آئی جس کو ۱۹۷۴ سے ۱۹۸۱ء کے دوران کسی بھی غیر ملکی زبان میں اقبال پر لکھی جانے والی بہترین تصنیف قرار دیا گیا ہے۔Gabriel,s wing پہلی بار ۱۹۶۲ء میں ہالینڈ سے شائع ہوئی اور مغرب میں اسے بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔یہ کتاب اقبال کے فکروفن بالخصوص ان کے دینی افکار کا تحقیق وتنقیدی مطالعہ ہے۔پاکستان میں ڈاکٹر محمد ریاض نے اس کتاب کی اہمیّت کے پیشِ نظر سے ''شہپر جبریل'' کے نام سے اردو میں منتقل کیا ہے۔پہلی بار اقبال اکادمی نے اسے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا،اس کے بعد گلوب پبلشرز اردو بازار لاہور سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔اردو ترجمہ سے اس کتاب کی افادیت کا دائرہ وسیع تر ہو گیا ہے۔ڈاکٹر محمد ریاض مقدمہ میں اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مجموعی طور پر اقبال پر لکھی جانے والی عمدہ اور اعلیٰ کتابوں میں سے ایک ہے۔ جس طریقے سے مصنفہ نے اقبال کے مذہبی افکار کو اسلام کے اساسی عقائد اور ایمان مفصل کی ترتیب سے پیش کیا، یہ ان کی جدت اور ندرت کا آئینہ دار ہے اور اس انداز کی اقبال پر کوئی کتاب اب تک نہیں لکھی گئی۔''(۱۱)

ڈاکٹر این میری شمل نے اس کتاب میں اقبال کے افکار کے حوالے سے اسلام کے بنیادی تصورات یعنی ارکان اسلام پر بحث کی ہے اور واضح کیا ہے کہ اقبال نے مسلمان مفکر کی حیثیت سے روایتی اسلوب فکر کو کہاں تک اپنایا، کن اجزائے بحث کو ترک کر دیا اور کن باتوں کی نئے اور غیر متوقع انداز میں وضاحت کی ہے۔ عصر اقبال کے برصغیر کی مذہبی حالت کا ایک خاکہ، حیات اقبال کا ایک خلاصہ اور شاعر کے فن اور اس کے مذہبی افکار کا ایک مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مشرق و مغرب کے فلسفہ کے اقبال پر مثبت یا منفی اثرات کا ذکر ضروری تھا مگر مصنفہ نے اس کی تفصیلات پیش نہیں کیں کہ فکر اقبال کس حد تک فکر مغرب پر مشتمل ہے یا یہ کہ اقبال نے مغربی افکار کو کس طرح فکر اسلامی کے مطابق تبدیل کیا ہے۔ اقبال کے سیاسی اور اجتماعی افکار میں بھی صرف اس صورت میں بحث کی گئی ہے کہ جب وہ اقبال کی فکر مذہبی کا جز و لاینفک نظر آئے ہیں۔ مصنفہ نے اپنے پیشروؤں کی تحریروں سے طویل اقتباسات نقل کرنے کے عمل سے اجتناب برتا ہے۔ ڈاکٹر شمل نے اس تصنیف کے بارے میں اپنے تحقیقی موقف کی وضاحت اس طرح سے کی ہے میری خواہش یہ رہی ہے کہ اقبال خود بولتا نظر آئے نہ کہ اس کے شارح۔ چونکہ ابھی تصانیف اقبال جزوی طور پر انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہیں، لہٰذا یہ کتاب میں اصل کتابوں سے حوالے دینا ضروری سمجھا گیا ہے۔ میری کوشش یہ رہی ہے کہ اس کتاب میں اقبال کے طرزِ فکر، ان کے اسلوب، بحث ان کی دردمندی اور مذہب سے ان کے اطمینان، قلب حاصل کرنے کی کیفیت کو منعکس کر دوں۔ اگرچہ کتاب کے کچھ حصّے میں تصانیف اقبال کے بارے میں میرے ذاتی محاکموں سے باز رہوں۔

اقبالیات ادب میں گراں قدر مقام کی حامل ''شہپر جبریل'' پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب حیات و تصانیف اقبال کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ پہلا باب میں مصنفہ نے علامہ اقبال کے فکر وفن بالخصوص ان کے دینی افکار کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ سے قبل اقبال کے زمانہ میں برصغیر کی مذہبی حات حیالت اقبال، تصانیف اقبال کے جمالیاتی پہلوؤں اور اقبال کے دینی محرکات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

مصنفہ حضرت داتا گنج بخش کی صوفیانہ واردات اور اسلامی تصوف کے بارے میں منظّم کتابوں کا ذکر کرتی ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش نے اپنے صوفیانہ اخلاق سے پنجاب کے لوگوں پر بہت اثر ڈالا تھا۔ بقول مصنفہ:

''برصغیر میں اشاعت اسلام کا کام ان ہی جیسے لوگوں نے انجام دیا ہے۔ یہاں کے بادشاہوں، جرنیلوں اور

سیاستدانوں کا وجود مسلم، مگر تبلیغ اسلام کا کام زیادہ صوفیائے کرام نے ہی انجام دیا ہے۔صوفیہ نے فقہا کی طرح مذہبی موشگافیوں پر توجہ نہ دی۔وہ سادہ طریقے سے دین اسلام کے علمی پہلو سمجھاتے اور لوگوں کے دل میں محبت خداوندی کا شعلہ فروزاں کرتے رہتے ہیں۔''(۱۲)

حضرت داتا گنج بخش کے علاوہ اجمیر کے خواجہ معین الدین چشتی، دہلی کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ گیسو دراز، خواجہ نظام الدین اولیاء، بدایونی نقشبندیہ سلسلے کے شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی، بابا فرید گنج شکر، ملتان کے سہروردیہ سلسلے کے شیخ بہاؤالدین زکریا اور قادریہ سلسلے کے برصغیر میں اثر ونفوذ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

اقبال نے حضرت شیخ احمد سرہندی کے وحدالشہود کے عقیدے کو اسلامی نظام تعلیم کا عقیدہ قرار دیتے ہوئے ''جاوید نامہ'' اور ''بال جبریل'' میں حضرت کی تمدیح کی ہے اور اپنے انگریزی خطبات میں بھی انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔مصنفہ نے اس باب میں برصغیر کی تاریخ اسلام کے اس پس منظر کی وہ تمام اہم باتیں بیان کی ہیں جن میں محمد اقبال کی شاعری، فلسفے اور دینی افکار نے نشو ونما پائی اور ۱۹۱۵ء سے ان کی شاعری اور تصانیف نے جو رخ اختیار کیا تھا، اس سے انہوں نے نو کروڑ مسلمانان ہند کی تقدیر بدل دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔علامہ اقبال کے حالات، زندگی اور ان کی تصانیف جیسے زبور عجم، انگریزی خطبات، خطبہ الہ آباد، جاوید نامہ، مثنوی مسافر وغیرہ کے بارے میں تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔

مصنفہ نے تصانیف اقبال کے جمالیاتی پہلو کا جائزہ لیا ہے۔اقبال کے ہاں پیغمبرانہ افکار کی بہتات ہے۔مصنفہ کے نزدیک اقبال کا محبُوب موضوع خودی ہے یا پھر برصغیر میں اسلام کی نشآ ثانیہ ان کے افکار کا مرکز ثقل یہی دو موضوعات ہیں۔اقبال کے نزدیک وہی فن ابدی ہے جس میں شاعر یا صاحب فن کا خون جگر شامل ہو۔وہ اقبال کے فلسفہ جمالیات کا منتہائے مقصود یہ قرار دیتی ہیں کہ شاعری سے فعال تاریخ اور تاریخ ساز پیغمبری کا کام لیا جائے۔مصنفہ نے اقبال کے دینی محرکات کے عنوان کے تحت اقبال کی دلچسپی کے موضوعات اور مضامین جیسے مذہب، علم کلام اور فلسفہ کو ان کی فکری سرگزشت بتایا ہے۔ان کے نزدیک اقبال کے پیغام کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ مسلمان قرون اولیٰ کے اسلام کی سادگی اور برجستگی اپنائیں اور اس طرح وہ برکات دوبارہ حاصل کریں جن سے وہ اس وقت محروم ہیں۔اقبال کی مذہبی اصولوں کو عقل یا سائنس کی روشنی میں بیان کرنے کے قائل نہ تھے کیونکہ حقیقی مذہب عقل اور سائنس کا محتاج نہیں ہوتا۔وہ معاصر عالم اسلام کو چار اموات ملائیت، تصوف، ساہوکار اور حاکم کے وجود کا شکار قرار دیتے ہیں۔

دوسرے باب ''اقبال کی پانچ ارکان اسلام کی تشریح'' میں مصنفہ نے ارکان اسلام لاالٰہ الا اللہ (توحید) محمد

رسول اللہ (رسالت)، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کی تشریح کی ہے۔ مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ اقبال کے افکار عقیدہ توحید کے نظام کے تابع ہیں۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو خدا کی وحدت کا مظہر ہوتے ہوئے انسان کی انفرادی زندگی کو وحدت دیتا اور مذہبی و سیاسی احزاب کو یکتائی بخشتا ہے۔ اقبال نے مثنوی رموز بے خودی، بال جبریل اور پس چہ باید کرد وغیرہ میں بار بار عقیدہ توحید سے متعلّق ان نکات کی وضاحت کی ہے کہ توحید مسلمانوں کو غیر معمولی ایمانی قوت مہیا کرتی ہے۔ یہ مرد مسلمان کے ہاتھ میں ایک شمشیر برہنہ ہے۔ مصنفہ کے نزدیک لا الہ الا اللہ کی دینی اہمیّت کے علاوہ صوفیانہ شاعری اور ہنر وفن یعنی فنون لطیفہ میں بھی بڑی اہمیّت ہے اس کے علاوہ فارسی شعراء ان کلمات کو عمیق صوفیانہ و عارفانہ معنی میں بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔

اقبال عقلیت پسند مفسرین اور صوفیانہ قیاسات سے گزرتے ہوئے خدا کے قرآنی تصور پر توجہ مبذول کرتے ہیں اور خدا کو ازلی وابدی خودی قرار دیتے ہیں۔ پہلی کتاب جس میں اقبال؟ نے اپنے تصور خودی کو نمایاں طور پر بیان کیا، مثنوی اسرار خودی ہے، اس میں اقبال؟ خدا کو خود ایک فرد قرار دیتے ہیں جو غیر معمولی، یکتا اور بے نظیر ہے۔ اقبال اشاعرہ کے کائنات کے تکمیل یافتہ ہونے کے نظریے کے برعکس کہتے ہیں کہ ہر لحہ تغیّر پذیر ہے اور اس کے ذرے ذرے میں ذات مطلق کی فعالیت کے ذریعے تغیّر و تبدل آتا رہتا ہے۔ ''یزید فی الخلق'' کے قرآنی کلمات اس سلسلے میں انہیں دلائل فراہم کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ خودی مطلق کے بحر ذخار سے نئے امکانات اور مضمرات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور اس کے مظاہر کائنات زمان مسلسل اور مکان میں مشہود ہوتے ہیں۔ اقبال کے فلسفہ اور علم کلام یعنی دینی افکار کا مرکزی نقطہ احساس خودی اور تعیّن ذات ہے۔ عقل اور عشق دونوں کا منبع ذات الٰہ ہے۔ اقبال ذاتی طور پر عشق کی توصیف اور عقل محض کی تنقیص کرتے ہیں مگر وہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے مربوط و متصل قرار دیتے ہوئے اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہیں کہ یہ دونوں قوتیں کس طرح ہم آہنگ ہوں اور ان کے مفید نتائج سامنے آسکیں۔ اقبال نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کے زیر اثر یہ مختلف نظریات فرد کے لیے ہی نہیں بلکہ ملت کے لیے بھی پیش کیے ہیں۔ ان کا فلسفہ خودی بالخصوص جملہ مسلمین کے لیے ہے۔ ان کے نزدیک مسلم قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جسے توحید، ختم رسالت اور ایک مرکز یعنی کعبۃ اللہ سے تقویت ملتی ہے۔

تیسرے باب میں مصنفہ نے ایمان مفصل کی توضیح کی ہے۔ یہ باب صفحہ ۲۴۷ سے لے کر ۳۸۶ تک محیط ہے۔ اس باب میں مصنفہ نے ایمان مفتی یعنی ''**امنت بالله وملئكة وكتبه ورسله**'' **واليوم الاخر، والقدر خيره وشره من الله تعالىٰ** کی اقبال کی روشنی میں وضاحت کی ہے۔ مصنفہ اقبال کے تصور ابلیس کو اہمیّت دیتے ہوئے بیان کرتی ہیں۔ اقبال کے ہاں ابلیس کا ذکر بہت زیادہ ملتا ہے اور ان کے متنوع بیان اور

توجیہات سے ابلیس ایک نئی اور دل آویز شخصیت کے طور پر مجسم ہوتا ہے۔ مصنفہ نے اقبال کے تصور ابلیس کی وضاحت ابن حلاج، گوئٹے، الجیلی اور اطالوی مستشرق بوسانی کے حوالے سے کی ہے۔ اقبال فقہ اسلامی کی ابدی حیثیت اور اس کی ارتقا پذیری پر زور دیتے ہوئے دلائل دیتے ہیں کہ فقہ اسلامی ہر عصر کا ساتھ دے سکتا ہے۔ وہ مصلحین اور مجددین اجتہاد کی ضرورت پر بھی ہمیشہ زور دیتے رہے۔ اقبال بت شکنی کی علامت کو وسیع تر معانی کے لیے استعمال کرتے ہوئے وطنیت، ملوکیت، استعمار، اشتراکیت اور کئی دوسرے تصورات کو بت قرار دیتے ہیں اور مومنوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ ابراہیم؟ اور ان بتوں کو پاش پاش کرنے کی کوشش کریں۔

مصنفہ نے اقبال کے تصور زمان، وقت اور ابدیت کی وضاحت بھی کی ہے۔ اقبال حدیث قدسی ''زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ زمانہ خدا ہے'' کے حوالے سے اس بات کا اثبات کرتے رہے کہ زمان و مکان دونوں خدا کا عکس ہیں۔ وہ زمان مسلسل کو انسانی زندگی میں بے حد موثر مانتے ہیں اور یہی زمان مسلسل خودی محدود کو خودی مطلق کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ زمان وابدیت کے منبع زندہ خدا کے ساتھ رابطہ انسان کو ابدی شان عطا کرتا ہے پھر انسان خارجی زمان مسلسل کا غلام اور مرکب نہیں رہتا بلکہ اس کا راکب بن جاتا ہے۔ مصنفہ اقبال کے تصور وقت کے متعلّق اپنی ذاتی رائے پیش کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ اب تک اقبال کے تصور وقت کی وضاحت کی خاطر کئی کوششیں کی جا چکی ہیں۔ اقبال کی تصانیف میں ارتقائے پیہم اور خدا کی ذات، ابدی کے پرتو سے مستفید ہونے کی آرزو نمایاں ہے۔ اقبال معین اور طے شدہ تقدیر کے قائل نہ تھے۔ وہ انسان کو ایک تقدیر شکن قوت قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ زندانی تقدیر نہیں ہے وہ احکام الٰہی کا پابند ضرور ہے مگر خدا نے اسے آزادی تقدیر دے رکھی ہے۔

اس کتاب کا چوتھا باب ''فکر اقبال پر مغرب و مشرق کے اثر اور صوفیہ و تصوف کے ساتھ ان کے روابط پر ایک اجمالی نظر'' پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں فکر اقبال پر مشرق و مغرب کے اثرات اور ان کے تصوف سے متعلّق خیالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنفہ بیان کرتی ہیں کہ ایک طرف اقبال اہل مغرب سے اپنے امتنان کا اظہار کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کی شاعری بالخصوص یورپ کی محبت سے عاری اور مادی زندگی کی انتہائی سخت ناقد ہے۔ وہ یورپین مستشرقین کے قائل نہیں کیونکہ ان کی مجموعی طور پر اور خصوصاً اہل مشرق کی تہذیب اور فلسفے کے سلسلے میں تحقیقات سرسری اور ادھوری نوعیت کی ہوتی ہیں اور سیاسی پروپیگنڈے یا تبلیغی مقاصد کے تحت ہوتی ہیں۔ اقبال افلاطونی فلسفہ اور تصوف کے زبردست ناقد رہے۔ مصنفہ نے جن مغربی فلسفیوں کا ذکر اقبال کی نظم و نثر میں بہت آیا اور جن کے افکار کے اثرات ان پر پڑے، مصنفہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ہیگل، برگساں، نطشے، فشٹے، آئن سٹائن اور کارل مارکس کے علاوہ مغربی شعراء ایمرسن، لانگ فیلو، گوئٹے، ٹینی سن، لارڈ بائرن، پٹوفی،

براؤننگ، ملٹن، ڈانٹے، ہائنے اور شیکسپیئر شامل ہیں۔

حصّہ مشرق میں مصنفہ اقبال کو اساساً مشرقی روایت کا پیرو قرار دیتے ہوئے ان کی ابتدائی تحریروں پر برصغیر کے ماحول کی بنا پر ہندو روایت اور کلاسیکی ہندو فلسفے کے اثرات کی نشاندہی کی ہے۔ جیسے بھرتری ہری، گوتم بدھ، وشواتر اور ہندوؤں کے رزمیہ رامائن کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو روایات سے بہ خوبی آگاہ تھے۔ اقبال پر دو صوفیاء حسین ابن منصور حلاج اور جلال الدین رومی کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔ انوہوں نے متداول فلسفیانہ اور مذہبی طریقوں کو دعوت مبارزت دینے کی مناسبت سے کیمبرج کے اپنے استاد ڈاگر میلٹگرٹ کا ابن حلاج سے موازنہ کیا۔ کیونکہ ان کے ندیک میلٹگرٹ نے ذاتی بقائے دوام کا فلسفہ اس وقت پیش کیا کہ جب مغرب میں اس اہم عقیدہ کی اساس ویران ہو رہی تھی اور اس سلسلے میں اس نے مسیحیت کے تصور خدائے ماوراء کی پرواہ نہ کی۔ لہٰذا اس کی یہ جرات منصور حلاج کی جرات سے مشابہ ہے۔ اقبال نے کئی موقعوں پر اپنے آپ کو ابن حلاج کے مثیل اور مماثل قرار دینے کے علاوہ ان کی کتاب ''الطّواسین'' کے حوالے سے نبوت اور ابلیس کے موضوع کو چھیڑا ہے۔

اقبال کے تصور تصوف کی وضاحت کرتے ہوئے مصنفہ کا کہنا ہے کہ تصوف کے تصور فنا کو وہ فنائے ذات و خودی کے معانی میں لیتے ہیں اور یہ تصور ان کے لیے ناقابل قبول رہا ہے اور اس تصور کا انہوں نے نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ اقبال نے قادریہ سلسلے میں بیعت کر رکھی تھی مگر جذباتی طور پر وہ نقشبندیہ مجددیہ طریق سے اقرب تھے اور چشتیہ سلسلے کے ایک بزرگ شیخ غلام نظام الدین اولیاء دہلوی سے انہوں نے خصوصی ارادت کا اظہار کیا ہے۔ اقبال ہندوو?ں کے گرو، بدھوں کے کشیش اور مسلمانوں کے پیر و مرشد سبھی کو روحانی تجربے کے مظہر قرار دیتے ہیں۔ وہ نظام مرشدیت کی خرابی سے بخوبی آگاہ تھے مگر ان روحانی پیشواو?ں کی قدر بھی کرتے تھے۔

پانچویں اور آخری بات میں مصنفہ نے اپنی تمام تر بحث کا حاصل پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر شمل کے نزدیک اقبال بالیقین ایک مبلغ فلسفی تھے لیکن مختلف اور متضاد امور کے تجزیہ اور ترکیب کرنے کی ان میں حیرت انگیز صلاحیت تھی۔ وہ اجزائے ترکیبی کو بڑی آسانی سے ایک وحدت بنا کر پیش کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ مملکت پاکستان کی ایک تشکیل ساز قوت بھی ہیں۔ افکار اقبال اس نو بنیاد ملک پاکستان کی تخریبی اور تفرقہ ساز قوتوں کے مقابلے میں سپر کا کام بھی دے رہے ہیں۔ مثلاً کمیونزم کے اثرات کے خلاف اقبال کے افکار کی بے حد اہمیّت ہے۔ مصنفہ اقبال کے تصور خودی کے ضمن میں کہتی ہے:

> ''تصانیف اقبال کا مہتم بالشان تصور خودی ہی ہے۔۔۔۔۔ ان کے تصور میں انسان جملہ چیزوں کا پیمانہ نہیں۔ انسان اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ وہ ترقی کرتا رہے اور خدا سے قریب تر ہو جائے۔۔۔۔۔ ان کے تصور میں عبدیت اور

ارتقائے انسانی کا امتزاج موجود ہے۔''(۱۳)

اقبال اسلام کے خالص اور اصل چہرے کو بے نقاب دیکھنے کے آرزومند تھے۔ ایسا اسلام جس میں یونانی، نوافلاطونی، عجمی، ہندی اور مغربی افکار کی آمیزش ہو، انہیں گوارا نہ تھا۔ اقبال کی پوری شخصیت دین اسلام کی وحی نبوت کی روشنی میں تعبیر نو کرنے کے لیے وقف رہی۔ وہ ہر عصر اور معاشرے کی ضروریات کا سامان اپنی تصانیف میں سمو گئے تھے۔ اقبال کو پیغمبر کہنا تاریخ ادیان اور دین اسلام کے عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ شہپر جبریل سے ضرور مس ہوتے ہیں۔

کتاب کا آخری حصّہ کتابیات پر مشتمل ہے۔ یہ حصّہ دو طریقوں سے پیش کیا گیا ہے۔ اپہلے میں اقبال کی اور ان پر کتب اور پھر عام تصانیف اور عام حوالے کی تصانیف کی فہرست ہے۔ مترجم نے ڈاکٹر این میری شمل کتابیات کی تلخیص اس لیے پیش کی ہے کہ یہ مفید بھی ہے اور اس سے ان کی محنت وعرق ریزی بھی ظاہر ہوتی ہے اور اس ضمن میں کتب اقبال کے سال اشاعت اور دیگر اغلاط کی درستی پر بھی توجہ دی گئی ہے۔

اقبال شناسی کی روایت میں بلاشبہ جرمن مستشرق اقبال شناس خاتون ڈاکٹر این میری شمل کسی تعارف کی محتاج نہیں اور اس ضمن میں ان کی خدمات کو ہمیشہ سراہا جاتا رہے گا لیکن ساتھ ہی اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ان کے خیالات تنقید و تجزیہ سے یکسر ماورا نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے اسلام، پاکستان، روحانیت اور خصوصاً اقبالیات سے بے پناہ لگاؤ رکھنے اور اقبالیات سے متعلقہ کئی نایاب اور نادر مقالات لکھنے والی اس عظیم المرتبت سکالر کی علمی دریافتوں کو ابھی تک اعلیٰ سطح پر موضوع تحقیق نہیں بنایا جا سکا ہے۔

مصنفہ کے علم و فضل کا اندازہ ''شہپر جبریل'' کی ایک ایک سطر سے ہوتا ہے کہیں کہیں انگریزی زبان کا سقم کے باوجود ساری کتاب کی عبارت قارئین کو بدرجہ اتم متاثر کرتی ہے۔ شمل شاعرہ بھی ہے اس لیے اس کتاب کا انداز بیان اکثر جگہوں پر شاعرانہ ہو گیا ہے۔ یہ انداز بیان اگرچہ کتاب کی دلکشی میں اضافہ کرتا ہے لیکن تحقیقی و تنقیدی نثر کے لیے یہ انداز بیان مناسب نہیں۔ یہ کتاب اگرچہ اقبال کے مذہبی افکار سے متعلّق ہے مگر اقبال کی شاعری پر کام کرنے والوں کے لیے بھی اس میں نہایت مفید نکات موجود ہیں۔ شمل کا نقطہ نظر ایک محبّ اقبال، محقق اور مداح کا ہے۔

''اقبالیات کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ'' / مرتبین: زمرد محمود، محمود الحسن

شاعر مشرق علامہ اقبال پر بے شمار کتب شائع ہو چکی ہیں اور ان کے فکر و فن اور شعر و فلسفہ پر تحقیقی کام اب بھی

جاری ہے۔ان کے کلام کے اسرار ورموز کو سمجھنے کی بھر پور کوشش کی جارہی ہے۔مرتبین کا اس حوالے سے کہنا ہے :طالبان اقبال اس شاعر اور فلسفی کے پیام کو سمجھنے میں مصروف ہیں۔ان کی رہنمائی کے لیے کچھ اہل قلم نے جامع قسم کی کتابیات تیار کی ہیں۔صد سالہ تقریبات کے موقعہ پر چند ارباب نے ان کے کلام کے اشاریے بھی تیار کر دیے ہیں۔

زمرد محمود اور محمود الحسن کا اشاریہ بعنوان ''اقبالیات کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ'' علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔یہ اشاریہ ایک لحاظ سے کتابی ضرورت کو بھی پورا کرتا ہے۔کیونکہ اس میں جن کتب ورسائل کی فہرست مضامین کو مرتب کیا گیا ہے،ان کی عنواناتی فہرست بھی شامل کر دی گئی ہے۔مرتبین کی یہ کاوش نہ صرف قومی وملکی سطح پر اردو وانگریزی دان عقیدت بعنوان اقبال کی معلومات میں اضافہ واستفادہ کی باعث ہے بلکہ غیر ملکی وبین الاقوامی سطح پر بھی محققین وشارحین اقبال اپنی طبع آزمائیوں کے لیے نئی سمتوں اور نئے زاویوں کا تعیّن کرنے کے لیے اس اشاریے کا استعمال معاون و مددگار ہے اور ناقدین اقبال تقابلی مطالعہ اور مطالعاتی جائزہ لیتے وقت اپنی آراء ونقد ونظر کو مزید وزنی بنا سکتے ہیں اور مستند حوالے کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔اس ''موضوعاتی اشاریہ'' کو مطالعات اقبال کے لیے حوالہ جاتی کلید بنانا ہی مرتبین کا اصل مقصد ہے۔

اشاریہ کی ترتیب الفبائی ہے۔سر اندراج موضوعاتی عنوان ہے۔ ہر اندراج کے تحت قوسین میں کتاب وغیرہ کا نام،اس کے مصنف یا مرتب،سال اشاعت اور صفحات کے شمار دیے گئے ہیں تاکہ مضمون کی وسعت، گہرائی اور حوالے کی صحت قائم رہے۔جن کتابوں سے موضوعات یا ذیلی عنوانات اس شمارے میں شامل کیے گئے ہیں ان کی علیحدہ فہرست یا عنوانی اشاریہ بھی دے دیا گیا ہے۔جیسے: آبادی وجہ معیشت (علم الاقتصاد): جس کا عمل سیاست دان ہے از شیخ محمد اقبال، ۱۹۷۷ء ص ۲۴۷-۲۵۶) کل اندرجات کا شمار تقریباً ۳۷۱۹ ہے جنہیں اردو، فارسی اور عربی کتب وغیرہ سے لے کر شامل کیا گیا ہے۔اندرجات شامل کرتے وقت ان میں کسی قسم کی تحریف نہیں کی گئی۔الفبائی ترتیب میں بھی اندراجات کو جوں کا توں رکھا گیا ہے۔حروف وار اندراجات اس لیے درج کیے گئے ہیں کہ اگر جامع ایڈیشن کو بعد ازاں اجزاء کی صورت میں پیش کرنا پڑے تو ان کی ضخامت اور جزوی تقسیم کا اندازہ لگایا جا سکے۔

IQBAL AS I KNEW HIM
By doris ahmed

علامہ اقبال کے گھر کی منتظمہ اور ان کے بچوں جاوید اقبال اور منیرہ اقبال کی گورنس جرمن خاتون ڈورس احمد کی علامہ کے یہاں رہائش کے دوران کی یادوں، گھر کے ماحول، بچوں، اپنی آمد اور پھر ڈیوٹی کے اوقات کار، علامہ کے رشتہ داروں اور دوست احباب سے متعلّق یادوں پر مشتمل انگریزی کتاب Iqbal As I Knew Him اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کل ۶۱ صفحات پر مشتمل ہے جن میں سے متن پر مبنی صفحات کی تعداد ۴۵ ہے۔ باقی صفحات ڈورس احمد (مصنفہ) جاوید اقبال اور منیرہ کی تصاویر پر مشتمل ہیں۔

کتاب کو دو ابواب میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلا باب بعنوان Arrival ۳ صفحات پر مشتمل انتہائی مختصر ہے۔ اس میں مصنفہ نے علامہ اقبال کے یہاں اپنی آمد کا سارا حال بیان کیا ہے۔ علامہ اقبال اپنی بیگم سردار بیگم کے ۱۹۳۵ء میں وفات کے بعد گیارہ سالہ جاوید اقبال اور پانچ سالہ منیرہ کی وجہ سے کافی پریشان تھے۔ انہوں نے اپنے دوستوں کو کہا کہ کوئی مناسب خاتون جو گھر اور بچوں دونوں کو احسان طریق سے سنبھال سکے، تلاش کریں۔ ان دوستوں میں سے ایک پروفیسر رشید احمد صدیقی بھی تھے جو علی گڑھ یونیورسٹی سے منسلک تھے۔ مصنفہ ان دنوں اپنی بہن کے ہاں علی گڑھ میں قیام پذیر تھیں۔ جن کی شادی ڈاکٹر اصغر علی حیدر صدر شعبہ نباتات علی گڑھ یونیورسٹی سے ہوئی تھی۔ مصنفہ نے پروفیسر رشید احمد صدیقی کے یہ کہنے پر کہ ایک تو یہ ملازمت ان کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے اور دوسرے یہ کہ علامہ اقبال نے جب سے ان کے بارے میں سنا ہے وہ چاہتے ہیں کہ مصنفہ ان کے گھر اور بچوں کو سنبھالیں، کیونکہ وہ جرمن خواتین کے بہت معترف ہیں، اس ملازمت کے لیے حامی بھری۔ چنانچہ وہ جاوید منزل واقع میوروڈ میں آ گئیں۔ مصنف نے اپنی پہلے دن جاوید منزل میں آمد سے متعلّق یادداشتوں کو جزئیات سمیت صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔

دوسرا باب خاصا طویل ہے۔ اس باب میں مصنفہ نے مختلف عنوانات کے تحت اپنی رہائش، روزانہ کی مصروفیات، لباس، گھر اور ملازمین، بچوں یعنی جاوید اور منیرہ، چوہدری محمد حسین، منشی طاہر دین، راجہ حسن اختر، ڈاکٹر عبدالحمید، ڈاکٹر جماعت سنگھ، خلیفہ عبدالحکیم اور دوسرے حصّے میں علامہ اقبال کے رشتہ داروں شیخ عطا محمد، کریم بی بی، زینب اور پھر دو عنوانات .Dr sahiba,s last days اور Dr Sahiba,s will کے تحت ان سے

متعلّق یادداشتوں کو رقم کیا ہے۔ مصنفہ جاوید منزل میں اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں لکھتی ہیں:

"I moved into the inner rooms of the housewiththechildrenandstartedtrying tomaketheplacelook right and cheerful for them.Dr.Sahibhad asked me to take over the duties of running the household's supervise the kitchen and the servants besides my primary resion sibilities of looking after javed and munira."(۱۴)

مصنفہ کی اس کتاب سے علامہ اقبال سے متعلّق بہت سی معلومات دستیاب ہوتی ہیں۔ چونکہ وہ علامہ اقبال کے یہاں بطور منتظمہ اور بچوں کی گورنس کے رہائش پذیر رہیں۔ لہٰذا انہوں نے علامہ اقبال کے مزاج، شخصیت، عادات، دوستوں، ملازموں، بچوں کے اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات کا گہرا مشاہدہ کیا تھا۔ وہ علامہ اقبال کی تلاوت قرآن کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوئیں۔ علامہ مکمل طور پر مذہبی آدمی تھے۔ پھر مصنفہ کے مطابق علامہ ان کے ساتھ بہت مشفقانہ اور نرم برتاؤ رکھتے تھے۔ وہ انہیں گھر اور بچوں کی بہتری و بہبودی سے متعلّق مفید مشوروں سے نوازتی تھیں اور وہ تحمل اور بردباری کے ساتھ سنتے اور قبول بھی فرماتے تھے۔ علامہ اقبال جاوید منزل میں بہت سادہ لباس زیب تن کرتے تھے اور عموماً رات کو گھر میں تہبند پہنتے تھے۔ سردیوں میں کشمیری دھسہ یا شال اوڑھتے تھے۔ شلوار قمیص وہ بہت کم پہنتے تھے۔ دیگر گھریلو چھوٹی بڑی معلومات کے علاوہ مصنفہ نے ان کے دیرینہ دوستوں مثلاً سر راس مسعود اور ڈاکٹر تاثیر وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ان کے مداحین اور دوست جن میں خلیفہ عبدالحکیم، راجہ حسن اختر، ڈاکٹر عبدالحمید، ڈاکٹر تاثیر وغیرہ اکثر آیا جایا کرتے تھے۔

مصنفہ کی آخری دو یادداشتیں اقبال کے حوالے سے بہت اہمیّت کی حامل ہیں۔ Dr. sahiba,s last days میں علامہ اقبال کی زندگی کے آخری ایام کے بارے میں اور Dr.sahiba,s last will میں علامہ کی وصیّت کے بارے میں یادیں اور معلومات درج ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنی وفات سے قبل اپنی بگڑتی ہوئی طبیعت کے پیش نظر وصیّت میں بچوں کی نگرانی کی ذمہ داری کے لیے چوہدری محمد حسین، منشی طاہر دین اور شیخ اعجاز احمد کو مقرر کیا۔ مصنفہ علامہ اقبال کی وفات کے بعد بھی جاوید منزل میں اگلے اٹھائیس سالوں تک مقیم رہیں۔ بعد ازاں ۱۹۶۲ء میں ویسٹ برلن روانہ ہوگئیں مگر جاوید اور منیرہ کی شادیوں اور دیگر خاندانی تقریبات میں شرکت کے لیے وقتاً فوقتاً لاہور آتی رہیں۔ مصنفہ کو ۱۹۷۷ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے اقبال کے خاندان کی خدمات کی وجہ سے خصوصی میڈل اور سند امتیاز سے نوازا گیا۔

''اقبال شناسی اور محمل'' مرتبہ: ڈاکٹر شمیم ملک

زیرِنظر مجموعہ مضامین گورنمنٹ اسلامیہ کالج برائے خواتین کوپر روڈ، لاہور کے مجلّہ ''محمل'' کے اوراق پارینہ ہیں جو کہ ڈاکٹر وحید قریشی معتمد اعزازی بزم اقبال کے کتابی صورت میں شائع کرنے کے عزم وارادے کے تحت مرتبہ نے ترتیب دیے ہیں۔ یہ کتاب بزم اقبال، لاہور سے دسمبر ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی، اس کے ناشر ڈاکٹر وحید قریشی معتمد اعزازی بزم اقبال کلب روڈ، لاہور ہیں۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ''محمل'' میں شائع ہونے والے خواتین کے اقبال پر اردو مضامین ۱۰۶ پر اور انگریزی مضامین ۴۸ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ''کتاب محمل'' ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یوں اس کتاب کا متن ۱۶۰ صفحات پر محیط ہے۔ اس کتاب میں کل ۲۴ مضامین شامل ہیں۔ ان میں سے ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے مضمون کے علاوہ اردو مضامین خواتین کے لکھ گئے ہیں اور ۱۷ انگریزی مضامین شامل ہیں۔

حصّہ اردو میں مسز زہرا معین، مسز نوید نسیم، ڈاکٹر زاہدہ پروین، مسز ریحانہ آصف، ذکیہ، مسز شناور ڈوگر، ثریا بانو، مس مبارکہ انجم سراج، مس فیض بتول بخاری، مسز عظمیٰ علی، مس آمنہ عنایت، مس الطاف فاطمہ، مس محسنہ قریشی، خزینہ کوثر اور ڈاکٹر زاہدہ پروین کے مضامین کے علاوہ ڈاکٹر شمیم ملک کی مرتب کردہ کتابیات محمل شامل ہیں۔ حصّہ انگریزی میں مس ثریا ظفر، رفعت آرا قریشی اور مسز انیس افتخار کے مضامین کے علاوہ میاں امیر الدین اور تنویر شفیق کے مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں۔

زہرا معین کے مضمون ''حیات اقبال (بیک نظر)'' میں اقبال کی زندگی کے حالات و واقعات، خاندان، ولادت، تعلیم، شادیوں، ان کے اہم اساتذہ، مصروفیات، وفات، شعری و نثری تصانیف کا مختصر مگر جامع جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مسز نوید نعیم نے اپنے مضمون ''اقبال اور قرآن'' میں علامہ اقبال کو مجدد عصر اور ہمارے خزاں دیدہ چمن میں قافلہ بہار کا طائر پیش رس قرار دیا ہے جس کے دل پذیر نغموں سے ملت اسلامیہ کی مردہ رگوں میں زندگی کا خون دوبارہ دوڑنا شروع ہوا تھا۔ وہ اقبال کو شاعر فرد اقرار دیتے ہوئے ان کے مقصد حیات اور پیغام کے بارے میں کہتی ہیں:

> ''کتاب اللہ کے اسرار و حکم بیان کرنے آیا تھا۔ اسی کی نظر و اشاعت اس کا مقصد حیات تھا۔ وہ کام و دہن کی تلخیوں کو اسی سے دور کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اسی سے درس حکمت لیا تھا۔ مہد سے لے کر لحد تک اس کے لبوں پر یہی پیغام تھا۔ اس کی آنکھیں اسی کے نور سے روشن تھیں۔ اس کا دل و دماغ نور قرآن ہی سے مستنیر تھا۔'' (۱۵)

''اقبال کا نظریہ وحدت الوجود'' ان کا اس کتاب میں شامل پہلا مضمون ہے۔ اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ

اقبال ابتدائی ایام میں نظریہ وحدت الوجود کی حمایت کرتے رہے اور ان کے کلام میں یہ نظریہ پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہے۔ اقبال کا یہ نظریہ سفر یورپ سے قبل اور قیام یورپ کے دوران قائم رہا۔ وہاں انہوں نے جدید فلسفیوں اور منکروں کے خیالات کو جانچا اور اپنے فلسفہ خودی کی داغ بیل ڈالی۔ ان کا نظریہ خودی درحقیقت اس روایتی وجودی فلسفے کی تردید ہے۔ اب انہوں نے وحدت الوجود کو ایک غیر تسلی بخش فلسفے کی حیثیت سے مسترد کر دیا۔ کیونکہ فلسفہ وحدت الوجود فنائے ذات ہے۔ اقبال بڑے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ قوموں کی بقا کا سبب وجود خودی ہے نہ کہ فنائے خودی۔ انہوں نے وحدت وجود کو نظری اور عملی لحاظ سے غلط و مضر سمجھا اور ان خیالات کا سختی سے محاسبہ کیا۔ وہ قوم میں بے ہمتی، تساہل اور قناعت کے بجائے قوت، حرکت اور توانائی کی تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ وہ توحید قرآنی کے قائل ہیں جو فلسفیانہ اور متصوفانہ وحدت الوجود سے متمیز ہے۔ انسان ایک صاحب اختیار ہستی ہے کیونکہ قرآن اسے اپنے افعال پر ایک گونہ قدرت عطا کرتا ہے۔

ڈاکٹر زاہدہ پروین کا دوسرا شامل کتاب مضمون ''اقبال اور عورت'' ہے۔ اس مضمون میں مصنفہ نے علامہ کے عورت کے بارے میں نظریات کا جائزہ لیا ہے۔ اقبال عورت کے صحیح مقام، اس کی ذمہ داری اور اس کی فطری صلاحیتوں کو نہایت خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ عورت کی اجتماعی زندگی کے بارے میں اقبال نے اپنے مجموعہ کلام میں بحث کی ہے۔ وہ مرد و عورت کی مکمل مساوات کے قائل نہ تھے۔ کیونکہ قدرت نے دونوں کو جدا جدا خدمتیں تفویض کی ہیں۔ وہ عورت کی ایسی تعلیم کی سفارش کرتے ہیں جو اسے دین کی صحیح روح سے آشنا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد سے آگاہ کر دے اور ایسی تعلیم کے مخالف ہیں جو عورت کو اولاد کی تربیت سے غافل، خانگی امور سے بے پروا اور مذہب سے بدظن کر دے۔ اقبال عورت کی ترقی جدید کی رفتار اور اس کے مستقبل کو بھیانک تصور کرتے ہیں۔ دراصل وہ عورت کو شمع انجمن کے بجائے چراغ خانہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے خیال میں جلوت کے بجائے خلوت میں عورت کے جوہر زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔

مسز ریحانہ آصف کا مضمون ''اقبال کا انسان کامل'' ۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مضمون میں مصنفہ نے اقبال کے تصور انسان کامل کو بیان کیا ہے جو خلافت الٰہیہ کے اسلامی تصور پر مبنی ہے۔ پھر اقبال کے انسان کامل اور نیٹشے کے فوق البشر میں فرق کو واضح کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک انسان کامل کا نصب العین یہ ہے کہ اس کی ذات میں جلالی اور جمالی صفات کی موزوں ترکیب موجود ہو اور وہ سوز و گداز زندگی کا رمز شناس ہو۔ اقبال کا مرد مومن انسانیت کا اکمل نمونہ اور ان تمام صفات سے متصف ہے جو تسخیر عالم کے لیے ضروری ہیں اس کے ساتھ ہی وہ فقر کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ وہ وقت کا شکار نہیں ہوتا۔ بلکہ وقت کا شکاری ہوتا ہے۔ غرض اقبال کا انسان کامل

خدا کا نام لیوا، مذہب کا شیدائی، سوز و گداز سے آراستہ صفات انسانی سے پیراستہ بلکہ خود صفات خداوندی سے متصف ہے۔

ذکیہ کا مضمون ''اقبال کا مردمومن'' بھی اسی نوعیت کا ہے۔ وہ اس مختصر مضمون میں اقبال کے مردمومن کا نمونہ رسول پاک کی صورت میں دنیا کے سامنے موجود قرار دیتی ہیں اور اقبال کے مردمومن کی صفات حق گوئی و بے باکی، فقر، خدا کی ذات پر بھروسہ، جلالی اور جمالی صفات اور جذبہ عشق گنواتی ہیں۔ مسز تسنیم شاہ ورڈوگرا اپنے مضمون میں اقبال کے فلسفہ تعلیم پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اقبال مغربی تہذیب، مغربی تعلیم اور خصوصاً فرنگی تعلیم سے سخت مایوس تھے۔ وہ اپنی قوم کے لیے ایسی تعلیم کے حق میں تھے کہ جو اہل دانش ہی نہیں اہل نظر بھی پیدا کرے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مغربی حکمت محض تیغ کارزاری ہے جس میں آزادی افکار تو ہے مگر فکر وتدبر سے عاری اور تفکر وتدبر کے سلیقے کے بغیر افکار کی آزادی انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ ہے۔

ثریا بانو نے اپنے مضمون ''اقبال کی غزل گوئی'' میں بیان کیا ہے کہ اقبال نے غزلیں کم اور نظمیں کثرت سے کہی ہیں۔ ان کی غزلوں کا بہترین حصّہ ''بال جبریل'' میں ملتا ہے اگرچہ ''بانگ درا'' کی غزلیں بھی بلند مقام رکھتی ہیں۔ اقبال نے غزل کو وسعت دے کر یہ ثابت کیا کہ غزل میں صرف حسن وعشق کے ہی مضامین ادا نہیں ہو سکتے بلکہ سیاسی اور تہذیبی موضوعات کو بھی جگہ دی جا سکتی ہے۔ ان کی شاعری میں خودی کو بلند کرنے، جدوجہد اور سعی پیہم کا سبق جگہ جگہ ملتا ہے۔ غرض یہ کہ اقبال وہ فلسفی شاعر ہے جس نے اپنی شاعری سے پوری ملت کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ انہیں اپنی زندگی میں ہی بے پناہ شہرت حاصل ہوئی۔

مبارکہ انجم سراج نے اپنے مضمون میں اقبال کی تمثال کاری کو موضوع بنایا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ اقبال کے ہاں موزونی طبع ان کے شاعرانہ مزاج سے پوری مطابقت کے ساتھ ملتی ہے اس کا ایک روپ ان کی تمثال کاری میں ملتا ہے۔ مصنفہ نے اقبال کی تمثال کاری اور نادر تشبیہات کی ان کے کلام سے مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

> ''یہ کہنا بجا ہوگا کہ اقبال نے تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کو ایسے خوبصورت انداز میں استعمال کیا ہے کہ اس تمثال کاری سے اردو ادب کی ثروت میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔ اقبال کی نظر میں ہمہ گیری اور آفاقیت نے ان کی تمثال کاری کو صوری و معنوی اعتبار سے ہمہ گیر بنایا ہے۔ درحقیقت اقبال نے اردو شاعری کو ایسا اسلوب وآہنگ دیا جو آج تک اردو ادب کو کوئی شاعر نہ دے سکا۔''(۱۶)

مس فیض بتول بخاری اپنے مضمون ''رومی واقبال'' میں بتلاتی ہیں کہ علامہ اقبال کی زندگی پر مولانا روم کی

مثنوی نے گہرا اثر ڈالا۔ اقبال مولانا روم کی قرآنی تعلیمات سے سرشار ہو کر قدم قدم پر مولانا روم کو اپنا پیرومرشد تسلیم کرتے ہیں۔ فکرِ اقبال کے ماخذ میں رومی کو سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ نیز مولانا روم اور اقبال میں مشترک قدروں کو بھی مصنفہ نے گنوایا ہے۔ مس عظمیٰ علی، مس آمنہ عنایت اور مس الطاف فاطمہ نے اقبال کی تین نظموں کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ ان نظموں میں گلِ رنگیں، ساقی نام اور خضرِ راہ شامل ہیں۔ ان میں مس الطاف فاطمہ کا مضمون ''خضرِ راہ کی ڈکشن- علامت اور استعارہ'' بہت اہم ہے۔ مس محسنہ قریشی نے اقبال کے کلام میں طنز ومزاح کے عنصر کو تلاش کیا ہے۔ جبکہ خزینہ کوثر نے ''علامہ صاحب اور رنگِ ظرافت'' کے عنوان سے علامہ اقبال کی شگفتگیِ طبع اور بذلہ سنجی کے چند مختصر مگر پُرمزاح واقعات درج کیے ہیں۔ حصّہ انگریزی مضامین میں مس ثریا ظفر کے دو مضامین بعنوان A lady --A blessing اور Iqbal view of holy quran شامل ہیں۔ رفعت آراء قریشی اپنے مضمون Iqbal,s philosophy of life and death میں اقبال کے نظریہ قوت اور زندگی پر روشنی ڈالتی ہیں۔ مسز انیس افتخار کے دو مضامین Attiya Faizi Glim pses of iqbal through اور Education in iqbal,s view شامل کتاب ہیں۔

مصنفہ کا کہنا ہے کہ اب نہ تو عطیہ فیضی زندہ ہیں اور نہ اقبال باقی ہیں مگر عطیہ فیضی کے نام خطوط ان دونوں کے مابین دوستی اور بے تکلفی کے غماز ہیں اور ان خطوط سے ثابت ہوتا ہے کہ اقبال ایک نارمل انسان تھے اور ان کا دل ہماری طرح دھڑکتا تھا۔ یہ بات ہمارے دل میں ان کے لیے زیادہ احترام اور محبت پیدا کرتی ہے۔ ''اقبال شناسی اور مجمل'' ڈاکٹر شمیم ملک کی اعلیٰ درجے کی کتاب ہے جس کی اہمیّت موجودہ عہد میں بھی مستحکم ہے۔

''اقبال'' (فیض احمد فیض) مرتبہ: شیما مجید

فیض احمد فیض کے اقبال پر لکھے گئے مضامین کو شیما مجید نے مرتب کیا اور یہ کتاب ''اقبال'' مکتبہ عالیہ لاہور سے پہلی بار ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ دوسری بار یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا منصوبہ اور خاکہ ناشر محمد جمیل النبی کے ذہن میں تھا۔ انہوں نے فیض کے ہمدمِ دیرینہ اور مزاج شناس مرزا ظفر الحسن کو کراچی خط لکھا۔ انہوں نے بے حد حوصلہ افزا جواب دیا۔ اس کتاب میں اس خط کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس جوابی خط سے نہ صرف اس کام کے ضمن میں ان کی معاونت پر آمادگی کا اظہار ہوا بلکہ بہت خوبصورت تحریر پر مبنی اس خط سے فیض سے ان کے ارتباط وتعلّق خاطر کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ یہ کتاب فیض احمد فیض کے 7 مضامین، کتاب ''روزگارِ فقیر'' پر لکھے گئے مقدمے، اقتباسات، دو نظموں اور دو انگریزی مضامین پر مشتمل ہے۔ فیض کے انگریزی میں لکھے گئے دو

مضامین کا اردو ترجمہ اردو مضامین میں دے دیا گیا ہے۔ ایک مضمون کا ترجمہ پروفیسر سجاد باقر رضوی نے کیا ہے جو ''نقوش'' لاہور میں شائع ہوا تھا۔ دوسرے مضمون کا ترجمہ کتاب کی مرتبہ کے کہنے پر شاہد علی نے کیا ہے۔ کتاب کی مرتبہ لکھتی ہیں:

> ''راقم الحروف یہ وضاحت ضروری خیال کرتی ہے کہ اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا محرک جذبہ فیض صاحب کے اقبال کے بارے میں خیالات کو یکجا دیکھنے کی خواہش کے علاوہ اقبال شناسوں کو اس ضرورت کی طرف متوجہ کرنا بھی ہے جس کا فیض صاحب نے ان مضامین میں احساس دلایا ہے۔ فیض صاحب کے خیال میں اقبال کے فکر و فلسفہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس باب میں اب بیشتر اعادہ و تکرار کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ فیض صاحب کے نزدیک اقبال کے فن پر کما حقہٗ توجہ نہیں دی گئی اور اقبال کی نظر سے اقبال کا مطالعہ (بھی) کسی نے نہیں کیا۔''(۱۷)

یہ کتاب ''اقبال'' شاعر مشرق کے فکر و فن پر فیض احمد فیض کی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ فیض احمد فیض کم نویس بھی ہیں اور مختصر نویس بھی۔ لہٰذا ان کے یہ تمام مضامین بہت مختصر ہیں۔ پہلے مضمون ''فن اور حصار فکر'' میں فیض اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ علامہ اقبال پر جو بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں وہ تقریباً سب کی سب یا تو ان کے پیام، فلسفے اور فکر سے متعلّق ہیں یا ان کی ذات اور سوانح کے بارے میں ہیں۔ ایسی کوئی کتاب نہیں کہ جس میں ان کے شعر کے محاسن اور خصوصیات بیان کی گئی ہوں۔ علامہ اقبال خود کو شاعر کہلانا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس کی وجہ سے لوگ ان کی فکر اور ان کے پیام کی طرف پوری توجہ دینے کے بجائے صرف شعر پر سر دھنتے رہیں گے۔ علامہ کے مداح یہ چاہتے تھے کہ انہیں حکیم، فلسفی یا مفکر ہی کی حیثیت میں جانچا جائے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر ان کی فکر یا ان کا پیام شعر کی صورت میں اظہار پذیر ہوا تو یہ محض اتفاقی یا ثانوی بات ہے۔ فیض رقم طراز ہیں:

> ''اگر کوئی مفکر نثر میں لکھنے کے بجائے اپنے خیال کے اظہار کے لیے شعر کا انتخاب کرتا ہے تو لازماً اس طریقۂ اظہار کی اپنی ایک مستقل حیثیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے اپنے منفرد خصائص کا مطالعہ واجب ہو جاتا ہے لیکن یہ مطالعہ بھی تسلی بخش جب ہی ہوتا ہے کہ شاعر اور شاعر کے فکر و پیام سے اس کا ربط پوری طرح ذہن میں واضح ہو اور پھر یہ دیکھا جائے کہ شاعر کی مختلف منازل میں اور اس کے طریقۂ اظہار یا ادائیگی کے اسالیب میں ارتقا کی کیا صورت رہی ہے۔''(۱۸)

اس نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو علامہ اقبال کے پورے کلام کے مطالعہ سے اولین تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایک مسلسل سفر اور مسلسل جستجو ہے۔ اس سفر اور اس جستجو میں ان کے ذہن نے جو جو منازل طے کی ہیں انہی کی مناسبت اور انہی کے تقاضوں سے ان کے اشعار کی لغت، پیرایہ اور ان کی ہیئت بھی بدلتی رہی ہے۔

فیض دوسرے مضمون کا عنوان اقبال کے شعر سے اخذ کرتے ہوئے سوز و ساز و درد و داغ و جستجو و آرزو کو اقبال

کی جذباتی کیفیت کے مختلف پہلو قرار دیتے ہیں۔ جو اقبال کے سارے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اقبال کے فکر و نظر کی کوئی منزل اور قول و شعر کا کوئی دور اس سے خالی نہیں۔ پھر وہ کلام اقبال کے پہلے دور کو بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس دور میں سوز و ساز اور درد و داغ کی کیفیت کا بنیادی پہلو یعنی تنہائی کا احساس ہے اور اس احساس سے بندھی ہوئی کسی ایسے ہمدم و دم ساز کی آرزو ہے جو اس دکھ کا مداوا کر سکے۔ فیض اس دور میں اقبال کی سوز و ساز کی کیفیت، حزن اور تنہائی کے احساس کو صرف انہی سے مخصوص قرار نہیں دیتے بلکہ ابتدائے شباب کی ہمہ گیر داخلی کیفیت گردانتے ہیں۔

ذاتی حزن اور موہوم آرزوؤں کا یہ دور گزر جانے کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جب اپنے افکار کو منظم اور اپنے نظریہ حیات کو مرتب کر چکتے ہیں۔ فیض سوز و ساز کی اس کیفیت کے دو پہلو گنواتے ہیں ایک ذاتی اور دوسرا نظریاتی، ذاتی پہلو کا ایک عنصر تو تنہائی کا احساس ہے۔ سوز و ساز اور ارد و جستجو کی جو کیفیت اقبال کی پوری زندگی پر حاوی ہے اس میں ان کے شریک بہت کم ہیں، کچھ اس وجہ سے کہ حیات و کائنات کا جو نظریہ وہ مرتب کر چکے ہیں وہ ابنائے وطن کے لیے اجنبی اور ناقابل قبول ہے اور اس کا دوسرا پہلو آرزو و جستجو ہے، لیکن اب یہ آرزو پہلے کی طرح موہوم اور غیر معین نہیں۔ اب اس جستجو کا مقصد ایک عینی ذات، ایک مکمل لازوال اور پابندی خودی ہے۔

لیکن یہ شکست کا احساس شاعر کے لیے یاس انگیز یا غم فزا نہیں۔ اس کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ وہ اپنا سوز و ساز و درد و داغ اور اپنی جستجو و آرزو کی واردات دوسروں پر منعکس کر سکے اور اوروں کو بھی اس لذت گراں مایہ میں شریک کر سکے۔ نظریاتی پہلو سے دیکھا جائے تو اقبال کے نظریہ حیات کا پہلا کلیہ یہ ہے کہ انسانی خودی کا مستقبل لامحدود ہے۔ ارتقا کی منزل و منتہا کوئی نہیں۔ لہٰذا ارتقا کی ہر منزل کے بعد اگلی منزل کی جستجو لازمی ہے۔ اس لیے ہر وصال میں فراق اور ہر تکمیل میں تشنگی ہے۔ یہی مسلسل حرکت اور لازوال تشنگی، پیہم جستجو اور سوز و ساز وہ چیز ہے جو انسان کو باقی کائنات سے ممیز کرتی ہے، یہ وہ نعمت ہے جو خدا کو بھی نصیب نہیں۔ انسان کی خودی لازوال ہے لہٰذا یہ درد و داغ بھی فنا اور موت سے بے نیاز ہیں۔

فیض کا تیسرا مضمون ''ہماری قومی زندگی اور ذہن پر اقبال کے اثرات'' 7 صفحات پر مشتمل ہے۔ فیض سرسیّد تحریک کے دائرے کو اقبال کے افکار کی نسبت محدود قرار دیتے ہوئے ہماری قومی زندگی اور ذہن پر اقبال کے اثرات کی وضاحت کرتے ہیں۔ کلام اقبال کے اثرات ہمارے قومی کاروبار، سیاست، اخلاقیات، مذہب اور قومی زندگی پر مرتب ہوئے ہیں۔ پھر اقبال نے لوگوں کے ذہنوں کو غلامی کے سبب پیدا ہونے والے اثرات سے ایک حد تک آزاد کرنے میں مدد دی۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں، کا پیغام دیتے ہیں۔ آفاقی طریقہ سے

سوچنے کا ڈھب اور اس کی ترغیب اقبال نے ہی ہمارے ہاں پیدا کی۔ فیض اقبال کو ایک ایسا سمندر قرار دیتے ہیں جو چاروں طرف محیط ہو۔ ان کے نزدیک اقبال اپنی ذات میں ایک جامعہ نہیں، جن میں طرح طرح کے دبستان موجود ہیں اور طرح طرح کے دبستانوں نے ان سے فائدہ اُٹھایا ہے۔

چوتھا مضمون فیض کے انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ ہے جو اس کتاب کے آخر میں The Iqbal--poet کے عنوان سے شامل ہے۔ اس مضمون کا اردو ترجمہ شاہد علی نے کیا ہے۔ اس مضمون میں فیض نے اقبال کے کلام کے فنی پہلو پر گفتگو کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اقبال خود فن برائے فن کے مخالف تھے۔ لہٰذا ان کے فن، تکنیک یا دوسرے شعری محاسن کو نفس مضمون سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اقبال کے اسٹائل کا ارتقا ان کے فکر کے ارتقا کے متوازی ہے۔ انہوں نے اپنے کلام کو سادگی سے بچانے کے لیے اسم معرفہ، سادہ لیکن غیر مانوس الفاظ، نامانوس بحروں کو اپنایا۔ حرف و صوت اور ہم آہنگ الفاظ کا اہتمام بھی اس سے قبل نظر نہیں آتا۔

اس کے علاوہ فیض کے مضامین اقبال اپنی نظر میں، فکر اقبال کی ارتقائی منزلیں، انگریزی مضمون کے اردو ترجمہ ''محمد اقبال'' سید وحید الدین فقیر کی تصنیف پر لکھا گیا پیش لفظ اور فیض کے کچھ اقتباسات جستہ جستہ کے عنوان سے اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ یہ اقتباسات روزنامہ جنگ لاہور ''نوائے وقت''، فیض کی تنقیدی مضامین پر مشتمل تصنیف ''میزان'' اور اردو ڈائجسٹ سے لیے گئے ہیں۔ اقتباسات میں دو انٹرویوز ایک ڈاکٹر عبادت اور دوسرا الطاف حسین قریشی کو دیا گیا، شامل ہیں۔ مرتبہ نے فیض کی اقبال پر دو نظمیں بھی اس کتاب میں شامل کی ہیں۔ ان میں سے ایک نظم ایسی ہے جو فیض کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہے۔

''نگارشاتِ اقبال'' مرتبہ: زیب النساء بیگم

''نگارشات اقبال'' مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب نے تحریر کیا ہے۔ پیش گفتار زیب النساء صاحبہ کا تحریر کردہ ہے۔ اس کے علاوہ مقدمہ میں اقبال کی متفرق تحریروں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور علامہ کی تحریروں میں مثالیں دی گئی ہیں۔ نگارشات کا اصل متن صفحہ نمبر ۳۵ سے صفحہ نمبر ۸۵ تک پھیلا ہوا ہے۔ ''نگارشات اقبال'' کا سنہ وار گوشوارہ ص ۸ سے ۹۹ تک محیط ہے۔ یہ گوشوارہ سات حصوں میں منقسم ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:

> ''کالم نمبر ا میں تاریخ تحریر ہے، یعنی وہ تاریخ جو اقبال نے رائے تحریر کرنے کے بعد درج کی، صحیح تاریخ کا تعیّن نہ ہونے کی صورت میں قریب ترین قیاسی تاریخ تحریر کو قلابین میں درج کیا گیا ہے۔ کالم نمبر ۲ میں کتاب یا رسالہ کا نام مع مصنف اور مرتب درج ہے۔ کالم نمبر ۳ میں ان آرا کی نوعیت درج ہے کہ آیا وہ دیباچے ہیں؟ تقاریظ یا تاثرات؟

کالم نمبر۴ میں دیباچہ یا تقاریظ کی مخالفت کا ذکر ہے۔ کالم نمبر۵ میں آرا کی اشاعت (بالعموم اشاعت اول) کا ذکر ہے۔ کالم نمبر۶ میں ان کی مزید اشاعتوں کا ذکر ہے۔ کالم نمبر 7 میں دیباچوں اور آرائی عکسی نقول کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگر عکس کہیں چھپا ہے تو اس کالم میں ''عکس'' لکھ دیا گیا ہے اور عکس دستیاب یا موجود نہ ہونے کی صورت میں کراس (X) لگا دیا گیا ہے۔'' (۱۹)

''نگارشات اقبال'' میں جن اشخاص کی تحریروں پر علامہ نے اظہار خیال کیا ہے یا جنہیں علامہ نے خراج تحسین پیش کیا ہے ان کا مختصر حال انصبائی ترتیب سے ص۱۰۳ سے ص۱۰۹ پر ہے۔ کتب و جرائد کی تفصیل ص۱۳ اور ۱۴ پر ہے۔ علامہ اقبال کی تحریروں پر مشتمل اشاریہ ص۱۱۵ سے ۱۲۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ ''نگارشات اقبال'' کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اول حصّے میں کتب و جرائد پر تقاریظ، دیباچے اور آرا شامل ہیں۔ جبکہ دوسرے حصّے میں متفرق تاثرات اور اسناد شامل ہیں، یوں کل انسٹھ (۵۹) نگارشات ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ اور نگارشات بھی ہوں جن تک مصنفہ کی رسائی نہ ہو سکی۔ تاہم دستیاب ہو جانے پر انہیں آئندہ ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے گا۔ دیباچے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

''نگارشات اقبال بنیادی طور پر مختلف کتابوں پر علامہ کی تقاریظ و آراء کا مجموعہ ہے۔ یہ تحریریں بظاہر اتنی اہم نظر نہیں آتیں، بعض کو علامہ نے متروک قرار دیا تھا اور بعض رواداری میں اور از راہ وضع داری لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، مگر ان کے عقب میں اقبال کی دلچسپ، دلکش اور وضع دار شخصیت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں اور اسی طرح ہمیں ان کے بعض محسوسات، ذہنی اُفتاد اور ان کے مخصوص انداز فکر و نظر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔'' (۲۰)

مختلف کتابوں پر تقاریظ میں اقبال کا تبصرہ بہت نپا تلا مگر حوصلہ افزا ہے۔ بعض شخصیات کے بارے میں انہوں نے ایسی جامع رائے ظاہر کی ہے جس سے متعلقہ شخصیات کی حقیقی قابلیت اور صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کا انداز متوازن اور مثبت ہے۔ زیب النساء بیگم کے مرتب کردہ اس کا دائرہ علامہ اقبال کی متفرق تحریروں یعنی دیباچوں، تقاریظ اور آراء تک محدود ہے۔ اس مجموعے میں اقبال کے اپنی نثری اور شعری کتب جیسے علم الاقتصاد، اسرار خودی، رموز بے خودی اور پیامِ مشرق پر لکھے گئے وقیع دیباچوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ متعلقہ کتب کے ساتھ موجود اور با آسانی دستیاب ہیں۔ اقبال نے حکیم احمد شجاع کے اشتراک سے چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور پانچویں جماعت کے لیے اردو نصاب مرتب کیا۔ گمان غالب ہے کہ ان کتابوں پر دیباچے علامہ اقبال ہی کے قلم سے ہیں۔ انہوں نے بہت سی کتابوں، اخبارات اور رسائل پر اپنی مختصر اور بعض صورتوں میں طویل تقاریظ لکھیں یا آراء کا اظہار کیا۔ بعض آراء اور تاثرات کی نوعیت متفرقات کی ہے، کیونکہ وہ کسی کتاب، اخبار یا رسالے کے متعلّق نہیں، بلکہ کسی معتبر شخصیت کے کمالات کے اعتراف کے طور پر یا کسی کی وضاحت پر تعزیتی بیان

کی صورت میں اور یا پھر کسی دوست کے دواخانے کے متعلّق تحریر کی گئی ہیں۔اس طرح ان متفرق نثر پاروں کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ یہ متفرق تحریر یں مختلف کتابوں اور رسائل میں چھپ چکی ہیں۔ بیشتر تحریریں مخزن، انقلاب، مضامین اقبال، مقالات اقبال، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، مجلّہ اقبال ریویو اور اورینٹل کالج میگزین کے ذریعے سامنے آئی ہیں۔ یہ تحریریں ان کتب و رسائل میں بکھری ہوئی صورت میں ملتی تھیں، انہیں اور بعض مجلّات پر بعض متفرق تحریریں کسی مجموعے میں شامل نہیں تھیں، انہیں بھی یکجا کر دیا گیا ہے۔

اقبال کے دیباچوں، تقاریظ اور آراء کا تنقیدی جائزہ اور ان کی اہمیّت اجاگر کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ جن تحریروں کے سنین کا تعیّن نہیں ہوسکا، ان کا شمار سنہ ندارد کے تحت کیا گیا ہے۔زیب النساء بیگم نے مقدمہ میں علامہ اقبال کی متفرق تحریروں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس ضمن میں ان کی متفرق تحریروں سے مثالیں بھی بطور نمونہ پیش کی ہیں۔اقبال کی متفرق تحریریں اپنی گونا گوں خصوصیات کی بدولت نہایت اہم ہیں۔اقبال کے خطوط اور مضامین کی طرح ان متفرق تحریروں سے بھی ان کے شب و روز کے معمولات، ان کی پسند ناپسند، شخصیت کے مختلف و متنوع پہلو جیسے عشق رسول، وضعداری، دوسروں کی حوصلہ افزائی، فراخ دلی، علمی انکسار اور ان کے ذہنی و فکری میلانات اور نظریات پر روشنی پڑتی ہے۔

روضہ مبارک کی زیارت اقبال کی اولین خواہش تھی۔ان کی یہ خواہش اگرچہ بہ وجوہ پوری نہ ہوسکی تھی لیکن حضوؐر سے عقیدت و محبت تا حیات قائم رہی۔ جہاں کہیں کوئی ایسی کتاب یا نظم چھپتی، جس میں آنحضوؐر کو نذرانہ عقیدت پیش کیا گیا ہوتو اقبال اس پر نہایت خوشی اور شوق سے تقریظ یا رائے رقم فرماتے تھے۔اس ضمن میں مرتبہ نے عبدالرؤف شوق کی نظم ''مرقع رحمت'' پر لکھی گئی اقبال کی تقریظ بطور نمونہ درج کی ہے۔اس تقریظ کا ایک ایک لفظ عقیدت و محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔خاص کر اقبال کا یہ جملہ تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ''خوشا وہ دل جو عشق نبوی کا نشیمن ہو'' اس جملے میں در پردہ اقبال کی وہ خواہش پوشیدہ ہے، جس کی تکمیل میں انہوں نے اپنی ساری زندگی بسر کی۔اقبال صحیح معنوں میں عشق رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

علامہ اقبال ایک وضعدار انسان تھے۔ان کی نجی، مجلسی اور معاشرتی زندگی کے شب و روز سے پتا چلتا ہے کہ ان کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا۔ان کے مکاتیب کے مجموعے بھی شاہد ہیں کہ ہر مکتبہ فکر کے افراد سے ان کے مخلصانہ اور دوستانہ مراسم تھے۔علامہ نے تمام عمر اپنے تعلقات کو نہایت وضعداری سے نبھایا۔خطوط کے علاوہ ان کی دیگر نثری تحریروں میں بھی اس وضعداری کے نقوش نظر آتے ہیں۔اس کے علاوہ علامہ رائے یا تقریظ رقم کرنے میں نہایت فراخ دل واقع ہوئے تھے۔ان کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو وسعت نظری اور علمی بے تعصبی

ہے۔انہوں نے جن کتب ورسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں ہے۔ انہوں نے علمی و مذہبی تعصّبات سے بالاتر ہو کر بے لاگ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔مثلاً انہوں نے منشی پریم چند کے افسانوں کے مجموعے ''پریم پچیسی'' پر بھی تقریظ لکھی تھی۔

علامہ اقبال کی ان متفرق تحریروں سے علامہ کے علمی انکسار کا پتا چلتا ہے۔ایک بلند پایہ اور عظیم شاعر ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی شاعر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہمیشہ دوسروں کی علمی و ادبی کاوشوں کو سراہتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ان کا یہ اسلوب زیست ہمیں خطوط کے علاوہ ان کی تحریر کردہ آراء اور تقاریظ میں بھی نظر آتا ہے۔علامہ اقبال کے تحریر کردہ دیباچوں، تقاریظ اور آراء میں ان کے ذہنی، فکری، تجزیاتی اور تنقیدی میلانات، افکار اور نظریات کی گونج بھی سنائی دیتی ہے۔علامہ اقبال نے اپنی کتب علم الاقتصاد، اسرار خودی، رموز بے خودی اور پیغام مشرق پر جو دیباچے تحریر کیے ہیں وہ خاصے کی چیز ہیں۔ دیباچہ علم الاقتصاد ایک تجزیاتی و وضاحتی نوعیت کا دیباچہ ہے۔اس میں مصنف نے علم الاقتصاد کے مقاصد، اس کی ضروریات اور اس کے دائرہ کار کی وضاحت کی ہے۔''اسرار خودی'' کا دیباچہ باقی دیباچوں کی نسبت زیادہ اہم ہے۔ اہم اس نقطہ نظر سے ہے کہ اختصار کے باعث اس دیباچے پر ملک کے طول وعرض میں خاصی تنقید ہوئی۔اس کی مخالفت اور حق میں مضامین شائع ہوئے۔ ردعمل کے طور پر علامہ نے بھی بعض اہم مضامین تحریر کیے اور اس طرح ان کی اردو نثر میں، اس دیباچے کی بدولت چند نہایت اہم مضامین کا اضافہ ہو گیا۔ پھر علامہ نے بہ وجوہ ''اسرار خودی'' کے دوسرے ایڈیشن میں یہ دیباچہ حذف کر دیا۔ دیباچہ ''رموز بے خودی'' میں ان کا انداز نسبتاً محتاط نظر آتا ہے۔اس کا دیباچہ مختصر سا ہے۔تاہم اس سے مثنوی کے مقاصد کی وضاحت ہو جاتی ہے۔''پیام مشرق'' کا دیباچہ خاص طویل ہے۔ یہ علامہ کے وسعت مطالعہ اور تجزیاتی وتنقیدی نقطہ نظر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔اس سے مثنوی کے متحرک کے علاوہ ''تحریک مشرق'' کے آغاز اور اس کے اثرات کا بھی علم ہوتا ہے۔غرض یہ تمام دیباچے علامہ کی نثر میں نہایت اہمیّت کے حامل ہیں۔

مصنفہ علامہ اقبال کی متفرق تحریروں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ نتیجہ بھی نکالتی ہیں کہ علامہ اقبال کی متفرق تحریروں سے ان کے تعلیمی نظریات و میلانات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ علامہ ایک تعلیم یافتہ اور مہذب معاشرے کے خواہش مند تھے۔ وہ خود بھی ایک معلم اور ممتحن تھے، اس لیے اس مسئلے کی سنجیدگی اور افادیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ قوم کی باگ ڈور آج کے بچوں، کل کے بڑوں کے ہاتھ میں ہے۔اگر آج جاہل اور تاریک رہ جائے تو پھر روشن اور تابناک کل کی توقع کرنا عبث و بے بنیاد ہے۔اسی طرح علامہ اقبال کے خواجہ حسن نظامی کے بچوں کے لیے مرتب کردہ قاعدہ بعنوان ''قرآن آسان قاعدہ'' پر بھی اپنی رائے تحریر کی۔

علامہ کے تعلیمی نظریات کی تفہیم میں وہ دیباچے بھی اہمیّت کے حامل ہیں جو انہوں نے چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور پانچویں جماعتوں کے جدید نصاب پر تحریر کیے تھے۔ یہ نصاب انہوں نے حکیم احمد شجاع کے تعاون سے مرتب کیا تھا۔ اس نصاب پر تحریر کردہ دیباچے اگرچہ مولفین کی جانب سے نہیں تاہم گمان غالب ہے کہ یہ دیباچے علامہ ہی نے تحریر فرمائے۔ دیباچے میں علامہ لکھتے ہیں کہ درسی کتب میں ایسے مضامین اور نظمیں شامل ہونے چاہئیں، جو سادہ، آسان اور دلچسپ ہوں تا کہ طالب علم نصاب سے اُکتاہٹ محسوس کرنے کے بجائے اس میں دلچسپی لیں۔ مضامین اور نظموں کا انتخاب ایسا ہو، جس سے طالب علموں میں خود اعتمادی، مستقل مزاجی، خودداری، ادبی ذوق اور وسعت قلب ونظر پیدا ہو۔ مناظر فطرت سے متعلّق مضامین کے علاوہ علمی نوعیت کے مضامین بھی شامل ہونے چاہئیں، تا کہ طالب علموں کی طبعی صلاحیتیں جلا پائیں۔ طالب علموں میں اعلیٰ اقدار کو فروغ دینے کے لیے اخلاقی مضامین اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے جذبہ وطنیت سے بھرپور نظم ونثر کا انتخاب کرنا چاہیے۔ گویا علامہ اقبال یہ چاہتے تھے کہ طلباء معیاری اور دلچسپ نصاب کے ذریعے اپنے آپ کو ایک مثالی طالب علم اور بہتر انسان بنا سکیں۔

درسی کتب کے سلسلے میں ''تاریخ ہند'' کا دیباچہ بھی اہم ہے، لیکن اس کتاب کے مشمولات علامہ کے مزاج سے قطعاً میل نہیں کھاتے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ علامہ نے پڑھے بغیر ہی دیباچہ تحریر کر دیا ہے۔ یہ کتاب کا ملاً لالہ رام پرشاد کی تحریر کردہ ہے۔ علامہ اقبال نے خواجہ غلام الحسنین کی ہربرٹ اسپنسر کی کتاب ''ایجوکیشن'' کے انگریزی سے اردو ترجمے پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کے نزدیک اچھے ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ وہ رواں اور بے تکلف ہو اور اس میں کوئی اُلجھا نہ ہو۔

علامہ اقبال اردو زبان کی اہمیّت اور ضرورت سے بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے ذاتی طور پر اردو زبان میں گراں قدر تخلیقات کا اضافہ کیا ہے۔ مولوی عبدالحق کے نام خطوط میں علامہ نے ان کی اردو زبان کی خدمات کو سراہا ہے اور اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ اگر زندگی نے وفا کی تو میں مولوی عبدالحق کے ساتھ مل کر اردو زبان کی خدمات کروں گا۔ علامہ اقبال نے حاجی بدرالدین احمد کی کتاب فتح قسطنطنیہ مولوی فتح محمد خاں جالندھری کی تصنیف ،مصباح الفوائد اور خواجہ عبدالمجید کی کتاب جامع اللغات پر جو تقاریظ رقم کی ہیں، ان میں اس طرح کے جملے ملتے ہیں ''آپ نے یہ کتاب لکھ کر اردو لٹریچر میں ایک مفید اضافہ کیا''، ''مصنف نے زبان اردو کی ایک بہت بڑی خدمت کی''، ''اردو دان پبلک پر بڑا احسان کیا ہے'' وغیرہ۔ زیب النساء بیگم لکھتی ہے:

''علامہ اقبال کی نثر میں ان دیباچوں ،تقاریظ اور آراء کی اہمیّت و افادیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی

جاسکتی۔۔۔۔ بلاشبہ بعض تقاریظ اور آراء ادبی نقطہ نظر سے اعلیٰ پائے کی نہیں ہیں، اور ان سے علامہ کی شخصیت اور افکار ونظریات پر کوئی واضح روشنی نہیں پڑتی، لیکن ایسی تحریروں کی اہمیّت کو اس لیے نظر انداز نہیں کر سکتے کہ یہ علامہ کے قلم سے نکلی ہیں۔''(۲۱)

علامہ اقبال کے نزدیک وہ لوگ بے حد تعریف وتحسین اور احترام کے قابل ہیں جو اپنے طور پر اردو زبان میں مفید اضافہ کر رہے تھے۔ علامہ وقتاً فوقتاً ایسی کتب پر رائے زنی کر کے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے رہے اور ایسے مصنّفین کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ زیب النساء بیگم کی یہ کاوش لائق ستایش ہے۔ انہوں نے بہت محنت سے اقبال کی متفرق تحریروں پر مفصل تنقیدی تبصرہ قلم بند کیا ہے، جو بہت مفید ہے۔ پھر انہوں نے علامہ اقبال کی جگہ جگہ مختلف کتب، رسائل وجرائد میں چھپنے والی متفرق تحریروں کو یکجا کر کے اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

''اشاریہ سہ ماہی مجلّہ اقبال''

مرتبہ: اختر النساء

بزم اقبال کا ترجمان ''اقبال'' ایک ممتاز علمی وادبی مجلّہ ہے اس کا اجراء جولائی ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ یہ مجلّہ علامہ اقبال کی زندگی، ان کے کلام اور فکر وفلسفے کی ترویج وتفہیم کے لیے شائع ہوتا ہے اور انہی کے نام سے منسوب ہے۔ اس مجلّے میں مضامین کا تنوع نظر آتا ہے۔ اس میں علامہ اقبال کی زندگی، شاری اور افکار کے علاوہ مختلف النوع علمی اور تحقیقی وتنقیدی مقالات کے علاوہ کتب ورسائل پر تبصرے بھی شائع ہوتے ہیں۔ اس سہ ماہی مجلّے کے دوشمارے اپریل اور اکتوبر اُردو زبان اور دوشمارے جنوری اور جولائی انگریزی زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ اختر النساء کا مرتب کردہ اشاریہ مجلّہ ''اقبال'' کی جلد ۱ تا ۳۸-۳۹ کے شماروں پر مشتمل ہے۔ یہ شمارے اکتوبر ۱۹۵۲ء تا اکتوبر ۱۹۹۱/ جنوری ۱۹۹۲ء تک کے ہیں۔ یہ اشاریہ بزم اقبال، لاہور سے فروری ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔

مضامین کی وضاحتی فہرست چار طرح سے پیش کی گئی ہے۔

1۔ شمارہ وار اشاریہ

2۔ مصنف وار اشاریہ

3۔ موضوع وار اشاریہ

1۔ تبصرہ کتب

شمارہ وار اشاریے میں ہر شمارے کے مندرجات کی زمانی ترتیب سے شمارہ وار اندراج کیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ

مضامین و مندرجات کا زمانی نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس سے بیک نظر اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں مجلّہ ''اقبال'' میں کون کون سے مسائل وموضوعات زیر بحث رہے۔ نیز ادارے کوکن مصنّفین اور مبصرین کا قلمی تعاون حاصل رہا۔مصنف وار اشاریے میں جملہ تحریروں کے حوالے مصنف اور مرتب کیے گئے ہیں۔ اس حصّے میں مجلّہ 'اقبال' میں ایک مصنف کی شائع شدہ تمام تحریروں یعنی مضامین، تراجم، تبصرے اور منظومات کے حوالے یکجا ملتے ہیں۔ مصنّفین کے نام الفبائی ترتیب سے درج ہیں۔ ایک مصنف کی ایک سے زائد نگارشات کے حوالے زمانی ترتیب سے مرتب کیے گئے ہیں۔

موضوع وار اشاریے میں مختلف موضوعات کے تحت عام تحریروں کے حوالے ہیں تا کہ کسی خاص موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قاری کو سارے متعلقہ حوالے یکجا مل جاتے ہیں۔ یہ اشاریہ مرتب کرتے وقت مرتبہ کو خاصی مشکل پیش آئی کیونکہ کچھ مضامین اس نوع کے تھے جو بیک وقت مختلف موضوعات کے دائرے میں آتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو موضوع زیادہ اہم، نمایاں اور قریبی محسوس ہوئے ان کو اس کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔ اس حصّے سے اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اقبالیات کے متنوع موضوعات پر کیسے کیسے معیاری اور علمی سطح کے مضامین لکھے گئے ہیں۔ یہ اشاریہ مرتبہ نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(1) اقبالیات موضوعات (2) عمومی موضوعات

اقبالیاتی موضوعات میں اقبال کی سوانح، شخصیت، شاعری، تصانیف، تصورات، تصوف، خطوط، نثر اور ان کے افکار پر مختلف مصنّفین آغا صادق، ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی، ڈاکٹر عبدالغنی، ڈاکٹر محمد ایوب شاہد، محمد حنیف شاہد، ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، پروفیسر محمد منور، ڈاکٹر سید محمد یوسف، مظہر صدیقی، پروفیسر سیّد وقار عظیم، ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین، صابر کلوروی، ڈاکٹر صدیق جاوید، سید عبدالواحد معینی، محمد حنیف شاہد، پروفیسر محمد عثمان، خلیفہ عبدالحکیم، بشیر احمد ڈار، ڈاکٹر سلیم اختر، پروفیسر عزیز احمد، عطیہ سید، مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر وحید عشرت، ڈاکٹر وحید قریشی، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، حجاب امتیاز علی، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، غلام بھیک نیرنگ، محمد عبداللہ قریشی، پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، سید افتخار حسین شاہ، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی، پروفیسر جیلانی کامران وغیرہ کے مقالات شامل ہیں۔

عمومی موضوعات میں مختلف النوع موضوعات جیسے ادبیات اردو اصناف، مسائل ومباحث، ادبیات، عربی، ادبیات فارسی، تاریخ وسیاسیات، تعلیم، تہذیب وثقافت، سائنس، شخصیات، فلسفہ وتصوف، فنون لطیفہ اور مذہبیات پر مضامین ومقالات پر مشتمل اشاریہ درج کیا گیا ہے۔

اس حصّے میں جسٹس ایس اے رحمٰن، ڈاکٹر خواجہ عبدالمجید یزدانی، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، ڈاکٹر سہیل بخاری، گوہر نوشاہی، مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر شوکت بزواری، ڈاکٹر محمد صادق، ممتاز منگلوری، پروفیسر سید وقار عظیم، ڈاکٹر آغا یمین، سید عابد علی عابد، ڈاکٹر عبدالغنی، ڈاکٹر ناظر حسین زیدی، علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر وحید قریشی، ناصرہ حبیب، مرزا ادیب، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر وفا راشدی، پروفیسر محمد منور، رحمان مذنب وغیرہ کے مضامین ومقالات شامل ہیں۔

اشاریہ کی چوتھی ترتیب تبصرہ کتب ہے۔اس حصّے میں مختلف کتب ورسائل پر تبصروں کی فہرست پیش کی گئی ہے جو سہ ماہی ''اقبال'' میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ اس فہرست کو نصابی ترتیب مرتب سے کر کے پیش کیا گیا ہے۔اختر النساء نے اشاریے کے ہر حصّے میں مصنف کا نام، مضمون کے عنوان، جلد وشمارہ نمبر، تاریخ اشاعت، صفحات کی تعداد، انگریزی شماروں کی وضاحتی فہرست (علیحدہ تیار کی گئی ہے) کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔انگریزی شماروں کی وضاحتی فہرست بھی شمارہ وار، مصنف وار، مضمون وار اور تبصرہ کتب کی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے۔تبصرہ کتب کے اشارے میں ان کی فہرست ابجدی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے۔

''اشاریہ کلام اقبال فارسی''

مرتبہ: زبیدہ بیگم

زبیدہ بیگم کا مرتب کردہ (فارسی) اشاریہ کلام اقبال ڈاکٹر ظہور الدین احمد کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ یہ اشاریہ کلام اقبال (فارسی) بزم اقبال، لاہور سے مئی ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔اس اشاریے کی ترتیب میں کلیات اقبال فارسی مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز، لاہور کو مدنظر رکھا گیا ہے۔شروع میں ہر مصرعے کے پہلے دو یا تین لفظ لکھے ہیں اس کے بعد کتاب کا نام پھر نظم کا عنوان یا لمبے عنوان میں سے برجستہ لفظ، اس کے بعد اس کتاب کا صفحہ نمبر، جس میں یہ شعر موجود ہے اور آخر میں کلیات کا مسلسل نمبر درج کیا گیا ہے۔ جیسے: آتش اور کم: مسافر، مناجات: ۴۷/۸۱۰۷ء اگر مذکورہ کلیات کے بجائے کتابوں کے الگ الگ ایڈیشن موجود ہوں تب بھی شمارہ صفحات میں اختلاف ہونے کے باوجود کتاب اور نظم کے عنوان کی مدد سے بھی شعر تلاش کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

اشعار تلاش کرنے کے علاوہ مختلف موضوعات پر علامہ اقبال کے افکار وآراء معلوم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ کیونکہ اشاریہ کی ترتیب پائی کی وجہ سے بعض مصنوعات پر بہت سے اشعار اکھٹے ہو گئے ہیں۔مثلاً جن موضوعات پر علامہ اقبال کے افکار وآرا جاننے کے لیے آسانی ہوسکتی ہے، وہ آتش، بندہ، دست، دل، دہدہ،

دیں، ذوق، روح، زمین، زندگی، زندہ، سوز، سینہ، شعلہ، عالم، عشق، عقل، علم، فطرت، فقر، فکر، قوت، گل، لالہ، مرد، مسلمان، ملت، من، موج، مومن، نالہ، نغمہ، نقش، نکتہ، نگاہ، نوا اور ہستی وغیرہ ہیں۔ اشعار کے دونوں مصرعوں کے ابتدائی الفاظ کے اندراج، کتاب اور نظم کے عنوان اور انفرادی کتابوں کے صفحات اور کلیات کے مسلسل صفحات دونوں کے اندراج کی وجہ سے جن اصحاب کے پاس کلیات کا مذکورہ نسخہ نہیں وہ بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

The place of God,Man and universe in the philosophy system of iqbal

مرتبہ: ڈاکٹر جمیلہ خاتون

ڈاکٹر جمیلہ خاتون کی اقبال کے فلسفے پر کتاب The place of God,man and universe in the philosophy system of iqbal اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور سے پہلی بار ۱۹۶۳ء، دوسری بار ۱۹۷۷ء اور تیسری بار ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔ مصنفہ کے نزدیک اقبال کا خدا، انسان اور کائنات کے متعلّق تصور ایک ایسا گھیراؤ ہے جس کے گرد اس کا تمام فلسفہ گھومتا ہے۔ انھوں نے خالص مذہبی گھرانے میں پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی۔ وہ خصوصاً آزاد خیال اور مابعد الطبیعاتی فلاسفر، مسلمان اور مغربی تصانیف سے متاثر تھے۔ ان کی تمام تر سوچ کا مرکز، قرآنی تعلیمات، رسول پاک ﷺ کے ارشادات اور ان کی پیروی کرنے والوں کی تعلیمات تھیں۔ چنانچہ ان کے فلسفے میں تجربہ، عمدہ سوچ اور اعلیٰ تخیل کے لحاظ سے مشرق اور مغرب کا رنگین اور دلکش امتزاج ملتا ہے۔

مصنفہ نے اقبال کے فلسفیانہ نظام میں سے تین خدا انسان اور کائنات کا انتخاب یہ تجزیہ کرنے کے لیے کیا ہے کہ مشرق و مغرب کے فلاسفرز نے انہیں کس سطح پر رکھا ہے۔ جیسا کہ مصنفہ نے اس مقالے میں یہ بیان کیا ہے کہ اقبال مذہبی خیالات اور مغربی (فکر) مابعد الطبیعات سے متاثر تھے مگر وہ مشرقی و مغربی فلسفیوں کے مقابلے میں منفرد مقام کے حامل ہیں۔ اسی لیے ان کا فلسفے کے خزانہ میں اضافہ منفرد اور غیر معمولی ہے۔

جمیلہ خاتون کی یہ کتاب بنیادی طور پر کائنات اور خدا کے متعلّق علمی تصورات کے ساتھ ساتھ اقبال کے فلسفے کی مدد سے ایک تفہیم فراہم کرتی ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب بعنوان The knowledge of God with special reference to the source of knowledge میں علمی روایات کے پس منظر میں خدا کے وجود کے ادراک کو مسلم مفکرین کی روشنی میں دیکھا گیا ہے جس میں اقبال کا تضاد ابن رشد اور الغزالی کے

تصورات سے ہوتا ہے۔ مصنفہ نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال کا کائنات اور خدا کا تصور بے حد وسعت کا حامل ہے اور وہ بے شمار ماورائی حقیقتوں تک پھیلا ہوا ہے۔ کیونکہ خدا کی ذات موجود اور ناموجود زمانوں میں کائنات کی ہر شے میں موجود ہے جس میں اقبال نے کلی حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کی ہے اور اسے سائنسی سطح پر دیکھنے کی کوشش بھی کی ہے۔

دوسرے باب God:proofs of his existence میں مصنفہ نے بتایا ہے کہ اقبال نے وہ حوالے جمع کیے ہیں جو خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہیں۔ اس کائنات کے اسرار و رموز کو انھوں نے منطقی سطح پر دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح اقبال مشرقی علوم کا حاطہ کرتے ہوئے فلسفہ الٰہیات کو پانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مصنفہ نے مغربی فلسفیوں کی بہت سی دریافتوں کو اقبال؟ کے زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی ہے، جس میں کانٹ آئن سٹائن وغیرہ شامل ہیں۔

تیسرے باب God:his essence and attributes میں مصنفہ نے اقبال کے افکار کے ذریعے کائنات کی فعال حقیقت کو خدا کے وجود کی نسبت سے پانے کی کوشش کی ہے اور یہاں اقبال نے خدا کو نور سے تعبیر کیا ہے اور اسے ایک دائمی سچّائی کے طور پر ایسی متحرک قوت کے طور پر دیکھا ہے۔ جو کائنات کی زندگی میں موجود ہے۔ یہاں انہوں نے مسلم مفکرین اور مشرقی علماء کے تصورات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے اور خدا کو ایک ایسی طاقت کے طور پر تعبیر کیا ہے جس کی منشا کے بغیر اس کائنات کا نظام حرکت میں نہیں آ سکتا۔ انہوں نے یعنی اقبال نے وقت اور کائنات کے تصور کو خارجی حقیقت کے طور پر تسلیم نہیں کیا بلکہ یہ سب ایک دائمی حقیقت کا حصّہ ہے۔ اس طرح خدا ایک متحرک حقیقت قرار پاتا ہے۔

چوتھے باب Geation میں کائنات کی تخلیق کو موضوع بنایا گیا ہے یہاں بھی مصنفہ نے فلسفے کی تاریخ سے مدد لیتے ہوئے مذہبی تصورات اور یونانی فلسفے کی مدد سے کائنات کے مختلف نظریات پیش پیش کیے ہیں۔ جبکہ اقبال اس کائنات کی تخلیق کو اس دائمی حقیقت سے جوڑتے ہیں اور محبت فاتح عالم کے فلسفے کے مطابق محبت کو کائنات کی سب سے بڑی حقیقت تسلیم کرتے ہیں اور خدا کے دائمی وجود کو اسی طاقت کا سرچشمہ گردانتے ہیں۔

پانچویں باب Matter space and time میں مادے، وقت اور زمانے کے حوالے سے اقبال کے تصور وقت کو نیوٹن اور دوسرے فلسفیوں کی مدد سے دریافت کرتے ہیں۔ زمانہ کہاں سے کہاں جا رہا ہے اور وقت کی کون کون سی اکائیاں انسانی وجود سےتعلق رکھتی ہیں۔

چھٹے باب Man:the finist self میں مصنفہ نے انسان اور اس کے فنا ہونے والے وجود کے متعلّق

بحث کی گئی ہے جس میں روح کے تصور کو سامنے لایا گیا ہے اور مسلم اسکالرز کے خیالات کی مدد سے اقبال کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں سب سے اہم حوالہ مولانا رومی کا ہے جو اقبال کے لیے پیرِ رومی کا درجہ رکھتے ہیں۔

ساتویں باب Freedom of will میں مصنفہ نے انسان کے اختیار کی آزادی پر بحث کی ہے کہ اقبال کے نزدیک جبر و اختیار کے کیا مسائل ہیں۔ خاص طور پر مقدر کا جبر انسان کی زندگی میں کیا کردار ادا کرتا ہے؟ اور اس کا تصور کیا ہے؟ اگر سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے تو انسان کی جبلی حقیقت کیا ہے؟ اس پر انہوں نے کھل کر بحث کی ہے۔

آٹھویں اور آخری باب The problem of immortality میں مصنفہ نے ہمیشگی کے مسائل پر بحث کی ہے کہ کون کون حقیقت ہمیشہ رہنے والی ہے اور کون کون سی عارضی ہے۔ مصنفہ نے آخر میں تمام مقالے میں کی گئی بحث کو سمیٹتے ہوئے نتائج اخذ کیے ہیں آخر میں کتابیات کا اہتمام بھی کیا ہے۔

''اشاریہ اقبالیات''

مرتبہ: اختر النساء

اقبال اکادمی پاکستان ایک بے حد فعال ادارہ ہے جو اقبال کی شخصیت کی تفہیم اور ان کے فکر و فن کو فروغ دینے میں مصروف ہے۔ اس کا اصل کام اقبال کے شعری مجموعوں کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کروانا اور ان کے افکار کے متعلّق اقبال شناسوں سے کتب لکھوانا ہے۔ اکادمی ایک سہ ماہی مجلّہ اقبال ریویو (انگریزی) اقبالیات (اردو اور فارسی) نکالتی ہے۔ اس مجلّے میں اقبالیات کے حوالے سے سینکڑوں معیاری مضامین و مقالات شائع ہوتے ہیں۔ اپنی فعال ادبی زندگی کے ان ۳۴ سالوں میں فروغ فکر اقبال کے لیے اکادمی نے جو خدمات انجام دی ہیں، زیرِنظر اشاریے میں ان کی تفصیل مل جاتی ہے۔ اختر النساء کا مرتب کردہ ''اشاریہ اقبالیات'' (اردو، انگریزی، فارسی، عربی، ترکی) اپریل ۱۹۶۰ء سے لے کر جولائی ستمبر ۱۹۹۴ء کے عرصہ تک محیط ہے اور پاکستان اقبال اکادمی لاہور سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔

اس اشاریے سے قبل ''اقبالیات'' کے دو اشاریے مرتب ہو کر سہ ماہی ''اقبال ریویو'' کی زینت بن چکے ہیں۔ پہلا اشاریہ افضل حق قریشی کا مرتب کردہ ہے۔ یہ اشاریہ جولائی ۱۹۶۰ء سے جنوری ۱۹۸۳ء کے شماروں پر محیط ہے۔ اردو اور انگریزی مشمولات کا الگ الگ اشاریہ تیار کیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ جولائی ۱۹۸۳ء کے شمارے میں شامل ہے۔

دوسرا اشاریہ جولائی ۱۹۸۳ء سے جولائی ۱۹۸۲ء کے مشمولات پر محیط ہے جو جنوری ۱۹۸۷ء کے شمارے میں شائع ہوا۔اس کے مرتبین محمد سہیل عمر اور مختار احمد ہیں۔اس اشارے میں اردو اور انگریزی کے علاوہ فارسی کے ایک شمارے کا اشاریہ بھی شامل ہے۔یہ اشاریہ پہلے اشاریے کی اگلی کڑی ہے۔اختر النساء کا مرتب کردہ اشاریہ پہلے دونوں اشاریوں کے مشمولات یعنی مجلّہ ''اقبال ریویو'' (موجودہ ''اقبالیات'') کی جلد ا تا ۳۵ یعنی اپریل ۱۹۶۰ء سے جولائی ستمبر ۱۹۹۴ء کے شماروں پر مشتمل ہے۔اس کی وضاحتی فہرست چار طرح سے ترتیب دی گئی ہے۔

(1) شمارہ وار اشاریہ

(2) مصنف وار اشاریہ

(3) موضوع وار اشاریہ

(4) تبصرہ کتب

شمارہ وار اشاریے میں ہر شمارے کے مندرجات کا زمانی اعتبار سے شمارہ وار اندراج کیا گیا ہے۔یہ اشاریہ مضامین و مندرجات کا زمانی نقشہ پیش کرتا ہے۔اس سے بیک نظر اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں مجلّہ ''اقبال ریویو'' اور ''اقبالیات'' میں کتنا وافر ذخیرہ مضامین و مقالات موجود ہے۔مصنف واشاریے میں جملہ تحریروں کے حوالے مصنف وار مرتب کیے گئے ہیں۔اس حصّے میں ''اقبالیات'' میں ایک مصنف کی شائع شدہ تحریروں یعنی مضامین، تراجم، تبصرے اور منظومات کے حوالے یکجا ملتے ہیں۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکادمی کو کن کن مصنّفین اور مبصرین کا قلمی تعاون حاصل رہا اور اسی اثنا میں ایک مقالہ نگار کے کون کون سے مقالے شائع ہوئے۔

مصنّفین کے نام الفبائی ترتیب سے درج ہیں۔ایک مصنف کی ایک سے زائد تحریروں کے حوالے زمانی ترتیب سے درج کیے گئے ہیں۔اس اشارے میں مصنّفین کے علاوہ مرتبین، مترجمین اور مبصرین سب شامل ہیں۔ ''اقبالیات'' میں متعدد مصنّفین کے مقالات بھی شامل ہیں۔لہٰذا کسی خاص مصنف کی جملہ تحریروں تک رسائی کے لیے ''مصنف وار اشاریہ'' قارئین و محققین کی مدد کرتا ہے۔موضوع وار اشاریہ مختلف موضوعات و مباحث کا اشاریہ ہے۔اس حصّے میں ''اقبالیات'' کے ذخیرے کو علیحدہ علیحدہ عنوانات کے ساتھ مختلف حصوں میں اسی طرح منقسم کیا گیا ہے کہ ہر عنوان بذاتِ خود ایک موضوع بن جاتا ہے۔

کسی خاص موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کو سارے متعلقہ حوالہ جات یکجا مل جاتے ہیں۔ موضوعات کی ترتیب الفبائی ہے اور یہ حصّہ بھی مصنف وار مرتب کیا گیا ہے۔ بیک وقت مختلف موضوعات کی ذیل میں آنے والے مضامین کو ان کی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ دونوں عنوانات کے تحت درج کیا گیا ہے یا جو

موضوع زیادہ اہم، نمایاں اور قریبی محسوس ہوا مضمون کو اس کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ اشاریہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک اقبالیاتی موضوعات اور دوسرے دیگر موضوعات۔ اس حصّے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ''اقبالیات'' میں متنوع موضوعات اور دیگر موضوعات پر کیسے کیسے معیاری اور علمی سطح کے مضامین لکھے گئے۔ اس اشاریے کی مدد سے قاری اپنی ضرورت اور پسند کے موضوع تک آسانی سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ تبصرہ کتب میں مختلف موضوعات پر لکھی گئی کتب اور رسائل پر تبصروں کی فہرست پیش کی گئی ہے۔ جو سہ ماہی ''اقبالیات'' میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ اس فہرست کو کتابوں کے الفبائی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔

مرتبہ نے اقرئین کی سہولت کی خاطر یہاں بھی اقبالیاتی کتب اور دیگر کتب (پر تبصرے) الگ الگ درج کی ہیں اور ساتھ ہی کتاب کے مصنف اور مبصر کی نشاندہی قوسین میں کر دی ہے۔ تبصروں کی اس فہرست پر نظر ڈالنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ''اقبالیات'' میں شاعری اور نثر دونوں اصناف کی کتب پر تبصرہ شائع ہوتے رہے۔ انگریزی شماروں کی وضاحتی فہرست علیحدہ چار طرح سے ترتیب دی گئی ہے۔

Year wise, Author wise, Topic wise,

1.Iqabalit 2.Genral Topics Book reviews

''اقبالیات'' اس لحاظ سے نہایت ہی اہم خصوصیّت کا حامل ہے کہ اس نے انگریزی اور اردو کے علاوہ فارسی، عربی اور ترکی شمارے بھی شائع کیے ہیں۔ اگرچہ اردو کے علاوہ فارسی، عربی اور ترکی شمارے بھی شائع کیے ہیں۔ اگرچہ اردو اور انگریزی شماروں کی نسبت ان کی تعداد بہت ہی کم ہے لیکن یہ اس لحاظ سے قابل قدر ہیں کہ بیشتر مقالے اقبالیات سے متعلّق ہیں اور زیادہ تر مقالہ نگار اور دانشور دوسرے ممالک کے ہیں۔ ان شماروں کی وضاحتی فہرستیں الگ الگ مرتب کی گئی ہیں۔ چونکہ ان شماروں کے مشمولات کی تعداد محدود ہے۔ لہٰذا انہیں دو طرح سے مرتب کیا گیا ہے۔ شمارہ وار اور پھر مصنف وار۔

اشاریے کے ہر حصّے میں مصنف کے نام، مضمون کے عنوان، جلد و شمارہ نمبر، تاریخ اشاعت اور صفحات کی تعداد جیسی معلومات فراہم کی گئی ہیں تاکہ فنی نظر سے مطالعہ کرنے والے اور تمام ادبی محققین یکساں آنے سے اس سے استفادہ کر سکیں۔ مصنّفین کے نام نہ تو لائبریری کیٹلاگ کے مطابق درج کیے گئے ہیں اور نہ ہی مغربی طرز پر انہیں الٹا لکھا گیا ہے بلکہ ہر نام مکمل صورت میں جیسا کہ وہ مقالے پر چھپا ہوا ہے، تحریر کیا گیا ہے۔ البتہ القابات و سابقات کو اصل نام کے آخر میں رکھا گیا ہے۔ اس اشاریے سے بہت فائدہ یہ ہوا ہے کہ کسی خاص موضوع یا کسی مصنف کی تحریر کی تلاش کے لیے پورے پرچے کی ورق گردانی نہیں کرنی پڑے گی۔ یہ اشاریہ اس لحاظ سے بھی بہت

مفید ہے کہ ''اقبالیات'' میں شائع ہونے والے مضامین اور مقالات کا مستقل ریکارڈ فراہم ہو گیا ہے جو کہ آئندہ کے محققین کے لیے دستاویزی نوعیت کا حامل ہوگا۔ اس سے ''اقبالیات'' میں شائع ہونے والے تحقیقی سرمایے کی رفتارِ ترقی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

مرتبہ نے کتاب کے دیباچہ میں اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کے ناظم ڈاکٹر وحید قریشی کا شکریہ ادا کیا ہے جن کی اقبال شناسی نے اس اشاریے کو مرتب کرنے کی ترغیب دی۔ رسائل کی فراہمی کے علاوہ شماروں کے مندرجات کی عکسی نقول فراہم کیں، اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازے کے ساتھ اکادمی کی لائبریری سے استفادہ کرنے کی سہولت فراہم کی جس سے اشاریے کی ترتیب و تیاری میں سہولت اور آسانی ممکن ہو سکی۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، محمد سہیل عمر اور ڈاکٹر وحید عشرت کا بھی شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ ''اشاریہ اقبالیات'' سے شغف رکھنے والوں کے لیے بہترین کتاب ہے۔

''اشاریہ کلام اقبال اُردو'' مرتبہ: یاسمین رفیق

کلام اقبال آج کل زبان زدِ خلائق ہے اور اس کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ ہو رہا ہے۔ اقبال کے اشعار تحریروں اور تقریروں میں استعمال ہوتے ہیں۔ محققین اور ناقدین کو حوالے کے لیے اشعار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی شعر کے پہلے دو یا تین لفظ یاد رہ جاتے ہیں اور پورا شعر یاد نہیں آتا، ساری کلیات میں تلاش کرے سے کافی وقت صرف ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اشاریہ ایک بہت بڑی نعمت ہوتا ہے۔ جس کی مدد سے سیکنڈوں اور منٹوں میں شعر کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ اشاریے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان الفاظ کا جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ اشاریے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان الفاظ کا جائزہ لیا جاتا ہے جو اقبال کو شعوری یا غیر شعوری طور پر پسند تھے۔ اور وہ اکثر انہیں استعمال کرتے تھے۔ موضوعات کے اعتبار سے اشاریہ طلبہ اور مقالہ نگار حضرات کے لیے بہت مفید ہے، اس کی مدد سے وہ علامہ اقبال کے افکار و خیالات کو کم وقت میں معلوم کر سکتےہیں۔ اقبال کے فکر کا تدریجی ارتقا جاننے کے لیے بھی اس سے مدد مل سکتی ہے۔

''اشاریہ کلام اقبال (اردو)'' دراصل یاسمین رفیق کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جسے انہوں نے اپنے ایم اے اُردو ۱۹۹۶ء کے امتحان کی جزوی تکمیل کے لیے تیار کیا تھا۔ پھر اسے نظر ثانی اور تصحیح و ترمیم کے بعد کتابی صورت میں ڈھال دیا۔ یہ اشاریہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے ۲۰۰۱ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ تلاش اشعار کے ضمن میں اس سے قبل اقبال کے اُردو کلام کے دو اشاریے شائع ہوئے ہیں۔ پہلا اشاریہ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل

''اشاریہ کلام اقبال'' کے عنوان سے ڈاکٹر صدیق شبلی نے مرتب کر کے کتاب مرکز فیصل آباد سے ۱۹۷۷ء میں چھپوایا۔ دوسرا اشاریہ ۶۲۸ صفحات پر مشتمل داؤد عسکر کا مرتبہ ''جوئے شیر'' رشید اینڈ سنز، کراچی سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر صدیق شبلی نے صرف غلام علی ایڈیشن (۱۹۷۳ء و مابعد) کے حوالے سے اشاریہ مرتب کیا ہے، مزید برآں انہوں نے ہر مصرع کو نہیں، بلکہ شعر کے صرف پہلے مصرع کو حوالہ بنایا ہے، اس لیے اس کی افادیت محدود ہے، جبکہ داؤد عسکر کا مرتب کردہ اشاریہ نسبتاً زیادہ جامع ہے کیونکہ اس میں ہر شعر کے دونوں مصرعوں کو حوالہ بنایا گیا ہے۔ نیز کلام اقبال کی قدیم اشاعتوں (ماقبل ۱۹۷۳ء) اور شیخ غلام علی ایڈیشن (۱۹۷۳ء و مابعد) دونوں کے صفحات نمبر دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد بھی مختلف ناشرین کی طرف سے ''کلیات اقبال'' (اُردو) کے متعدد نسخے شائع ہوئے ہیں۔ ان سب میں اہم نسخہ اقبال اکادمی پاکستان کا ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں ''ڈی لکس اشاعت'' اور ۱۹۹۴ء میں ''سپر ڈی لکس اشاعت'' اور عوامی ایڈیشن ۱۹۹۴ء، شیخ علی غلام ایڈیشن کے بعد یہ کلیات کا سب سے معتبر نسخہ ہے اور صحت متن کے اعتبار سے سب میں زیادہ قابل اعتماد ہے، یاسمین رفیق نے اس اشاریے میں کلام اقبال کی تین اہم اشاعتوں شیخ مبارک علی اور شیخ غلام علی کی قدیم اشاعتیں، ''کلیات اقبال (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۳ء و مابعد اور اس میں شامل اردو کلام کے مجموعے اور ''کلیات اقبال'' (اُردو) اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۹۰ء و مابعد اور اس میں شامل اردو کلام کے مجموعے کو حوالہ بنایا گیا ہے۔

حوالے میں مصرعوں کی الفبائی ترتیب اختیار کی گئی ہے اور ہر مصرع کے سامنے متذکرہ بالا تینوں اشاعتوں کے صفحات نمبر بھی درج کیے گئے ہیں اور یہ صفحات نمبر پورے کلیات کے نہیں الگ الگ کتابوں بانگ درا، بالِ جبریل وغیرہ کے ہیں۔ ہر مصرع کی متعلقہ نظم یا غزل کی نشاندہی کے ساتھ مصرع کا شمار بھی دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ''حرفے چند'' میں لکھتے ہیں: عزیزہ یاسمین رفیق نے اس کام کو بڑی محنت اور دقت نظر سے انجام دیا ہے۔ اس کا ایک ضمنی فائدہ یہ ہوا کہ ''جوئے شیر'' میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں، ان کی نشاندہی بھی ہو گئی۔ اس کی تفصیل ان کے مقدمے میں درج ہے۔ داؤد عسکر صاحب نے ''جوئے شیر'' کو نہایت ذوق وشوق سے مرتب کیا تھا لیکن یاسمین رفیق کی تحقیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی کاوشوں میں غلطی کا احتمال ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ کل کلاں کوئی اور اشاریہ نگار یاسمین رفیق کے زیر نظر اشاریے کی غلطیوں کا گوشوارہ مرتب کر دے، مگر اس سے یاسمین کے اشاریے کی اہمیّت کم نہیں ہوگی، جس طرح ''جوئے شیر'' کی اہمیّت باوجود اس کی غلطیوں کے، آج بھی

مسلم ہے۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ اب ''جوئے شیر'' کے بجائے زیرِنظر ''مصرع وار اشاریہ'' کلام اقبال ہی قابل اعتنا ہوگا۔ (ص، ب) یاسمین رفیق کی یہ کاوشیں اس اعتبار سے بھی قابل تحسین ہیں کہ اس نوعیت کے کام اقبالیان اور اقبال شناسوں کی توجہ سے محروم ہیں کیونکہ حوالہ جاتی تحقیقی کام مشکل اور جان لیوا ہوتے ہیں اور اس میں تنقیدی مضامین لکھنے سے کہیں زیادہ محنت درکار ہوتی ہے۔ یہ اشاریہ مصرع وار اور بہ اعتبار حروف تہجی ترتیب دیا گیا ہے اور خاصی محنت کی گئی ہے۔ لہٰذا مرتبہ کے اس حوالہ جاتی تحقیق پر مبنی کارنامے کی ہر لحاظ سے اہمیّت مسلم ہے۔

''اشاریہ کلام اقبال'' مرتبہ: زبیدہ بیگم

یاسمین رفیق کے مرتب کردہ اشاریے ''اشاریہ کلام اقبال اردو'' (مصرع وار، بہ اعتبار حروف تہجی) شائع شدہ ۲۰۰۱ء کے بعد جو دوسرا اشاریہ شائع ہوا، خاتون اشاریہ نگار زبیدہ بیگم کا مرتب کردہ ہے۔ جو دراصل ان کا حوالہ جاتی تحقیقی مقالہ تھا اور انہوں نے اسے ڈاکٹر ظہور الدین احمد کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچایا تھا۔ زبیدہ بیگم کا مرتب کردہ ''اشاریہ کلیات اقبال'' الفیصل ناشران وتاجران کتب اُردو بازار، لاہور سے اگست ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔

اس اشاریے سے علامہ اقبال کی فکر کے تدریجی ارتقاء کے جاننے میں مدد ملتی ہے۔ اس اشاریے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال نے سب سے زیادہ اپنی ذات اور اپنے شعر کے متعلّق لکھا ہے۔ اس سے کم خودی، مسلمان، عشق اور زندگی کے موضوعات پر لکھا ہے۔ ''بانگ درا'' میں صرف دو تین جگہ خودی کے متعلّق لکھا ہے اور اس میں فقر اور ملا کو موضوع سخن نہیں بنایا گیا۔ حسن اور مناظر فطرت پر اظہار خیال ''بانگ درا'' میں کثرت سے ہے۔ صرف ''بانگ درا'' میں واعظ کو ہدف طنز وتعریض بنایا گیا ہے۔ پھر یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اقبال نے انگریزوں کی تعریف میں بھی اشعار لکھے ہیں۔ ''بانگ درا'' میں عورت کی شخصیت پر کہیں اظہار خیال نہیں کیا گیا۔

اس اشاریے کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ ہر مصرعے کے ابتدائی دو یا تین الفاظ کو ہجائی ترتیب سے لکھا گیا ہے، اس کے بعد کتاب کا نام نظم یا غزل یا قطعہ کا نام اور آخر میں صفحہ درج کیا گیا ہے۔ چونکہ کلام اقبال کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، اس خیال کے تحت کہ جو ایڈیشن زیرِنظر اشاریے کے مرتب کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے وہ بعض محققین کو دستیاب نہ ہو سکے، نظم کا نام بھی ساتھ دے دیا گیا ہے۔ تاکہ اگر صفحہ نہ مل سکے تو نظم میں سے شعبہ ڈھونڈا جا سکے۔ قارئین کی سہولت کی خاطر کتاب کے انفرادی صفحات (مثلاً بانگ درا، بال جبریل وغیرہ) کے علاوہ کلیات کے صفحات بھی لکھے گئے ہیں۔

کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس اشاریے میں اقبال کے تمام مطبوعہ اشعار کا احاطہ ہو جائے۔ چنانچہ اقبال کے خود

مرتبہ کلیات کے علاوہ سرودِرفتہ، باقیاتِ اقبال، روزگارفقیراورانوارِاقبال میں مندرج تمام اشعار کو شامل کرلیا گیا ہے کیونکہ سرودِ رفتہ کے تمام اشعار ''باقیاتِ اقبال'' میں آ چکے ہیں اس لیے سرودِ رفتہ کا حوالہ نہیں دیا گیا۔موضوعات کے اشارے میں شعر کے پہلے دو یا تین لفظ بھی دیے گئے ہیں جس میں اس موضوع کا اظہار ہوتا ہے تا کہ مطالب کی تلاش میں آسانی پیدا ہو۔''اختصارات'' کے عنوان کے تحت کلیات کے بجائے الگ الگ کتب کے اختصارات درج کیے گئے ہیں جیسے با: بانگ درا، بال: بال جبریل،ضرب: ضرب کلیم، ارم، ارمغانِ حجاز، باقیا: باقیاتِ اقبال، روزگار: روزگارفقیر، انور: انوارِاقبال اور آخر تک۔

یاسمین رفیق کے مرتب کردہ اشاریہ میں پورا مصرع دیا گیا ہے یعنی مصرع وار ترتیب دیا گیا ہے جبکہ زبیدہ بیگم کے مرتب کردہ اشاریہ میں پورے مصرعے کے اندراج کے بجائے اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف پہلے دو یا تین الفاظ دیے گئے ہیں۔الفاظ اور مفرعوں کی ہجائی لحاظ سے ترتیب دونوں اشاریوں میں مشترک ہے۔ذیل میں دونوں اشاریوں سے ایک ایک مثال درج کی جاتی ہے: یاسمین رفیق کے مرتب کردہ اشاریہ سے مثال:

مصرع	صفحہ کتاب قدیم غ ع اکادمی عنوان
آ،اک نیا شوالا اس دیس میں بنا دیں	بانگ درا ۸۸ ۹۹ ۸۸ نیا شوالا

اب زبیدہ بیگم کے مرتب کردہ اشاریہ سے مثال: آ اک: با نیا شوالا: ۸۸

''خطباتِ اقبال'' مرتبین: ڈاکٹر روبینہ ترین، ڈاکٹر انوار احمد

ڈاکٹر انوار احمد اور ڈاکٹر روبینہ ترین کی مرتبہ کتاب ''خطبات اقبالیات'' شعبہ اُردو بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کے زیرِ اہتمام جولائی ۲۰۰۳ء شائع ہوئی۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، فتح محمد ملک، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر سلیم اختر، پروفیسر افتخار حسین شاہ، ڈاکٹر رشید امجد، ڈاکٹر اے بی اشرف، ڈاکٹر انوار احمد، ڈاکٹر اسلم انصاری، ڈاکٹر محمد امین، ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی، ڈاکٹر یوسف خشک، ڈاکٹر روبینہ ترین، ڈاکٹر شگفتہ حسین، ڈاکٹر قاضی عبدالرحمٰن عابد، شازیہ عنبرین رانا اور سید عامر سہیل کے مضامین اس کتاب میں یکجا کیے گئے ہیں۔اس کتاب میں شامل تمام مضامین/لیکچرز اقبال کے فکر و فلسفہ کے کسی نہ کسی پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ان میں ڈاکٹر انوار احمد کا مضمون ''فکرِ اقبال کے تناظر میں پیروں اور مخدوموں کی تکریم اور ذمہ داری'' خاصے کی چیز ہے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر سلیم اختر، پروفیسر افتخار حسین شاہ، ڈاکٹر اے بی اشرف سیّد عامر سہیل کے مضامین بھی اہم

ہیں۔ڈاکٹر روبینہ ترین کا مضمون ''اقبال کا تصورِ عورت شاعری اور مکاتیب کی روشنی میں'' 16 صفحات پر مشتمل ہے۔اقبال کا پیغام صرف برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کے لیے ہی نہ تھا بلکہ انہوں نے جن مسائل یا زندگی کے جن پہلوؤں پر قلم اُٹھایا تھا اس کا خود نوجوان طبقہ شہری، دہقان، مزدور اور تمام مرد و خواتین ہیں۔

ڈاکٹر روبینہ ترین نے اس مضمون میں فکرِ اقبال کی روشنی میں مشرقی مسلمان عورت کے مثالی تصور کی وضاحت کی ہے جو عورت کے حوالے سے اقبال کی شخصیت اور فکر کی تفہیم میں مدد دیتے ہیں اور ساتھ ہی اس سے آج کی مسلم معاشرے میں تنگ نظری اور قدامت پسندی سے نبرد آزما عورت کی جدوجہد کو نئے معانی اور تقویت ملتی ہے۔علامہ اقبال عورت کی عظمت کے قائل تھے ان کے نزدیک یہ عطیہ قدرت ہے جو کسی بھی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔عورت کے بارے میں علامہ اقبال کے کلام میں جذباتی سے زیادہ فکری انداز ملتا ہے۔ان کے کلام میں ہندوستانی معاشرے اور تہذیب میں عورت کی مختلف حیثیتیں نمایاں ہوئیں۔ضربِ کلیم، جاوید نامہ اور بالِ جبریل میں عورت کو اس کے فرائض یاد دلاتے ہوئے عورت کا اولین منصب لذتِ تخلیق گردانتے ہیں۔بقول مصنفہ:

> ''اقبال عورت کا شرف ''امومیت'' کو قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک اسی صفت کی وجہ سے وہ تصویرِ کائنات میں رنگ بھرتی ہے۔اسی کے شعلوں سے حیات کے اسرار و رموز کھلتے ہیں اور لذتِ تخلیق سے آشنا ہو کر ہی گوہر کو سامنے لاتی ہے''۔(۲۲)

ڈاکٹر شگفتہ حسین کا مضمون ''اقبال کی تہذیبی جدوجہد'' ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔انہوں نے اس مضمون میں بیان کیا ہے کہ اقبال نے:

The reconstruction of religious thought in islam کے پانچویں خطبے میں مسلم ثقافت کا منبع وحی کو قرار دیا ہے۔اقبال نے اپنے خطبے میں مسلم ثقافت کی نمایاں اور ممتاز خصوصیات بیان کرتے ہوئے اجتہاد اور اجماع کو بھی اسلامی ثقافت کا ایک اہم عنصر قرار دیا ہے۔کیونکہ اقبال اجتہاد کو اصول حرکت کہتے اور اسے اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں۔

مصنفہ کے نزدیک خطبہ الٰہ آباد میں اقبال نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا مطالبہ اسی لیے کیا کہ پاکستان میں اسلام عربی شہنشاہیت کے اثرات سے آزاد ہو کر اس جمود کو توڑ ڈالے گا جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہیں لیکن اقبال نے جن حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ خواب دیکھا اور ہندوستان کے مسلمانوں کی ثقافتی پہچان کا مسئلہ اُٹھایا، ان خیالات میں اب تک اور کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے کہ

ہم نے ایک آزاد ریاست ضرور حاصل کر لی ہے۔ یہاں اسلام کے اعلیٰ تخیل اور عمدہ اصولوں پر بدستور مولویوں اور نام نہاد فقیہوں کا قبضہ ہے اور تقلید کی گمراہی ہے جو اقبال کی پیش کردہ اسلامی ثقافت کی روح کے قطعی منافی ہے۔

شازیہ عنبرین رانا کا مضمون ''اقبال اور آفتاب اقبال (حقائق کی تلاش کا سفر)'' ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مضمون میں مصنفہ نے ایک ایسے موضوع پر قلم اُٹھایا ہے جسے بیان کرنے سے عموماً اجتناب برتا جاتا ہے۔ وہ موضوع اقبال کی پہلی شادی کی ناکامی اور ان کے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال سے ان کی کشیدگی ہے۔ شازیہ عنبرین رانا نے اقبال کی پہلی شادی کی ناکامی کے اسباب کم عمری کی شادی، تعلیم کے حصول کی خاطر دوری، بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی سختی و درشتی، فراہمی روزگار کے نہ ہونے کے ساتھ ساتھ بیوی (کریم بی بی) کا سسرال کو گھر نہ سمجھ سکنا اور بار بار میکے جانا گنوائے ہیں۔ شازیہ عنبرین رانا کے نزدیک اقبال اور ان کی پہلی شادی کی ناکامی اور آفتاب اور علامہ اقبال کے درمیان رنجش کا سب سے بڑا نقصان اردو ادب کا ہوا۔ وہ لکھتی ہیں:

> ''آفتاب اقبال کی حیثیت کو تسلیم نہ کرنے اور ان کے علم سے فائدہ نہ اُٹھانے کے باعث اقبال کی حیات کے واقعات و افکار کے ایسے بہت بڑے حصّے سے ہمیں محروم ہونا پڑا ہے۔ جن کا جاننے والا آفتاب کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔'' (۲۳)

مرتبین ڈاکٹر انوار احمد اور ڈاکٹر روبینہ ترین کی یہ کاوش معاشرے میں فکر کی رو کو متحرک کرنے اور ایک نئے سلسلہ خیال کو فروزاں کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔

''فکر و فن اقبال'' مرتبہ: ڈاکٹر شگفتہ زکریا

ڈاکٹر شگفتہ زکریا کی مرتبہ کتاب ''فکر و فن اقبال'' سنگت پبلشرز، لاہور سے جنوری ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ سال ۲۰۰۲ء کو حکومت پاکستان نے سال اقبال قرار دیا تھا۔ اس موقع پر بہت سی تصنیفات و تالیفات شائع ہوئیں۔ مرتبہ ڈاکٹر شگفتہ زکریا نے اس سوچ کے تحت علامہ اقبال کے فکر و فن کے بارے میں مسلمہ حیثیت کے حامل اقبال شناسوں کی تحریروں کو یکجا کر دیا ہے کہ یہ رواداری میں لکھی جانے والی حالیہ تنقیدی تحریروں سے زیادہ مفید ثابت ہوں گی۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اولاً عبدالسلام ندوی، سید وحید الدین فقیر، پروفیسر حمید احمد خان، سر عبدالقادر، عزیز احمد، ڈاکٹر تاثیر، صوفی تبسم، خلیفہ عبدالحکیم اور سید عابد علی عابد جیسے ماہرین اقبال کے مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے جو مسلمہ اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال سے ذاتی روابط بھی رکھتے تھے۔ دوم ان لوگوں کے مضامین شامل کیے گئے ہیں جو پہلی صف کے بعد اقبالیات کے شعبے میں بڑی اہمیّت کے حامل ہیں مثلاً یوسف ظفر، فیض، ڈاکٹر سید عبداللہ، وحید قریشی، پروفیسر محمد منور اور ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی وغیرہ۔ تیسری صف میں عصر

حاضر کے چند اقبال شناسوں کے مضامین یکجا کیے گئے ہیں جن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر تحسین فراقی اور خواجہ محمد زکریا شامل ہیں۔ اس کتاب میں مرتبہ کے پیش لفظ اور ایک مضمون کے علاوہ دیگر اہم ناقدین کے ۱۹ مضامین شامل ہیں۔

ڈاکٹر شگفتہ زکریا نے اپنے مضمون ''حیات اقبال-سنین کے آئینے میں'' کے ذریعے بڑی محنت سے سنین کے حوالے سے حیات اقبال کا جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ بہت مفید ہے کیونکہ اس سے اقبال کی زندگی کے بارے میں تمام اہم معلومات مل جاتی ہیں۔ یہ جائزہ اقبالیات کے قارئین اور طلباء کے لیے بے حد مفید اور اہمیّت کا حامل ہے کیونکہ اس سے انہیں حیات اقبال کے بارے میں ہر قسم کی معلومات مل سکتی ہیں۔ پروفیسر حمید احمد خان نے اپنے مضمون میں اقبال کی لفظی تصویر کھینچی ہے۔ اس مضمون میں پروفیسر حمید احمد خان نے اقبال کے حلیے اور سراپا کی لفظی تصویر کشی کی ہے اور اقبال کی پوری ہستی کی بنیاد غور وفکر پر قائم بتائی ہے۔ سید وحید الدین فقیر نے اپنے مضمون میں سیرت اقبال کی چند جھلکیاں پیش کی ہیں۔ اس مضمون میں اقبال کی روزمرہ زندگی، مشاغل، خوراک، رہائش، لباس، کاروباری مسائل، میل ملاقات اور معیار اخلاق کی جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔

سر عبدالقادر نے اپنے مضمون میں اقبال کو ایک شاعر، فلسفی اور مال اندیش کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ اقبال کی تصنیفات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد ان کے فلسفہ حیات پر بھی مختصراً طائرانہ نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اقبال قوت عمل کی تخلیق کی حمایت اور بے چارگی و بے بسی کی مذمت کرتے ہیں۔

عبدالسلام ندوی نے اپنے مضمون میں علامہ اقبال کی تصانیف کو موضوع بحث بنایا ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کی سب سے پہلی نثری تصنیف ''علم الاقتصاد'' کے ذکر کرنے کے بعد اسرار خودی، پیام مشرق اور زبور عجم اور دیگر تصانیف جیسے جاوید نامہ اور بانگ درا وغیرہ کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ اقبال کی کچھ ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کے لکھنے کا علامہ نے ارادہ کیا تھا مگر وہ بہ وجوہ لکھ نہ پائے۔

خلیفہ عبدالحکیم کا مضمون ''افکار اقبال'' اقبال کے افکار کے تنوع اور ثروت کے بارے میں ہے۔ ان کے نزدیک علامہ اقبال نے مسلمانوں کے علمی اور روحانی خدشے کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور اس میں سے حیات افزا عناصر کو حیات کش عناصر سے الگ کیا۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے اقبال کے افکار و تاثرات کے بحر بے پایاں کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان کے نظریہ حیات کے لب لباب کو ستائیس نکات کے ذریعے واضح کیا ہے۔

یوسف ظفر نے اپنے مضمون ''اقبال کا تدریجی ارتقا'' میں اقبال کی شاعری کے حوالے سے ان کے تدریجی

ارتقا کو واضح کیا ہے۔ یہ مضمون ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے نزدیک اقبال کی عظمت یہ ہے کہ ان کے ہاتھ میں ہر خیال، ہر تصور، ہر فلسفہ ہر جذبہ ایک ایسا لازوال پیکر بن گیا ہے کہ اس کی جمالیاتی اور ادبی حیثیت صدیوں تک قائم و باقی رہے گی۔ عزیز احمد نے اپنے مضمون ''اقبال کا آفاقیت کا مسئلہ'' میں اقبال کی شاعری کی نمایاں ترین خصوصیّت فکر کو قرار دیا ہے۔ انہوں نے اقبال کے شعری مجموعہ بانگ درا میں فکر کے عنصر کی کمی کی بنا پر اسے ان کی نمائندہ تصنیف قرار نہیں دیا اور اقبال کا نمائندہ ترین مجموعہ اردو میں بال جبریل اور فارسی میں جاوید نامہ کو ٹھہرایا ہے۔ پھر انہوں نے علمیت اور فکر کے غلبے کے باعث اقبال کے کلام پر جو اثرات پیدا ہوئے، کا سرسری جائزہ لیا ہے۔

ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر کے مضمون ''میرا پیام اور ہے'' میں اقبال کے افکار کا مختصر بیان ہے۔ اخوت اور حریت اقبال کے کلام کے اساسی خیالات ہیں، وہ اس مخصوص طرز جمہوریت کے خلاف ہیں، جس میں افیراد کی گنتی تو ہوتی ہے مگر شخصیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اقبال خودی کو کمزور کر دینے والی تعلیم کو خطرناک سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک صحیح تعلیم وہ ہے جو عقل اور عشق دونوں کو خودی سے محکم کر دے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے اپنے مضمون ''دگر دانائے راز آید کہ ناید'' میں یہ بیان کیا ہے کہ اقبال کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے شاعری میں فلسفہ وحکمت کے دقیق، پیچیدہ اور خشک مسائل کو شعر کا جامہ پہنا کر اسے لطیف و پاکیزہ صورت میں پیش کیا اور اس میں فنی جذب وکشش بھر دی۔

فیض احمد فیض نے مضمون ''ہماری قومی زندگی پر اقبال کے اثرات'' میں ہمارے قومی ذہن اور قومی زندگی پر کلام اقبال کے اثرات واضح کرتے ہوئے اقبال کو ایک وسیع سمندر قرار دیا ہے جو چاروں طرف محیط ہے اور ایسی یونیورسٹی یا جامعہ سے تعبیر کیا ہے جس میں ہر طرح کے دبستان موجود ہیں اور ہر طرح دبستانوں نے ان سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا مضمون ''اقبال اور صوفی - اختلاف اور اتفاق کی کہانی'' میں بہت مفید ہے۔ اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ اقبال تصوف کے بعض خاص رنگوں، رسموں اور طریقوں مثلاً یونانی، رہبانی اور ہندو تصوف کے مخالف تھے لیکن قرآنی یا سچّے تصوف کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور گہرا اعتقاد رکھتے تھے۔ علامہ صوفیوں کے معتقد بھی تھے اور ان سے مستفید بھی ہوئے اور اختلاف بھی کیا۔

سید عابد علی عابد کا مضمون کلام اقبال میں لالے کی علامتی حیثیت کی وضاحت پر مبنی ہے۔ علامہ اقبال کے کلام میں لالہ جگر سوختگان عشق اور شہیدان، محبت کی علامت ہے۔ دوسرے دور میں لالے کی یہ علامتی حیثیت نامکمل اور ناقص ہے۔ ۱۹۰۸ء کے بعد علامہ اقبال لالے کی علامتی کی توضیح کے لیے اسے ''صحرائی کی صفت سے متصف کر کے اس سے مراد تہذیب حجازی لیتے ہیں۔ اس مرحلے تک اقبال لالہ صحرا کو فقط عرب کی مخصوص ثقافت کی علامت

کے طور پر استعمال کرتے ہیں پھر یہ ہلال اور ماہ کامل بن گئی۔ پیام مشرق میں لالے کے ساتھ اقبال کی دل بستگی بڑھ جاتی ہے اور باب لالہ حسن ازل کا ترجمان اور راز دان معلوم ہوتا ہے۔ پھر اقبال کی حضور اور اُمت محمدی سے محبت لالے سے شیفتگی کی حد تک جا پہنچتی ہے۔

پروفیسر محمد منور کا مضمون قائداعظم کی نظر میں اقبال کے مقام پر مشتمل ہے۔ قائداعظم نے علامہ اقبال کو اپنا رہنما قرار دیا تھا۔ جبکہ علامہ خود کو قائداعظم کا ایک ادنیٰ سپاہی قرار دیتے تھے۔ حق یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے امت مسلمہ ہندیہ کی بگڑی کو سنوارا۔ ڈاکٹر وحید قریشی اپنے مضمون میں تفہیم اقبال کے لیے فارسی زبان کی اہمیّت پر بحث کرتے ہوئے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ علامہ جیسے نظریاتی مفکر کی فکر کی توانائی سے پوری طرح آشنا ہونے کے لیے فارسی زبان سے واقفیت ضروری ہے۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اپنے مضمون ''اقبال اور قرآن'' میں یہ بتایا ہے کہ علامہ اپنے خیالات وتصورات کو قرآن حکیم کے علم کی روشنی میں پرکھتے تھے اور جو خیال اور نظریہ انہیں قرآن سے متصادم اور اس تعلیم کے آئینے میں ناقص نظر آتا تھا، اسے ترک کر دیتے تھے۔ اقبال کے نزدیک مومن کی ساری فراست وبصیرت قرآن حکیم کی مرہونِ منت ہے بلکہ مومن خود سراپا قرآن ہے۔ علامہ خطبہ اوّل میں فرماتے ہیں:

> ''قرآن مجید کا حقیقی مقصد تو یہ ہے کہ انسان اپنے اندران گوناگوں روابط کا ایک اعلیٰ اور برتر شعور پیدا کرے جو اس کے اور کائنات کے درمیان قائم ہیں۔''(۲۴)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا مضمون اردو شعر وادب پر اقبال کے اثرات پرمبنی ہے۔ اس مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ اقبال نے اپنی زندگی بلکہ شاعری کے ابتدائی زمانے ہی میں دنیا کے علمی وادبی حلقوں کو جس طرح اپنی جانب متوجہ کر لیا، اس کی مثال کوئی دوسری اردو میں نظر نہیں آتی۔ علامہ اقبال نے اردو شعر وادب اور فکر وفن کو ایک نیا مقام ومرتبہ عطا کیا۔ خواجہ محمد زکریا کا مضمون کلام اقبال میں خود احتسابی کی ۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ اقبال ہر حال میں رجائیت کے پیغامبر ہیں۔ انہوں نے بار بار ملت وافراد کے طبقات کا جائزہ تنقیدی انداز میں لیا اور ان کی خرابیوں کو طشت ازبام کر کے اصلاح کا پیغام دیا ہے۔ اقبال نے خود انتقادی اور خود احتسابی کو لازمہ ترقی بنایا ہے اور یہ نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ جب تک ہم اپنی خرابیوں کو تلاش نہیں کریں گے اس وقت تک اصلاح کا عمل شروع نہیں ہو سکے گا۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنے مضمون ساقی نامہ میں پہلے ساقی نامہ کا تعارف وپس منظر، پھر فکری جائزہ پیش کیا ہے اور عالمی منظر پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے اسے مسلم انحطاط کا مرثیہ قرار دیا ہے۔ ساقی نامہ کو احیائے ملت کے لیے

ولولہ عزم قرار دیتے ہوئے اس میں موجود کائنات اور زندگی کے مشاہدے، خودی اور اس کے احکامات اور پرورش خودی کی تلقین پر تبصرہ وتنقید کی ہے۔ساقی نامہ کا فنی تجزیہ کرتے ہوئے رفیع الدین ہاشمی نے اس کی خوبیاں روایتی انداز، ایجاز و بلاغت، روانی وتسلسل، تصویر کاری اور نئی تراکیب کا استعمال گنوائی ہیں۔اس مضمون میں عبدالسلام ندوی، پروفیسر محمد منور، ڈاکٹر یوسف حسین خاں اور مولوی شمس تبریز خاں کے حوالہ جات ساقی نامہ کی تعریف و تصویف کے حوالے سے دیے ہیں۔ بلاشبہ یہ مضمون بہت ہی زیادہ افادیت کا حامل ہے۔

کتاب کی مرتبہ نے اس کتاب میں آخری مضمون ڈاکٹر تحسین فراقی کا شامل کیا ہے۔ڈاکٹر تحسین فراقی کا مضمون ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ''علامہ اقبال اور مسلم نشاۃ ثانیہ'' کے عنوان کے تحت علامہ اقبال کی تہذیب اسلامی سے قلبی وابستگی کو بیان کیا گیا ہے۔کتاب میں شامل تمام مضامین اقبال شناسی کے میدان کے نمائندوں کے ہیں اور بہت مفید اور معلومات سے بھرپور ہیں۔کتاب کی مرتبہ ڈاکٹر شگفتہ زکریا کی یہ کوشش بہت اہمیّت کی حامل ہے کہ انہوں نے اقبال کے فکر وفن کے بارے میں مسلمہ حیثیت کے حامل اقبال شناسوں کی تحریروں کو یکجا کر دیا ہے جو عرصے سے وقت کی گرد میں دب چکی تھیں۔ان اقبال شناسوں کی یہ تحریریں بے شک وشبہ موجودہ تنقیدی تحیروں سے جو کہ رواداری میں لکھی گئی ہیں یا بعض مضامین کا حربہ ہیں، سے زیادہ مفید ہیں۔

''اقبال میری نظر میں ڈوریس احمد'' مترجمہ: سیدہ قرۃ العین بخاری

ڈوریس احمد، مترجمہ سیدہ قرۃ العین بخاری کی کتاب ''اقبال میری نظر میں'' پورب اکادمی، اسلام آباد سے اپریل ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی۔ باب اول آمد پر مشتمل ہے جبکہ باب دوم میں بچوں سے گھلنا ملنا اور دیگر گھریلو امور، روزانہ کے معمولات، پہناوا، گھر اور ملازمین، منیرہ، جاوید، چوہدری محمد حسین، منشی طاہر دین، راجا حسن اختر، ڈاکٹر عبدالحمید، ڈاکٹر جمعیت سنگھ، علامہ اقبال کے اعزا، شیخ عطا محمد، کریم بی بی، زنیب، ڈاکٹر صاحب کے آخری ایام اور ڈاکٹر صاحب کی وصیّت کا ذکر کیا گیا ہے۔قرۃ العین بخاری ایک منجھی ہوئی براڈ کاسٹر اور صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سلیقہ مند گھریلو خاتون بھی ہیں۔علم وادب اور گھریلو زندگی کو بطریقِ احسن نبھانا ان کا کمالِ فن نہیں تو اور کیا ہے۔جس طرح کی گھریلو زندگی کا عکس اس کتاب میں ملتا ہے اس کو صحیح معنوں میں تاثر انگیز طریقے سے بیان کرنے کے لیے علمیت کے ساتھ گھریلو زندگی کی نفسیات سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ڈاکٹر منور ہاشمی سیدہ قرۃ العین بخاری کی کتاب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں:

''ڈوریس احمد کی کتاب کا ترجمہ کرنے کے لیے بچوں کی پرورش کرنے والا دل و دماغ، چھوٹے چھوٹے گھریلو

معاملات کوسلجھانے والی دانش وبینش اور زندگی کو زندہ آنکھوں سے دیکھنے والی بصیرت ہی درکار ہوتی ہے۔الحمداللہ!
قر?العین کو یہ تمام اوصاف اللہ نے عطا کیے ہیں''۔(۲۵)

قرۃ العین نے انگریزی میں لکھی ہوئی اس کتاب کے لفظوں کی معنویت کا سطحی ادراک نہیں کیا بلکہ الفاظ کی روح تک میں اُتر کران کے اندر چھپے ہوئے تاثر اور احساس کو باہر نکالنے کی کوشش کی ہے۔قرۃ العین نے نہ صرف الفاظ کو دیکھا بلکہ پسِ الفاظ جھانک کر اُن کو اصل رنگ میں پیش کیا، ترجمے کی زبان علمی وادبی تو ہے ہی، گھریلو بھی ہے۔یعنی الفاظ کے تاثر کے معاملے میں انہوں نے حقیقت سے قریب تر ہونے کی کوشش کی ہے۔بعض الفاظ جو علمی وادبی محفلوں میں بولے جاتے ہیں وہاں ایک خاص تاثر پیدا کرتے ہیں مگر جب وہی الفاظ گھر کے اندر بولے جائیں تو ان سے پیدا ہونے والا تاثر مختلف ہوتا ہے۔قرۃ العین کے ترجمے سے بھی یہ چیز ظاہر ہوتی ہے۔علامہ اقبال کے بارے میں جو کچھ انہوں نے لکھا اس کا ایک الگ اندازِ نظر ہے۔کہیں وہ انہیں محض جاوید اور منیرہ کے باپ کی حیثیت سے دیکھتی ہیں اور ان کے جذبات لکھنے کی کوشش کرتی ہیں، تو کہیں رشتہ داروں کے ساتھ ان کے تعلّق اور نسبت کے حوالے سے ان کے احساسات کا احاطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں اور کہیں دوستوں کے ساتھ ان کے لگاؤ اور دوستوں کی عقیدت اور محبت کی عکاسی کی ہے۔عام لوگوں اور مداحوں کے ساتھ اقبال کے سلوک اور تعلّق کو بھی ایک گھریلو رنگ میں پیش کر دیا ہے۔قرۃ العین نے اپنے ترجمے میں ان ساری کیفیات کو سامنے رکھا ہے۔

اس کتاب کی اُردو میں اشاعت سے جہاں اقبال کی گھریلو زندگی کے بہت سے نازک معاملات سامنے آئیں گے وہاں ان کے بارے میں بعض دشمنانِ اقبال وقوم کی طرف سے پیدا کی گئی غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں گی۔بعض نام نہاد یورپی دانشوروں نے اقبال کی شراب نوشی کا تذکرہ کر کے مسلمان قوم کے اس ہیرو کی اہمیّت کم کرنے کی مذموم کوشش کی، لیکن ڈوریس کی کتاب اور اس کے ترجمے نے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا اور یہ گواہی پیش کی کہ اقبال شراب یا دیگر نشہ آور اشیاء سے سخت نفرت کرتے تھے۔قرآن سے محبت اور عبادات کا اہتمام اقبال کس طرح سے کیا کرتے تھے، یہ سب کچھ گھر کے اندر رہنے والے ایک فرد کے قلم سے واضح ہوا اور اس ترجمے کے ذریعے مزید واضح ہو گیا ہے۔قرۃ العین بخاری کی اس کتاب نے اہلِ علم وادب کے ساتھ ہر سطح کے قارئین میں مقبولیت حاصل کی اور بے مثال کتاب ثابت ہوئی۔

''علامہ اقبال اور روز نامہ زمیندار'' مرتب: ڈاکٹر اختر النساء

ڈاکٹر اختر النساء کی مرتبہ تخلیق ''علامہ اقبال اور روز نامہ زمیندار'' بزم اقبال، لاہور سے جون ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔''اقبال اور روز نامہ زمیندار'' میں شامل ابواب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

کتاب کا پہلا باب متون اقبال: الف نثر، تقاریر، بیانات، تبصرے، مکاتیب، تار، ب۔ شاعری دوسرا باب تصانیف اقبال کے بارے میں مضامین، اشتہارات، اطلاعات، رپورٹیں، تجزیے، تبصرے، تار منظومات تیسرا باب سوانح اقبال (زمانی ترتیب سے)، چوتھا باب انجمنیں اور ادارے، پانچواں باب معاصرین اور احباب جبکہ کتاب کا آخری اور چھٹا باب افکار و حوادث (زمانی ترتیب سے) پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ درج کیا گیا ہے۔

اُردو کا قدیم اور ممتاز اخبار زمیندار؛ مولانا ظفر علی خاں (۱۸۷۱ء۔۱۹۵۶ء) کے والد مولانا سراج الدین احمد خاں کے زیر ادارت جنوری ۱۹۰۳ء میں لاہور سے ہفتہ وار نکلنا شروع ہوا۔ چند ماہ بعد اپنی مجبُوریوں کے باعث، وہ اسے کرم آباد، تحصیل وزیر آباد لے گئے۔ یکم جون ۱۹۰۳ء سے یہ موضع کرم آباد سے ہفتہ وار نکلنے لگا۔ اس کا مقصد اجرا کاشت کاروں اور زمینداروں کے مسائل کا اظہار، ان کے مفادات کی نگہبانی اور اس طبقے کی اصلاح تھا، اسی وجہ سے اس کا نام زمیندار رکھا گیا۔ زمیندار میں چونکہ زیادہ تر زمینداروں اور کسانوں کی فلاح و بہبود کے متعلّق مضامین شائع ہوتے تھے، اس لیے یہ ایک زرعی اخبار سمجھا جاتا تھا۔ زمیندار کے اڈیٹر مولانا ظفر علی خاں نہایت بلند پایہ علمی وادبی ذوق رکھتے تھے۔ جن اہل علم اور اہل قلم سے اُن کا تعلّق رہا، ان میں اقبال کا نام سرفہرست ہے۔ اقبال سے ان کے تعلقات ابتدائی زمانے ہی سے استوار تھے۔ وہ اقبال کے فکر و فلسفے کے بڑے قدر دان تھے۔ زمیندار کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنی مختلف اشاعتوں میں علامہ اقبالکی تقاریر و بیانات، مکاتیب و مراسلت، مضامین و مقالات اور تبصرے برابر شائع کرتا رہتا۔ علامہ کی مختلف تصانیف کی اشاعت کے متعلّق اشتہارات، اطلاعات اور اعلانات شائع ہوتے، جن سے بعض اہم معلومات سامنے آتی ہیں۔ علامہ کی تصانیف کو بڑے فراخدلانہ انداز میں خوش آمدید کہا جاتا اور ان کا تعارف وتبصرہ شائع کیا جاتا۔ اُردو اور فارسی کی کئی نظمیں اور غزلیں زمیندار کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوئیں جو اب اقبال کے شعری مجموعوں میں شامل ہیں۔ تصانیف اقبال پر ان کے دوست احباب تعارفی مضامین و مقالات تحریر کرتے جنھیں مدیر زمیندار بڑے اہتمام سے شائع کرتے تھے۔ کلام اقبال سے متعلّق ادارتی نوٹ زمیندار کے ذریعے اہل ادب وشوق تک پہنچے۔ بعض علمی وادبی، تہذیبی وثقافتی اداروں سے اقبال کی وابستگی تھی۔ ان اداروں میں وہ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ اقبال کی ان خدمات کا ذکر بھی زمیندار میں ملتا ہے۔

یہ درست ہے کہ زمیندار نے میدان سیاست میں غلطی کرنے پر بڑے بڑے مسلم رہنماؤں کی کھلم کھلا مخالفت کی لیکن علامہ اقبال کی بصیرت سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ برعظیم کے مسلمانوں کے تمام مفادات کے

خلاف بھی کوئی اقدام کر سکتے ہیں اور یہ حقیقت خود مدیر زمیندار پر بھی منکشف تھی، اسی لیے آگے چل کر کہتے ہیں:

''ہم علامہ اقبال کی عزت سے خوش ہوتے ہیں۔ زمیندار سے زیادہ شاید کوئی دنیا بھر میں موصوف کا مداح نہیں''(۲۶)

خود علامہ اقبال کو بھی زمیندار سے ہمیشہ دلی ہمدردی رہی اور سیاسی اختلافات کے ایک مختصر عرصے کو چھوڑ کر وہ ہمیشہ اس کی قلمی معاونت کرتے رہے اور جب کبھی یہ اخبار اپنی حریت آموزی اور خرمن استعمار پر شعلہ فشانی کے باعث زیر آ عتاب آ جاتا اور جرمانہ یا بندش یا پریس کی ضبطی وغیرہ جیسی سزاو?ں سے نوازا جاتا تو حضرت علامہ کو بہت دکھ ہوتا اور جب یہ اخبار شورش کشمیری کے الفاظ میں قفس کی طرح اپنی خاکستر سے نیا جنم لیتا تو حضرت علامہ اس پر اظہار مسرت فرماتے۔''افکار و حوادث'' کے عنوان سے زمیندار میں روزانہ ایک فکاہیہ کالم چھپتا تھا۔ ان کالموں میں متعدد مقامات پر اقبال کا ذکر ملتا ہے۔

زیر نظر مجموعے میں شامل مواد زمیندار کے مختلف شماروں سے اخذ کیا گیا ہے۔ بہت سا مواد ایسا ہے جو پہلے کسی مجموعے میں موجود نہیں۔ چند تحریریں مرتبین کے مختلف مجموعوں میں شامل ہیں لیکن ناقص اور نامکمل صورت میں ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں ایسی تحریروں کو مکمل صورت میں شامل کیا ہے۔ بعض متون کی نقل نویسی میں خاصی بے احتیاطی سے کام لیا گیا ہے اور متن صحت کے ساتھ نقل نہیں کیا گیا۔ زیر نظر مجموعے میں اقبال کے متون زمیندار سے نقل کرنے میں حتی الامکان پوری احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور نقل نویسی میں اصل سے مطابقت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ زمیندار سے ماخوذ سارا مواد تاریخی (زمانی) ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے، یعنی ایک خاص عرصے میں جتنا مواد جن مختلف موضوعات پر شائع ہوا، اُسے تاریخ وار درج کیا گیا ہے۔ املا مروج، صحیح اور معیاری اختیار کیا گیا ہے۔ جہاں ضروری سمجھا، مختصر حواشی درج کیے گئے ہیں۔ اقبال کی تقاریر اور بیانات کے جو عنوانات یا سرخیاں زمیندار میں درج تھیں، انہیں اسی طرح دیا گیا ہے، یعنی اگر کسی بیان کی ایک یا دو تین سرخیاں ہیں تو انہیں جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے۔ اس مجموعے کی بعض تحریریں ''گفتار اقبال'' میں بھی شامل ہیں مگر تقابل کرنے پر اندازہ ہوا کہ ''گفتار'' کا متن ناقص ہے۔ ہم نے ''زمیندار'' کا اصل متن شامل کیا ہے اور ''گفتار'' سے اختلاف یا کمی بیشی کی حواشی میں نشان دہی کی ہے۔ ہر بیان اور ہر تقریر کے خاتمے پر ''زمیندار'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بعض متون چند دوسرے مجموعوں میں بھی شامل ہیں مگر ان کا متن ناقص ہے۔ کلام اقبال جو ''زمیندار'' میں شائع ہوتا رہا، اگرچہ اب وہ اقبال کے شعری مجموعوں میں شامل ہے لیکن بعض اشعار یا منظومات کا متن اقبال کے شعری مجموعوں کے متون سے مختلف ہے یا اشعار کی ترتیب میں اختلاف نظر آتا ہے، ان اختلافات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ان

شعری مجموعوں کا حوالہ دے دیا گیا ہے جن میں وہ اب اشعار اور نظمیں موجود ہیں۔ مدون متون میں موجود اغلاط کی تصیح کی گئی ہے اور حواشی میں ایسے مقامات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ تحقیق و قیاس کی مدد سے صحیح متن پیش کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔ اختر النساء رقم طراز ہیں:

''زمیندار میں موجود اقبالیاتی تحریروں کو موضوعات کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے، پھر ترتیب زمانی کے اعتبار سے انہیں یکجا کر دیا گیا ہے۔ جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی، مختصر حواشی بھی لکھ دیئے۔'' (۲۷)

غرض ڈاکٹر اختر النساء کی مرتبہ تصنیف قارئین اقبال کی معلومات میں اضافے کا موجب بنی اور اکیسویں صدی میں بھی اس کی مقبولیت جوں کی توں قائم ودائم ہے۔ اقبالیات سے شغف رکھنے والوں کے لیے یہ تخلیق ایک قیمتی سرمایہ ہے۔

''مکاتیب اقبال کا تجزیاتی مطالعہ'' مرتبہ: پاکیزہ صبا

زیر نظر تصنیف ''مکاتیب اقبال کا تجزیاتی مطالعہ'' نشریات الحمد مارکیٹ، لاہور سے ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے آغاز میں مکاتیب اقبال کی فہرست درج کی گئی ہے جو درج ذیل ہے۔ اقبال کے خطوط آلِ احمد سرور، اقبال کے خطوط سید عبدالواحد، اقبال، خطوط کے آئینے میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، اقبال کے خطوط، تنقیدی جائزہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی، خطوطِ اقبال پروفیسر عبدالحق، اقبال کے خطوط میں ادبی مباحث پروفیسر سحر انصاری، علامہ اقبال کے خطوط ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، علامہ اقبال، خطوط کے آئینے میں ڈاکٹر جمیل جالبی، مکاتیب اقبال میں علمی مسائل پروفیسر شمیم احمد، مکاتیبِ اقبال بنام خواتین ڈاکٹر خالد ندیم۔ اقبال کے فکر و فن کی تفہیم میں جتنی اہمیّت اُن کے کلام کو حاصل رہی ہے، ان کی نثر بالعموم اس سے محروم رہی ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اقبال کے بعد محققین و ناقدین اور ادبی قارئین کی سب سے زیادہ توجہ ان کے مکاتیب کو حاصل ہوئی ہے۔ پاکیزہ صبا رقم طراز ہیں:

''اقبال کے سوانح، شخصیت،، شاعری کے پس منظر، کلام کی توضیح و تشریح، افکار کی تفہیم، سیاسی و عمرانی اور مذہبی و اقتصادی سرگرمیوں کا اندازہ ان کے انہی مکاتیب سے ہوتا ہے۔ ان مکاتیب کا دائرہ ذاتی تعلقات سے عالمی خیالات و واقعات تک وسیع ہے، چنانچہ ان کے ہاں متنوع موضوعات اور رنگارنگ اسلوب کا اظہار ملتا ہے۔'' (۲۸)

اردو انگریزی اور جرمن زبانوں میں ان خطوط کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے، جو مجموعوں کی صورت میں منظر عام پر آئے ہیں (شاد اقبال، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ۱۹۴۲ء اقبال بنام شاد، محمد عبداللہ قریشی، ۱۹۸۶ء Letters of iqbal to jinnah، محمد شریف طوسی، ۱۹۴۳ء، اقبال نامہ (جلد اول)، شیخ عطاء محمد، ۱۹۴۴ء

Iqbal ،۲۰۰۵ء، اقبال نامہ (جلد دوم)، شیخ عطاء محمد، ۱۹۵۱ء ،اقبال نامہ (یک جلد)، شیخ عطاء اللہ مختار مسعود،
letter,s to Attiya begum ،عطیہ فیضی، ۱۹۴۷ء، مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں، ایس اے رحمٰن، ۱۹۵۴ء، مکتوبات اقبال (بنام سید نذیر نیازی)، سید نذیر نیازی، ۱۹۸۷ء ،انوارِ اقبال، بشیر احمد ڈار، ۱۹۶۷ء Letters and writings of iqbal ،بشیر احمد ڈار، ۱۹۶۷ء، Letters of iqbal ،بشیر احمد ڈار، ۱۹۷۸ء، مکاتیب اقبال بنام گرامی، محمد عبداللہ قریشی، ۱۹۶۹ء، خطوط اقبال، رفیع الدین ہاشمی، ۱۹۷۶ء، خطوط اقبال بنام بیگم گرامی، حمید اللہ شاہ ہاشمی، ۱۹۷۸ء، اقبال، جہانِ دیگر، محمد فرید الحق، ۱۹۸۳ء، کلیات مکاتیب اقبال (جلد اول)، سید مظفر حسین برنی، ۱۹۸۹ء، کلیات مکاتیب اقبال (جلد دوم)، سید مظفر حسین برنی، ۱۹۹۱ء، کلیات مکاتیب اقبال (جلد سوم)، ۱۹۹۳ء، کلیات مکاتیب اقبال (جلد چہارم)، سید مظفر حسین برنی، ۱۹۹۸ء، مکتوبات اقبال بنام چودھری محمد حسین، ثاقف نفیس، ۱۹۹۸ء ان خطوط کی اہمیّت اور اس میں اقبال کی سوانح و شخصیت اور فکر وفن کے حوالے سے نہایت اہم لوازمے کے پیش نظر اردو ادب کے صف اول کے محققین و ناقدین نے ان کے موضوعات اور اسلوب نگارش پر خصوصی توجہ دی ہے۔ زیر نظر مجموعہ مضامین ایسی ہی تحریروں پر مشتمل ہے، جن کے مطالعے سے اقبال کے مکتوباتی سرمایے سے کما حقہ استفادے کے در وا ہو سکیں گئے۔ واضح رہے کہ مضامین کی شمو لیت کے وقت اشاعتی اعتبار سے زمانی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱- پروفیسر آل احمد سرور، مرتبہ، زہرا معین، عرفان اقبال، لاہور، شاہ عالم مارکیٹ، ۱۹۷۷ء، ص ۱۶

۲-شمیم حیات سیال، مرتبہ، اقبال بڑا اُپدیشک، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۱۱

۳-سلطانہ مہر، مرتبہ، اقبال دور جدید کی آواز، کراچی، ادارہ تحریر، ۱۹۷۷ء، ۱۳۵

۴-لوس کلوڈ میتیخ، مترجم، سلیم اختر، فکر اقبال کا تعارف، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، اکتوبر ۱۹۷۹ء، ص ۸

۵-سلیم اختر، اقبال شخصیت، افکار و تصورات: مطالعہ کا نیا تناظر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۳۴۶

۶-لوس کلوڈ میتیخ، مترجم، سلیم اختر، فکر اقبال کا تعارف، ص ۷۱

۷-لوس کلوڈ میتیخ، مترجم، سلیم اختر، فکر اقبال کا تعارف، ص ۷۷

۸-عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۱ء، ص ۵

۹-عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، ص ۷۰-۷۱

۱۰-عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، ص ۷۲

۱۱-این میری شمل، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، شہپر جبریل، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۸۵ء، ص ۶

۱۲-شمل، مترجم، ریاض الحق عباسی مولانا، شہپر جبریل، ص ۱۵

۱۳-ایضاً، ص 463

14.Doris ahmed,iqbal as i knew him ,lahore ,iqbal acadmy pakistan ,1986 ,pg ,5

۱۵-شمیم ملک، ڈاکٹر، مرتبہ، اقبال شناسی اور محمل، لاہور، بزم اقبال، 1988ء ص ۱۲

۱۶-شمیم ملک، مرتبہ، اقبال شناسی اور محمل، ص ۲۵

۱۷-شیما مجید، مرتبہ، اقبال، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲

۱۸-ایضاً، ص ۱۹-۲۰

۱۹-زیب النساء، مرتبہ، نگارشات اقبال، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۳ء، ص ۸۹-۹۰

۲۰-زیب النساء، مرتبہ، نگارشات اقبال، ص ۱۱-۱۲

۲۱-ایضاً، ص ۳۰-۳۱

۲۲-روبینہ ترین، انوار احمد، مرتبہ، خطبات اقبال، ملتان، شعبہ اردو بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، جولائی ۲۰۰۳ء، ص ۱۴

۲۳-ایضاً، ص ۱۹۲

۲۴-شگفتہ زکریا، مرتبہ، فکر و فن اقبال، لاہور، سنگت پبلشرز، جنوری ۲۰۰۴ء، ص ۱۳۱

۲۵-ڈورس احمد، مترجمہ، سیدہ قرۃ العین بخاری، اقبال میری نظر میں، اسلام آباد، پورب اکادمی، اپریل ۲۰۰۷ء ص

۲۶-روزنامہ زمیندار ۸ جنوری ۱۹۲۳ء ص ۳

۲۷-اختر النساء، مرتب، علامہ اقبال اور روزنامہ زمیندار، لاہور، بزم اقبال، جون ۲۰۱۱ء ص ۳۱

۲۸-پاکیزہ صبا، مرتبہ، مکاتیب اقبال کا تجزیاتی مطالعہ، لاہور، نشریات الحمد مارکیٹ، ۲۰۱۸ء ص ۷

الف: ادبی رسائل میں اقبال شناسی

رسالہ سے مراد وہ تحریری جریدہ ہے جو ایک مقررہ مدت کے بعد شائع ہوتا ہے۔ادبی رسائل ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہانہ، دوماہی، سہ ماہی، شش ماہی یا سالانہ ہوتے ہیں۔اخبار اور رسالے میں بنیادی فرق ان کے مواد اور اسلوب کی نوعیت کا ہوتا ہے۔اخباروں میں ہنگامی، فوری اور وقتی نوعیت کی خبریں موجود ہوتی ہیں۔جن کی اہمیّت وقتی اور تعلّق لمحہء موجود سے ہوتا ہے جبکہ رسائل کا مواد مستقل نوعیت کا حامل ہوتا ہے جو ماضی، حال اور مستقبل تینوں ادوار پر محیط ہوتا ہے۔رسائل کا مواد عصر حاضر کا ترجمان ہوتا ہے، ماضی کا حصّہ بن کر تاریخ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور مستقبل کے لیے رجحانات سازی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے، اخبارات اور رسائل میں تحریری مواد کے علاوہ اسلوب کا فرق بھی ہوتا ہے۔شاہد احمد دہلوی (مدیر ''ساقی'') ادبی رسائل کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> ''ادبی رسالے وہ رسالے ہوتے ہیں جو ایک مقررہ وقفے سے جدید ادب، دوستوں کے لیے مہیا کرتے ہیں۔ادب قدیم بھی ہوتا ہے اور جدید بھی۔ادبی رسائل کا تعلّق جدید ادب سے ہوتا ہے، بلکہ ادبی رسالے ہی جدید ادب پیش کرتے ہیں اور جدید ادب کو ایک سمت دیتے ہیں اور اس کا معیار مقرر کرتے ہیں۔''(۱)

اُردو زبان ادب کے ارتقاء میں ادبی رسائل نے ہمیشہ بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ادبی رسالہ عوام کی ذہنی تربیت میں ایک موثر اور فعال قوت کے طور پر کام کرتا ہے۔اس کا حلقہ قرات جتنا وسیع ہو ادب کا عمل اتنا ہی زوداثر ثابت ہوتا ہے۔ادبی جریدے کی اہمیّت یہ بھی ہے کہ اس میں ممتاز ادبا کے ساتھ نئے لکھنے والوں کو چھپنے کا موقع ملتا ہے۔کلاسیکی روایات کے ساتھ نئی رومانی تحریکات کو فروغ دینے اور پرانی اصناف میں تخلیق کاری کے علاوہ نئے تجربات کو منظر عام پر لانے کی کاوش بھی کی جاتی ہے۔پروفیسر حسن اکبر کمال لکھتے ہیں:

> ''کسی قوم کی تہذیب وثقافت اس کی ترقی کا زینہ اور اعلیٰ انسانی اقدار کا خزینہ ہوتی ہے۔۔۔۔ادب لکھے ہوئے لفظ کی صورت میں کتاب اور ادبی رسائل کے ذریعے معاشرے میں بسنے والے خواندہ افراد تک پہنچتا ہے۔''(۲)

ادبی رسالہ بیک وقت مکتب بھی ہے اور مخزن بھی۔یہ اپنی ایک ادبی شخصیت بھی رکھتا ہے اور اسے انجمن کا درجہ بھی حاصل ہے۔ادبی رسالہ نئے لکھنے والوں کو پروان چڑھاتا ہے اور ایک نسل کی میراث آنے والی نسلوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ادبی رسالہ محض حال کا ترجمان نہیں ہوتا بلکہ آج کا ادب جب ماضی کا حصّہ بن جاتا ہے تو ادبی

رسالہ ہی اس خزینے کو تحفظ عطا کرتا ہے اور یہ تنقید و تحقیق کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ کسی قوم کی تہذیبی رفعت کا اندازہ کرنا ہو تو صرف یہ دیکھنا ہی کافی ہوگا کہ اس میں کس معیار کے ادبی رسائل شائع ہوتے ہیں، ان رسائل کا حلقہ قرات کتنا وسیع اور عرصہ حیات کتنا طویل ہے۔ صہبا لکھنوی لکھتی ہیں:

''ادب کے فروغ اور عصری رجحانات کی تشکیل میں ادبی رسالوں کا جو حصّہ ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ پھر بھی یہ قابل توجہ ہے کہ ادبی ماہناموں کی تازگی اور تسلسل سے تخلیقی انہاک میں کیا اضافہ ہوتا ہے اور ادبی فکر کے کیا کیا نئے گوشے سامنے آتے ہیں اس لحاظ سے ادبی ماہناموں کا کردار ادبی رسائل کے مجموعی اثر میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔''(۳)

برصغیر میں ادبی رسائل انیسویں صدی میں شائع ہونا شروع ہو گئے تھے ادبی صحافت کی طرف پہلا قدم مولوی محمد باقر نے اٹھایا تھا جو مولانا محمد حسین آزاد کے والد گرامی اور ''دہلی اردو اخبار'' کے مدیر تھے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید:

''ادبی جریدہ نگاری کو فروغ ماسٹر رام چندر اور سرسید احمد خان نے دیا جو ادیب بھی تھے اور قوم کے معلم بھی۔ رسالہ ''فوائد الناظرین'' ماسٹر رام چندر کی روشن خیالی کا اور ''تہذیب الاخلاق'' سرسید کی کشادہ فکری کا نقیب تھا۔ اس بامعنی ابتداء کو میر ناصر علی دہلوی، عبدالحلیم شرر اور حسرت موہانی نے فکر انگیز اور مثبت جہت دی۔ انہوں نے ''صلائے عام'' ''دل گداز'' اور ''اردوئے معلیٰ'' جیسے رسائل سے نہ صرف ادب کو مائل بہ اختیار کیا۔ بلکہ ان سے قوم کی ذہنی ،فکری تہذیبی اور ادبی رہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔''(۴)

بیسویں صدی میں ارتقاء کی اس لکیر پر ''مخزن'' کے مدیر شیخ عبدالقادر، ''ستارہ صبح'' کے مدیر مولانا ظفر علی خان ''زمانہ'' کے مدیر دیا نرائن نگم ''الہلال'' کے مدید ابوالکلام آزاد ''ادبی دنیا'' کے مدیر مولانا صلاح الدین احمد ''ساقی'' کے مدیر شاہد احمد دہلوی، ''شاہکار'' کے مدیر تاجور نجیب آبادی، ہمایوں کے مدیر میاں بشیر احمد اور مولانا حامد علی خان اور ''نگار'' کے نامور مدیر نیاز فتح پوری ظاہر ہوئے اور ان سن نے ادبی رسالے سے فکری تحریکیں برپا کرنے کا کام کمال دانشمندی سے لیا۔ ادبی رسائل کے اس روشن ماضی پر ہی آزادی کے بعد ایک عظیم قصر پاکستان میں تعمیر کیا گیا۔ اس دور میں ''سویرا'' ''نقوش'' ''نیا دور'' ''سیارہ'' ''سیپ'' ''فنون'' اور ''اوراق'' جیسے نئے ادبی رسائل منظر عام پر آئے اور ادب کے فروغ و ارتقاء اور معاشرے کی علمی ترقی میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے لگے۔ شگفتہ حسین رقم طراز ہیں:

''مخزن'' سے ادبی جریدہ نگاری کی جس روایت کا آغاز ہوا اسے ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۵ء تک کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو اس روایت کو آگے بڑھاتے کئی ایک معرکۃ الآ راء جریدے دکھائی دیتے ہیں مثلاً ''ہمایوں'' لاہور (۱۹۲۲ء)، ''نیرنگ خیال'' لاہور (۱۹۲۴ء)، ''عالمگیر'' لاہور (۱۹۲۴ء)، ''اورینٹل کالج میگزین'' لاہور (۱۹۲۵ء،

''نقاد''لاہور(۱۹۲۵ء)،''بہارستان''لاہور(۱۹۲۶ء)،''ادبی دنیا''لاہور(۱۹۲۹ء)،''سروش''لاہور(۱۹۲۹ء)،''
کارواں''لاہور(۱۹۳۳ء)،''شاہکار''لاہور(۱۹۳۵ء)اور''ادب لطیف''لاہور(۱۹۳۵ء)وغیرہ۔''(۵)

ادبی دنیا

ادبی دنیا سے قبل کے رسائل میں سے ''ادبی دنیا'' کو یہ اہمیّت حاصل ہے کہ اس نے اپنی سابقہ اٹھارہ سالہ زندگی میں ادب کے ایک مضبوط اور موثر دبستان کی حیثیت اختیار کر لی تھی ،محمد عبداللہ قریشی نے اس کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

''کہنے کو تو ''ادبی دنیا'' ایک ماہنامہ تھا لیکن یہ محض ایک رسالے کا ہی نام نہیں،ایک روایت کا نام ہے،ایک ادارے اور ایک مشن کا نام ہے، جو اب ادب کی ایک علامت کے طور پر زندہ ہے۔''(۶)

اس عہد ساز رسالے کی ابتداء ۱۹۲۹ء میں مولانا تاجور نجیب آبادی نے کی تھی اور اختراع یہ کی کہ اس کا سائز عام رسائل کی نسبت بڑا رکھا تاجور صاحب نے اس کے لیے''جہازی سائز'' کی اصطلاح وضع کی تھی ، لچکدار کاغذ اور عکسی تصویروں سے اس کی آرائش کی ،مضامین نظم ونثر کا معیار بلند رکھا اور اقبالیات کو''ادبی دنیا''میں ایک اہم موضوع کی حیثیت دی۔''ادبی دنیا'' نے معمول کے پرچوں کے علاوہ''اقبال نمبر''،''وحشت کلکتوی نمبر''اور''کشمیر نمبر''شائع کیے،جنہیں مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔''ادبی دنیا''میں اقبال شناس خواتین کے مضامین اقبال اور تصوف از سیدہ حنا اور قصائد اقبال از نصرت قریشی چھپتے رہے۔''ادبی دنیا'' نے لاکھوں لوگوں میں ادب کا صاف،ستھرا اور سچّا ذوق پیدا کیا،ان گنت نوجوانوں میں لکھنے کی تحریک پیدا کی ، پڑھنے والوں کو صحت مند ادب دیا اور ان کے فکر و نظر کو خوبی اور خوبصورتی سے سنوارا۔یہی وجہ ہے کہ''ادبی دنیا'' کو اردو دنیا میں ایک تہذیب ساز ادارے کی حیثیت حاصل ہے۔

افکار

اپریل ۱۹۴۵ء میں بھوپال سے ماہنامہ''افکار'' کا اجرا صہبا لکھنوی اور رشدی بھوپالی نے کیا۔''افکار'' کا بنیادی مقصد اردو کی خدمت اور بھوپال کے جگمگاتے ہوئے ذروں کو مجتمع کر کے آفتاب بنانا تھا،افکار نے ادب اور زندگی کے تعلّق کو پیشِ نظر رکھ کر ٹھوس علمی خدمات سرانجام دینے کا ارادہ کیا۔''افکار'' کے بارے میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں:

''افکار ۱۹۴۵ء میں بھوپال سے جاری ہوا۔اس پرچے نے وسط ہند میں اردو کے جدید ادب کا مذاق پیدا کیا،ترقی پسند تحریک کو نئی توانائی دی،تقسیم کے بعد افکار کراچی سے نکلا اور اس نے پاکستان کے علاقائی ادب کو خاص اہمیّت

دی۔''(۷)

''افکار'' کے موضوعی خاص نمبروں میں ''برطانیہ میں اردو'' ''جنگ اور ادب نمبر''، ''ڈرامہ نمبر''، ''غالب نمبر''، ''اقبال نمبر''، ''کرشن چندر''، ''امیر خسرو'' اور حمید احمد خان پر یادگاری اشاعتوں کی اہمیت اور افادیت تسلیم کی جا چکی ہے۔قومی زبان کے مدیر ادیب سہیل افکار کے بارے میں کہتے ہیں:

''افکار خالصتاً اپنے پڑھے جانے والوں کے بل پر نکل رہا ہے، اس کا کبھی ایک مہینہ بھی ناغہ نہیں ہوا اور یہ اپنے شیڈول ٹائم پر نکل رہا ہے۔۔۔۔''(۸)

اس پرچے نے فکر و فن اقبال پر نہ صرف مردوں بلکہ خواتین کے مضامین بھی شائع کیے۔ پاکستان میں ''افکار'' کی بنیادی عطا یہ بھی ہے کہ اس میں علاقائی زبانوں کے ادب کو تراجم سے پیش کرنے کا تجربہ بڑے پیمانے پر کیا گیا، اس طرح افکار اردو زبان کے علاوہ پنجابی، بلوچی، سندھی، پشتو اور بنگالی زبانوں کا سنگم بھی نظر آتا ہے۔

اسلامی تعلیم۔لاہور

''اسلامی تعلیم'' آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس کا دو ماہی رسالہ تھا۔ یہ مارچ ۱۹۷۲ء میں لاہور سے جاری ہوا۔اس کا بنیادی مقصد جدید علمی تحقیقات کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کی ازلی و ابدی صداقت کی وضاحت و تشریح تھا۔اس میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، مظفر حسین شیخ، یوسف قرضاوی، ڈاکٹر محمد ریاض خان، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے مضامین شائع ہوئے۔ادارت کے فرائض سید اللہ بخش گیلانی اور مظفر حسین انجام دیتے تھے۔''اسلامی تعلیم''، فکر و نظر کو سیراب کرنے والا جریدہ تھا۔اقبالیات اس کا اہم موضوع تھا۔ڈاکٹر محمد ریاض کا مقالہ ''اقبال کا تصور توحید'' اور ایمن اکرام کا مضمون ''اقبال کی شاعری اور اس کا پس منظر'' اس پرچے ہی میں شائع ہوا تھا۔

اقبال

سہ ماہی مجلّہ ''اقبال'' لاہور سے ۱۹۵۲ء میں جاری ہوا۔ یہ بزم ''اقبال'' لاہور کا ترجمان تھا اور اس کے مقاصد میں ''اقبال'' کے افکار اور علوم و فنون کے ان شعبہ جات کا تنقیدی مطالعہ شامل تھا جن سے ''اقبال'' کو دلچسپی تھی۔اس قسم کے شعبہ جات میں اسلامیات، فلسفہ، مذہب، فن، ادب اور عمرانیات وغیرہ سب شامل تھے۔''اقبال'' کریم احمد خان کے اہتمام سے چھپتا تھا لیکن اس کے مدیر اعزازی ایم ایم شریف اور معاون مدیر بشیر احمد ڈار تھے۔''اقبال'' کا شمار ان ممتاز ادبی پرچوں میں ہوتا ہے جن کا علمی، ادبی، تنقیدی اور تحقیقی معیار بہت بلند ہے۔اس کے لکھنے والوں میں سب سے اول درجے کے ادبا تھے اور مدیران چونکہ خود صاحب نظر مفکر تھے اس سے ''اقبال''

میں صرف ایسے مضامین کو اشاعت ملتی تھی جس سے زیر بحث موضوع کی کوئی نئی جہت روشن ہوتی تھی یا جس سے بحث کا کوئی نیا زاویہ آشکار ہوتا تھا۔''اقبال'' کا غالب موضوع اقبالیات تھا۔''اقبال''میں اقبالیات کے موضوع پر مردوں کے علاوہ خواتین نے بھی تحقیقی وتنقیدی مضامین لکھے۔چند موضوعات یہ ہیں: یوسف سلیم چشتی بطور شارح اقبال از اختر النساء، مولانا غلام رسول مہر بطور شارح اقبال از اختر النساء ،شاعر مشرق سے میری ملاقات از حجاب امتیاز علی، مغربی بنگال میں اقبال صدی اوراس کے بعد از ڈاکٹر شانتی بھٹا چاریہ، تصور تحرک در اندیشہ اقبال از ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری، مقام حسین ابن علی در اندیشہء اقبال [فارسی] از ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری، بیاد اقبال [فارسی] از ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری، اقبال را باعرفانی شناختم [فارسی] از ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری، علامہ اقبال اور امام غزالی از پروفیسر عطیہ سید، تبصرہ: عروج اقبال [ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی] از ڈاکٹر ناہید کوثر۔

اقبالیات کو ۱۹۵۲ء میں ایک ایسے موضوع کی حیثیت حاصل تھی جس پر زیادہ کام نہیں ہوا تھا۔اس موضوع کے اطراف وجوانب میں کام کرنے کی گنجائش بہت زیادہ موجود تھی، رسالہ''اقبال'' نے اس موضوع کی اہمیّت کو اجاگر کیا اور اقبالیات کے متعدد نئے گوشوں کو منور کرنے میں کامیابی حاصل کی۔اس ضمن میں یہ حقیقت بے حد اہم ہے کہ''اقبال'' نے اقبالیات پر لکھنے والوں کی اپنی ایک جماعت پیدا کی جس میں خواتین بھی پیش پیش تھیں اس جماعت نے اقبالیات کے نہ صرف نئے موضوعات تلاش کیے بلکہ اقبال کی زندگی کی گم شدہ کڑیاں اور ان کے خطوط کی بازیافت میں بھی گراں قدر کام کیا۔''اقبال''میں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کو اہمیّت دی گئی۔چنانچہ ''اقبال'' کی ایک بڑی خدمت یہ بھی ہے کہ اس نے فکر وفن اقبال کو بیرونی دنیا میں متعارف کرایا اور کئی غیر ملکی مصنفین کے مضامین کو''اقبال''میں جگہ دے کر انہیں برصغیر کے ادبی حلقوں سے تعارف پیدا کرنے کا موقع دیا۔

اقبال ریویو

سہ ماہی رسالہ''اقبال ریویو''اقبال اکادمی کا رسالہ ہے۔کراچی سے اپریل ۱۹۶۰ء میں اس کا اجراعمل میں لایا گیا تو اس کا مقصد۔۔۔۔''اقبال کی زندگی ،شاعری اور حکمت کے مطالعہ پر تجزیاتی، تشریحی، تحلیلی اور علمی مضامین شائع کرنا تھا۔اس کے دائرہ عمل میں ان مضامین کو بھی شامل کیا گیا جن میں خود اقبال کو دلچسپی تھی۔چنانچہ فلسفہ، اخلاقیات ، مذہبیات ،عمرانیات ، ادب ،فن اور اسلامیات جیسے اہم موضوعات کو''اقبال ریویو''میں نمایاں جگہ ملنے لگی یہ رسالہ بے حد سادہ لیکن فکر ومعنی کے لحاظ سے ایک خاموش تحریک کا درجہ رکھتا ہے۔اقبال پسندوں کو

نئے نئے گوشوں سے آشنا کراتا ہے یہ اقبال اور اطراف اقبال کے متعدد علوم پر بحث ونظر کی راہ بھی ہموار کرتا ہے۔اس کی یہ خدمت متنوع اور بامعنی ہے۔بقول ڈاکٹر انور سدید:

> ''یہ رسالہ بے حد سادہ لیکن فکر ومعنی کے لحاظ سے ایک خاموش تحریک کا درجہ رکھتا ہے۔''اقبال ریویو'' ذولسانی پرچہ تھا۔سال میں اس کے چار شمارے چھپتے تھے،دو شمارے اردو اور دو انگریزی میں شائع ہوتے تھے۔''(۹)

اس علمی پرچے کے پہلے مدیر ڈاکٹر محمد رفیع تھے۔جولائی ۱۹۶۵ء میں اس کی ادارت بشیر احمد ڈار صاحب نے سنبھالی،۱۹۷۱ء میں ادارتی کام کی نگرانی کے لیے ایک مجلس ادارت قائم کی گئی جس کے ارکان جناب ہادی حسن، خواجہ آشکار حسین اور علی اشرف اور صدر مجلس سید عبداللہ واحد تھے۔مجلس ادارت کے ارکان میں حسب ضرورت تبدیلیاں عمل میں آتی رہیں،اقبال اکادمی لاہور منتقل ہوئی تو یہ رسالہ بھی لاہور آ گیا جولائی ۱۹۷۶ء میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم اور جنوری ۱۹۷۸ء میں ڈاکٹر محمد باقر صدر مجلس مقرر ہوئے۔ڈاکٹر محمد معزالدین اور ڈاکٹر وحید قریشی نے بھی اس جلیل القدر پرچے کی ادارتی خدمات سرانجام دیں۔اب کچھ عرصے سے ''اقبال ریویو'' شمشاہی بنیادوں پر انگریزی میں چھپ رہا ہے اور اس کے جزوثانی کا نام تبدیل کر کے ''اقبالیات'' رکھ دیا گیا ہے۔اقبالیات کے مدیر اعلی مرزا محمد منور ہیں اور نائب مدیر محمد سہیل عمر،ڈاکٹر وحید عشرت،احمد جاوید اور انور جاوید ان کے معاونین شامل ہیں۔''اقبال ریویو'' نے اقبالیات کے موضوع کو نئی بصیرتیں اور نئے زاویے عطا کیے ہیں،اپنی ۳۸ سالہ زندگی میں اس پرچے نے فکر اقبال کی توضیح اور فروغ میں زیادہ حصّہ لیا۔''اقبال ریویو'' نے اقبال کے روابط اشخاص اور ان کے فکر کے گردوپیش کو اجالنے کی کوشش بھی کی ہے۔اس پرچے میں ہمیں متعدد ایسے مضامین ملتے ہیں جن کا تعلّق اقبال سے ملنے والی شخصیات اور ایسے امصار سے ہے جہاں اقبال نے قدم رنجہ فرمایا ہے۔خواتین نےعلمی خدمات کے توسط سے اقبالیاتی موضوع کی ترویج واشاعت میں سرگرم خصوصی حصّہ لیا۔رسالہ ''اقبالیات'' جو ''اقبال ریویو'' ہی کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے،اقبالیات کے موضوع پر ایک جلیل القدر صحیفہ ہے۔

اقدام۔لاہور

''اقدام'' لاہور کا اجراء اپریل ۱۹۵۰ء میں ہوا تھا،اس کے مدیران میاں محمد شفیع،ممتاز احمد خان اور عبداللہ بٹ تھے۔''اقدام'' سیاسی ہفت روزہ تھا لیکن اس کے مدیران چونکہ ادیب تھے اور علامہ اقبال کی تعلیمات سے خصوصی رغبت رکھتے تھے اس لیے اس پرچے میں سیاسی،سماجی اور تہذیبی مضامین کے ساتھ علمی اور ادبی مضامین کی شمولیت بھی ضروری تصور کی جاتی تھی۔''اقدام'' ہر سال اپریل میں ''اقبال نمبر'' شائع کرنے کا اہتمام کرتا اور اس

میں اقبال کو منظوم خراج عقیدت پیش کرنے کے علاوہ فکر وفن اقبال بھی مضامین پیش کرتا تھا، اس ضمن میں خیال امروہوی، ندا بخاری، آغا یمین کی نظموں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔

چٹان۔لاہور

شورش کشمیری کا ہفت روزہ رسالہ ''چٹان'' جنوری ۱۹۴۸ء میں جاری ہوا۔ چٹان کا اساسی موضوع سیاست ہے لیکن اس نے ادب کو سماج کے ایک موثر وسیلے کے طور پر قبول کیا اور چٹان نے ہمیشہ ادب کی عملی قوت کو استعمال کرنے کی کاوش کی۔ شورش کشمیری نے ''چٹان'' کو خالص ادبی پرچہ کبھی شمار نہیں کیا لیکن اس کے صفحات پر خالص ادبی پارے ہمیشہ شائع ہوتے رہے۔ ہر سال اپریل میں ''اقبال نمبر'' کی اشاعت اس کی ایک نمایاں خصوصیّت تھی۔ شورش نے خود بھی فکر اقبال کی تفہیم وتعبیر کے لیے متعدد مضامین لکھے اور ان میں سے بیشتر ''چٹان'' کے صفحات پر ہی شائع ہوئے۔ اس پرچے میں اقبالیات کے فروغ میں خواتین کے مضامین چھپتے رہے جو قابل قدر اہمیّت کے حامل ہیں۔ چنانچہ ''چٹان'' میں اقبالیات کا ایک نادر ذخیرہ جمع ہے اور بعض مضامین کی نوعیت تو خاصی نزاعی نظر آتی ہے۔

خیابان۔پشاور

''خیابان'' شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی کا علمی وادبی جریدہ ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی نے لکھا تھا
:''مجلّہ خیابان پابندی وقت کے ساتھ شائع نہیں ہوتا، یہی اس کا امتیازی وصف ہے۔''(۱۰)

''خیابان'' تجارتی جریدہ نہیں ہے۔ یہ نجی تقسیم کے لیے طلباء اور اساتذہ کے علاوہ ادبا کے استفادہ کے لیے شائع کیا جاتا ہے جون ۱۹۶۲ء میں ''خیابان'' کا ''اقبال نمبر'' شائع ہوا تو اسے ارباب علم وادب نے بے حد سراہا۔ اس پرچے کے مرتبین میں ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی اور خاطر غزنوی شریک تھے۔ ''اقبال نمبر''، ''فکر ونظر''، ''شعر وفن''، ''تنقید وتجزیہ'' اور ''منظومات'' کے ابواب میں منقسم کیا گیا اور ایک حصّہ انعامی مضامین کے لیے وقف تھا اس پرچے میں اقبال اور مسئلہ جبر قدر از رضی الدین صدیقی، اقبال کا تصور حسن از شمس الدین صدیقی، خضر راہ از عبادت بریلوی، اقبال اپنی بہن کی نظر میں از کریم بی بی، اقبال اور عطیہ بیگم از نازلی بیگم، افکار اقبال میں توحید کا ذکر از این میری شمل قیمتی مضامین ہیں۔

سب رس، کراچی

رسالہ ''سب رس'' حیدر آباد دکن سے جنوری ۱۹۳۸ء میں ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام جاری ہوا

تھا۔ڈاکٹر محی الدین قادری زوراس کے نگران اور خواجہ حمید الدین شاہداس کی مجلس ادارت کے رکن تھے،اعلیٰ پائے کے لطیف و متین،ادبی اور تحقیقی مضامین کی اشاعت سے ''سب رس'' نے اردوادب کو متاثر کیا اور یہ سلسلہ دکن سے تاحال جاری ہے۔شاہد صاحب نے ''سب رس'' کا پہلا پرچہ دسمبر ۱۹۷۷ء میں ''اقبال نمبر'' کے نام سے کراچی سے شائع کیا،ان کا مقصد پڑھنے والوں کو شائستہ پرچہ فراہم کرنا تھا،دوسرا مقصد زبان کی مقبولیت میں اضافہ کرنا تھا۔''سب رس'' میں خواتین کے مضامین اقبال میری نظر میں از رابعہ بیگم،یادِ اقبال از صغریٰ ہمایوں مرزا،اقبال اور اُن کا فلسفہ خودی از لطیف النساء [۱] بیگم چھپتے تھے۔''سب رس'' نے دوجلدوں میں ''یادرفتگاں نمبر''،''اقبال نمبر'' اور''ممتاز حسن'' نمبر پیش کیے ہیں۔یہ تینوں خاص نمبراب حوالے کی کتابیں بن چکی ہیں۔

صحیفہ۔لاہور

سہ ماہی''صحیفہ'' کا پہلا شمارہ جون ۱۹۵۷ء میں لاہور سے منظر عام پرآیا۔اس کے مدیر سید عابد علی عابد اور معاون مدیر سجاد رضوی تھے۔''صحیفہ'' اڑھائی صفحات کا ضخیم پرچہ تھا جو پہلے ہر تین ماہ کے بعد باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔اسے چونکہ سرکاری سرپرستی حاصل تھی اس لیے''صحیفہ'' کو دوسرے ادبی پرچوں کی طرح اقتصادی بدحالی یا کمزوری کا سامنا نہیں تھا۔''صحیفہ'' میں شعراوادبا کا بے ہنگم ہجوم نظر نہیں آ تا۔مضامین کے موضوعات اہم،نادراور انوکھے ہیں ان کی حیثیت علمی بھی ہے اور تعلیمی بھی اوران میں مستقبل کا حوالہ بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔چند مضامین کے عنوانات یہ ہیں:اقبال اور حافظ کے ذہنی فاصلے از سید عبداللہ،تاریخ ادب کا مطالعہ ازمظفر علی سید،سائنسی طرزِ تنقید از صدیق کلیم،اسلامی ثقافت:اقبال اور پاکستان از زاہدہ پروین،اقبال کا تصور خدا از زاہدہ پروین،علامہ اقبال کا تصور فقر از زمرد کوثر،اقبال:ایک نقاد از شاہین ملک،اقبال بہ نامِ شاد[مرتب:ڈاکٹر محمد عبداللہ قریشی]از سید احمد شبیہ،فکرِ اقبال اورنسوانی حسن از طلعت کلثوم۔''صحیفہ'' نہ صرف ذوق رکھنے والے قارئین کا حلقہ وسیع کرنے بلکہ عام قاری کا ادبی شعور بیدار کرنے میں بھی کامیاب ثابت ہوا۔

قندیل

جولائی ۱۹۴۸ء میں ہفت روزہ''قندیل''لاہور سے روزنامہ''نوائے وقت'' کے اضافی ضمیمے کے طور پر جاری کیا گیا۔اس کے ایڈیٹر انچارج مظہر انصاری تھے،۱۴دسمبر ۱۹۴۸ء کو اس کی ادارت شیر محمد اختر اور احمد بشیر نے سنبھال لی اور یہیں سے اس کا ادبی روپ نکھرنا شروع ہوا۔''قندیل'' میں اقبالیات کو ایک خاص موضوع کی حیثیت حاصل رہی ہے۔چنانچہ ہر سال اپریل میں اقبال کے یوم وفات پر ایک پرچے میں ان پر چند صفحات ضرور مخصوص

کیے جاتے اوران کے شایان شان خراج تحسین پیش کیا جاتا۔ وقارانبالوی کی نظم ''یوم اقبال پرروح اقبال''، ''اقبال کاتصورِعشق ازتسنیم بانو'' قندیل میں ہی شائع ہوئے تھے۔

ماہ نو (کراچی، اسلام آباد، لاہور)

''ماہ نو'' کراچی سے ۱۹۴۸ء میں جاری ہوا۔ اس کے ادارت کے فرائض سید وقار عظیم نے سرانجام دیئے جو حکومت ہند کی نگرانی میں شائع ہونے والے جریدہ ''آج کل'' کے متحدہ ہندوستان کے آخری دور کے مدیر تھے ،لیکن اسے ''آجکل'' کی توسیع قرار دینا مناسب نہیں ،سید صاحب نے اسے ایک قومی رسالہ بنانے کے لیے اس کے ابتدائی خطوط وضع کیے اور سرکاری پرچہ ہونے کے باوجود اس کی ادبی جہت آشکار کی، ۱۹۵۰ء میں محمد حسن عسکری نے ''ماہ نو'' کو مباحثوں سے فعال بنایا اور غیر ملکی زبانوں کے تراجم سے اسے عالمگیر ادب سے روشناس کرنے کی طرح ڈالی، ان دونوں کا عرصہ ادارت زیادہ طویل نہ تھا۔ اگست ۱۹۵۵ء کے اداریئے میں مدیر اس رسالے کی خصوصیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ماہ نو پاکستان کے ادب وثقافت کے ساتھ ساتھ عمومی تہذیب وترقی کا بھی کسی نہ کسی حد تک آئینہ دار رہا ہے اس طرح اس نے ادب کو قومی زندگی سے قریب تر رکھنے کی بہت اچھی مثال قائم کی ہے۔''(۱۱)

''ماہ نو'' نے تنقید وتحقیق کے متعدد ایسے مضامین پیش کیے جن سے ادب اور ذہن دونوں کو جلا ملتی رہی۔ ''ماہ نو'' ہر سال فروری کے مہینے میں غالب پر اور اپریل کے مہینے میں اقبال پر مضامین پیش کرتا ہے، ان دو عظیم شعراء کی صد سالہ تقریبات پر ''غالب نمبر'' اور ''اقبال نمبر'' پیش کیے گئے۔ خاص نمبروں کی اس روایت کو کشور ناہید نے مزید مضبوط بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے ''اقبال نمبر'' کے بعد چالیس سالہ نمبر شائع کیا جو ''ماہ نو'' کے مضامین کے انتخاب پر مشتمل تھا۔ اقبالیاتی موضوع پر ''ماہ نو'' میں خواتین کے مضامین کی مضبوط روایت موجود ہے۔ سرائیکی زبان میں اقبال شناسی کی روایت۔۔۔۔ مجموعی جائزہ از نازک شہزاد، کلام اقبال میں مصوری کی روایت از عنبرین صلاح الدین، اقبال کا سفر از الطاف فاطمہ۔ ''ماہ نو'' حکومت پاکستان کا ایک سرکاری پرچہ ہے لیکن اس نے ادب اور فن کی ہمہ جہت خدمات سرانجام دی ہیں اور اس کا اعتبار قائم ودائم ہے۔

مخزن

انیسویں صدی کے اواخر میں شیخ عبدالقادر کی ادارت میں لاہور سے ''مخزن'' جاری ہوا۔ یہ محض ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک بھی تھا جس کا مقصد اردو ادب کو نئی اصناف سے آشنا اور متعارف کرانا تھا۔ اقبالیات کے

موضوع، نثر اور شاعری میں کیے گئے نئے تجربات اور مغربی ادب کے شہ پاروں کے اردو تراجم کو اس رسالے نے خاص طور پر اپنے صفحات میں جگہ دی۔ اس رسالے میں صرف ادبی ہی نہیں بلکہ ہر قسم کے علمی اور معلوماتی مضامین بھی چھپتے تھے۔ عبدالسلام خورشید ''صحافت پاکستان و ہند میں'' میں لکھتے ہیں:

''اس دور کا سب سے باوقار اور بلند معیار ادبی رسالہ ماہنامہ ''مخزن'' تھا جو شیخ عبدالقادر مرحوم کے زیر ادارت لاہور سے نکلتا تھا اور جس نے لوگوں میں ادبی ذوق پیدا کرنے میں نہایت نمایاں حصّہ لیا تھا۔''(۱۲)

''مخزن'' کا دائرہ اثر بہت وسیع تھا۔ شیخ عبدالقادر کے بلند سماجی رتبے، انگریزی اور اردو کی اعلیٰ تعلیم، خوش ذوقی اور کشادہ نظری نے بھی اس پرچے کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔ چنانچہ اس کے قلمی معاونین میں میں علامہ اقبال، غلام بھیک نیرنگ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، یگانہ چنگیزی، حافظ محمود شیرانی، مولانا حالی، مولانا شبلی، محمد حسین آزاد، سجاد حیدر یلدرم، آغا حشر کاشمیری، راشد الخیری، برج زائن چکبست، اکبر اللہ آبادی، ریاض خیر آبادی۔ سید عبداللہ نے درست فرمایا ہے ''مخزن سے اس'' زمانے کے سب ادبا متاثر تھے۔ اس کے پہلے پرچے کی تاریخی حیثیت یہ بھی ہے کہ اس میں علامہ اقبال کی معرکہ آرا نظم ''ہمالہ'' شائع ہوئی۔ اقبال شناس خواتین کے مشہور و معروف مضامین اس پرچے کی زینت بنے جس کی بدولت ''مخزن'' کی ادبی عطا سے پورے ایک عہد نے استفادہ کیا۔

نوائے اقبال۔ لاہور

''نوائے اقبال'' کے نام سے ایک ادبی ماہنامہ شیخ عزت اللہ نے مئی ۱۹۸۶ء میں لاہور سے جاری کیا تھا، اس پرچے کا مقصد اقبالیات کا فروغ عام تھا۔ پہلے پرچے کو ''اقبال نمبر'' کے طور پر شائع کیا گیا اس میں اقبال کے فلسفہ، اقبال کے نظریات اور اقبال کے قیام لاہور پر خواتین نے مختلف مضامین لکھے۔ معنوی اور صوری لحاظ سے ''نوائے اقبال'' معمولی قسم کا پرچہ تھا۔ اس لیے چل نہ سکا۔

نیرنگ خیال

ماہ نامہ ''نیرنگ خیال'' کو ادبی رسائل میں ایک مجتہد کی حیثیت حاصل ہے۔ ''نیرنگ خیال'' نے ایک مخصوص نظریاتی نوعیت کے مضامین لکھنے والوں کا حلقہ پیدا کیا۔ ''نیرنگ خیال'' نے ادبا کو ادبی خطابات عطا کرنے کا طریق بھی رائج کیا تھا۔ ''نیرنگ خیال'' کی ایک جدت موضوعی نمبر بھی تھے، اس سلسلے میں حکیم محمد یوسف حسن نے'' مصر نمبر''، ''افغانستان نمبر''، ''ایڈیٹر نمبر''، ''رام نمبر''، ''فلم نمبر''، ''خواتین نمبر''، ''مشرق نمبر''، اور ''افسانہ نمبر'' وغیرہ

متنوع موضوعات پر مستقل نوعیت کی اشاعتیں پیش کیں۔ان سب میں اہم ترین ''اقبال نمبر'' ہے جو۱۹۳۲ء میں اقبال کی زندگی میں شائع ہوا اور اب تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔اس نمبر کی اشاعت کے پس پشت حکیم صاحب کا یہ خیال جاگزیں تھا:

> ''ہندوستان میں اقبال کو جاننے والوں کی تعداد کروڑوں سے تجاوز ہوگی لیکن اقبال کو سمجھنے والوں کی تعداد ہزاروں سے زیادہ نہ ہوگی اور یہ حال دنیا کے ہر بڑے شاعر کا ہوتا ہے۔لیکن ''اقبال نمبر'' کی اشاعت کے بعد توقع ہے کہ ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ جوان مضامین کو غور وفکر سے پڑھے گا،اقبال کے پیغام کو سمجھنے لگے گا۔''(۱۳)

خواتین نے ''نیرنگ خیال'' میں تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔اقبال کے فکر وفن کے علاوہ مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھ کر پوشیدہ گوشوں کو وا کیا۔حکیم احمد شجاع کہتے ہیں:

> ''میاں بشیر احمد نے ایک موقر ادبی جریدے، ہمایوں اور حکیم یوسف حسن نے ایک مقبول عام رسالے ''نیرنگ خیال'' کی اشاعت کا اہتمام کیا۔اس سلسلے میں جو ادبی مرکز قائم ہوئے ان میں سے اول الذکر کا حلقہ بہت محدود تھا اور موخر الذکر بہت وسیع۔''(۱۴)

''نیرنگ خیال'' اپنے عہد کا ایک بے حد فعال پرچہ تھا۔اس کے صفحہ اول پر یہ اعلان چھپتا تھا کہ ''ایجاد ہمارا حصّہ ہے اور تقلید دوسروں کا''۔۔۔اس سے بعض معاصرین کو ٹھیس لگی تو اس اعلامیے کو ترک کر دیا گیا۔تاہم ادبی معاشرے کو محرک رکھنے اور ادبی ہنگاموں میں پیش پیش رہنے میں ''نیرنگ خیال'' نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔''نیرنگ خیال'' ہندوستان کا کثیر الاشاعت رسالہ تھا،اس کے ہزاروں خریدار پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے جو ''نیرنگ خیال'' ڈاک سے منگواتے تھے اور اس کے مضامین سے متاثر ہوتے تھے۔ادبی رسائل اپنے عہد کے تخلیقی سفر کے اہم ترین دستاویزات شمار ہوتے ہیں۔ جہاں وہ ایک طرف اہل قلم کے متنوع نگارشات سے قارئین کو استفادہ کا موقع دیتے ہیں وہاں ناقدین،مورخین اور محققین کے لیے بھی ایسا مواد فراہم کرتے ہیں جس سے کسی مخصوص عہد کے ادبی رجحانات ومیلانات کا اندازہ اور احساسات وجذبات کی تفہیم کی جاسکتی ہے۔پاکستان میں اقبال شناسی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔اقبال شناسی کو بام عروج تک پہنچانے میں مصنفین کی کتب کے علاوہ شاعر مشرق پر لکھے جانے والے مضامین کا کردار بھی اہم رہا ہے۔ذیل میں اُن اقبال شناسی خواتین کے مضامین کا ذکر کیا گیا ہے جو مختلف اداروں کے رسائل جامعات اور کالجز کے اقبال نمبر میں چھپتے رہے۔الفبائی ترتیب کے لیے رسائل کے مدیران یا پھر رسائل کے ناموں کو ذہن میں رکھا گیا ہے۔

احمد ندیم قاسمی (مدیر)

فنون، ماہنامہ، اقبال نمبر: ۴۷۔انار کلی، لاہور (پاکستان)

اقبال اور جدید نفسیات از نسیم نیشوفوز ص۹۲ تا ۹۴، اقبال اور نئے انسان کی تلاش از عاصی کرنالی ص۱۱۴ تا ۱۱۶

احمد ندیم قاسمی (مدیر)

فنون، سہ ماہی: ۴۵۔اے مزنگ روڈ، لاہور (پاکستان)، مشترکہ شمارہ: ۱۰۷-۱۰۸، ا جنوری۔ مارچ ۱۹۹۸ء، ۲۔اپریل۔ جون ۱۹۹۸ء

اقبال کی فطرت نگاری (وسطی اور آخری دور) از ناہید قاسمی ص۲۶ تا ۲۷

اختر النساء (مرتبہ)

اشاریہ اقبالیات (اُردو، انگریزی، فارسی، عربی، ترکی) ۱۹۶۰ء۔۱۹۹۴ء: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اول ۱۹۹۸ء

حالی کا اثر اقبال پر از بیگم شائستہ اکرام اللہ ص۳۰ تا ۳۶، اقبال اور تاریخ اسلام از ثروت صولت ص ۱۴۷ تا۱۷۹، اقبال کے ترکی زبان میں ترجمے از ثروت صولت ص۵۵ تا ۶۷، اقبال اور تاریخ اسلام از ثروت صولت ص ۱۴۷ تا ۱۷۹، اقبال اور وحشت از ڈاکٹر وفا راشدی ص۳۵ تا ۴۷ اقبال اور بنگال از ڈاکٹر وفا راشدی ص۸۹ تا ۱۰۷، اقبال پر نقوش کا تحقیقی سرمایہ از ڈاکٹر سعدیہ نسیم ص۱۱۱ تا ۱۳۹، اقبال کا تصور شاہین از رحمت فرخ آبادی ص۵۷ تا ۱۰۶، توحید بحیثیت موثر و محرک حیات اقبال کی نظر میں از زنیب خاتون کا کاخیل ص۵۲ تا ۵۹، اقبال کے ایک ناقص خط کی تکمیل از شائستہ خان ص۲۲۳، ۲۳۲، بیادِ اقبال از گلچیں معانی، آ قای ص۰۴، اقبال کا نظریہ زندگی از گلچیں معانی، آ قای ص۱۹۳ تا ۱۹۸، عورت کا مقام اقبال کی نظر میں از بیگم مسعودہ جواد ص۶۴ تا ۶۹، اقبال، وائلڈ اور فلسفہ وجودیت از شفیقہ اختر ص۵۴ تا ۶۵

اختر النساء (مرتبہ)

اقبال اشاریہ سہ ماہی مجلّہ، بزم اقبال، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۲ء تا اکتوبر ۱۹۹۱ء جنوری ۱۹۹۲ء یوسف سلیم چشتی بطور شارح اقبال از اختر النساء ص ۸۹ تا ۱۰۳، مولانا غلام رسول مہر بطور شارح اقبال از اختر النساء ص ۱۲۱ تا ۱۳۴، شاعر مشرق سے میری ملاقات از حجاب امتیاز علی ص۴۵ تا ۵۰، مغربی بنگال میں اقبال صدی اور اس کے بعد

از ڈاکٹر شانتی بھٹا چاریہ ص ۱۲۰ تا ۱۲۷، تبصرہ: تذکارِ اقبال [محمد عبداللہ قریشی] از سید شبیہ احمد ص ۶۳ تا ۶۷، تصور تحرک در اندیشہ اقبال از ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری ص ۲۶۵ تا ۲۶۸، مقام حسین ابن علی در اندیشہء اقبال [فارسی] از ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری ص ۱۹ تا ۲۹، بیاد اقبال [فارسی] از ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری ص ۳ تا ۱۲، اقبال را با عرفانی شناختم [فارسی] از ڈاکٹر شہین دخت مقدم صفیاری ص ۵۷ تا ۹۸، علامہ اقبال اور امام غزالی از پروفیسر عطیہ سید ص ۸۷ تا ۹۶، تبصرہ: عروج اقبال [ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی] از ڈاکٹر ناہید کوثر ص ۱۷۲ تا ۱۷۸

اختر انصاری اکبر آبادی (مدیر)

نئی قدریں، اقبال نمبر: دفتر ماہنامہ نئی قدریں، حیدر آباد، جلد: ۲۲ شمارہ: ۷-۸، ۱۹۶۹ء اقبال کے کلام میں قومی یکجہتی کا تصور از آصفہ حامد، اقبال اور قومیت از رضیہ سلطانہ ارشد اویسی، ڈاکٹر (مدیر) نورِ تحقیق، سہ ماہی مجلّہ: شعبہ اردو گیریژن یونیورسٹی، لاہور، شمارہ: ۴، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء

اقبال اور تصور جمہوریت از ڈاکٹر گلشن طارق ص ۵۴، اقبال کی شاعری کے پانچ ادوار از ڈاکٹر عظمت رباب ص ۶۱، اقبال اور تصوف از ڈاکٹر رابعہ سرفراز ص ۷۷، اقبال کا نظریہ فن از ڈاکٹر شبنم اسحاق، ڈاکٹر عطا الرحمٰن میو ص ۱۸۲، علامہ محمد اقبال کی سیاسی زندگی از قیصر آفتاب، عائشہ بیگم ص ۲۳۲، اقبال کے خطبہ ششم کے اولین مترجم :حسن الدین از صدف نقوی ص ۱۴۵، اقبال کا تصور خودی۔ ایک تحقیقی جائزہ از صباح جاوید، ڈاکٹر گلشن طارق ص ۲۵۴، کچھ علامہ اقبال کے بارے میں از عبدالرحیم مرتضٰی، عثمانیہ سلطانیہ ص ۲۹۷، کلام اقبال کی عصری معنویت از عامرہ رسول، شازیہ یونس ص ۳۱۸، اقبال کا تصور خودی۔ نمایاں شارحین کی نظر میں از بلال شوکت، انعم سعید، اُم کلثوم ص ۳۴۶، اقبال اور طبیعیاتی نظریات: خطبات کی روشنی میں از صائمہ غزل، ڈاکٹر محمد ارشد اویسی، نازیہ رفیق ص ۳۷۶، اقبال کا فکری ارتقا از روبینہ کوثر ص ۳۸۴، اقبال کے فکر و فن کے مآخذ از محمد شبیر، روبینہ کوثر ص ۴۰۴، اقبال کی تاریخی تلمیحات از ڈاکٹر بصیرہ عنبرین ص ۴۲۱، شاعرِ جلال و جمال از شمیم ظفر رانا ص ۴۳۴، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے تعلیمی افکار کی عصرِ حاضر میں افادیت از عظیم اللہ جندران، منزہ منور سلہری، وسیمہ فردوس ص ۴۴۱، فکرِ اقبال اور عصرِ حاضر از ڈاکٹر ثمینہ ندیم ص ۴۵۴، اقبال کے صوفیانہ افکار، اختلاف و ارتباط از سیدہ طیبہ رباب ص ۴۷۸، خطبات اقبال (دوسرا خطبہ) وقوفِ مذہبی کے انکشافات کا فلسفیانہ معیار از ڈاکٹر فضلیت بانو ص ۴۹۴

اقبال ڈار، ڈاکٹر (سرپرست)

مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ، اقبال نمبر: کالج برائے خواتین، لاہور، ۱۹۷۷ء

حضرت علامہ اقبال اور ریٹائرڈ جسٹس ایس۔اے رحمان از ثریا احمد ص۲ تا ۴،حضرت علامہ اقبال (آ قا بیدار صاحب سے گفتگو) از ثریا احمد ص۵ تا۸،میاں محمد شفیع اور حضرت علامہ اقبال از ثریا احمد ص۹ تا۱۱،ہدیہ عقیدت بحضور علامہ اقبال از حسینہ قمر ص۱۲،کلام اقبال میں شخصیت کا حرکی پہلو از کوثر تسنیم ص۱۳ تا۱۹،اقبال کی شاعری از مہ جبیں طیبہ ص۲۰ تا۲۴،اقبال کا فلسفہ خودی از نغمہ حفیظ ص۲۵ تا ۳۰،اقبال کے فلسفہ خودی کا اسلامی پس منظر از ناصرہ بخاری ص۳۱ تا ۳۶،اقبال کا مردِ مومن از فضا سرور ص۳۷ تا۴۱،مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آ فاق از طاہرہ خان ص۴۲ تا۴۳،نیا زمانہ نئے صبح وشام پیدا کر از شاہدہ پروین ص۴۴ تا ۴۶،اقبال کا نظریہ عشق از تابندہ زہرا ص۵۶ تا۵۹،دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا از ربیعہ احمد خواجہ ص۶۰ تا ۶۷،اقبال کی شاعری میں اسلامی پہلو از بشرہ پروین ص۶۰ تا ۷۳،بزم اقبال میں طنز ومزاح از عائشہ مبین ص۷۴ تا۷۹،اقبال کا تصورِ ملت از دردانہ افضل ص۸۰ تا ۸۲،اقبال اور ربط ملت از رفعت نگار ص۸۳ تا۸۶،اقبال بحیثیت نظم نگار از رخسانہ پروین ص۹۱ تا ۹۳،مغربی تہذیب وتمدن علامہ اقبال کی نظر میں از ادیبہ نور ص۹۴ تا ۹۵،اقبال اور تہذیب فکرنگی از عائشہ مبین ص ۹۶ تا ۱۰۰،اقبال اور فلسفہ توحید از فرخندہ کوکب ص۱۰۱ تا ۱۰۴،لحد میں بھی یہی غیب وحضور رہتا ہے از فرخ سلطانہ ص ۱۰۵ تا ۱۰۷،مادراں اسوہ کامل از پروین اسماعیل ص۱۰۸ تا ۱۱۰،علامہ اقبال (اول انعام یافتہ) از سیدہ فاطمہ کوہ نور کاظمی ص۱۱۱ تا ۱۱۲،علامہ اقبال اور تصوف از خولہ گل ص۱۱۳ تا ۱۱۵

پیغام آشنا

ثقافتی قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران۔ پاکستان،شمارہ:۴

اقبال دائمی تحرک اور اجتہادِ فکر وعمل کا شاعر از ثاقبہ رحیم ص۱۳۹ تا ۱۴۸

حنیف شاہد، پروفیسر (مدیر)

نعیم بزمی، ڈاکٹر (نائب مدیر) اقبال (سہ ماہی علمی وتحقیقی مجلّہ): بزم اقبال، لاہور، جلد: ۶۱، ۶۲ شمارہ:۲ ،۴،۱،اپریل ۲۰۱۴ء تا مارچ ۲۰۱۵ء

اقبال کی فارسی مثنوی ''اسرارخودی'' کے تین ترجمے از پروفیسر تسکینہ فاضل ص۹ تا۱۶،سبق پھر پڑھ صداقت کا،عدالت کا شجاعت کا (عصرِ حاضر میں فکر اقبال کی تعبیر اور اطلاق کی صورتیں) از قمر سلطانہ ص۱۱۴ تا ۱۲۴،اقبال کی عائلی زندگی از عظمیٰ سیٹھی ص۱۴۷ تا ۱۵۹

حنیف ازھر (مدیر)

المعلم، اقبال نمبر: علامہ اقبال کالج، لاہور کینٹ، ۱۹۸۷ء

علامہ اقبال از بشریٰ ناز ص ۱۰۱ تا ۱۰۱

رشید نازکی (مدیر)

شیراز، اقبال نمبر: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر، جلد: ۱۶ شمارہ: ۳، ۴، ۵، مکاتیب اقبال (چند اہم خصوصیات) از مشعل سلطان پوری ص ۱۳۹ تا ۱۴۹

زہرا معین، مسز (مرتب)

محمل (شمارہ خصوصی بہ مناسبت صد سالہ جشن ولادت اقبال): گورنمنٹ اسلامیہ کالج کوپر روڈ، لاہور ۷۴۔۱۹۷۳ء

حیات اقبال، بیک نظر از زہرہ معین، اقبال کے کلام میں طنز و مزاح از محسنہ قریشی، اقبال کا فلسفہ خودی از عابدہ یوسف، اقبال اور فلسفہ خودی از ثریا ملک اوج، اقبال بحیثیت شاعر و فلسفی از صالحہ، کلام اقبال میں منظر نگاری از شاہدہ زیدی، اقبال کی غزل گوئی از ثریا بانو، اقبال کی نظموں میں رنگ تغزل از شاہدہ زیدی، شکوہ جواب شکوہ کا تنقیدی جائزہ از شاہدہ رفیق، شکوہ جواب شکوہ پر ایک نظر از خوشدل نورین، بال جبریل پر ایک نظر از قاضیہ الماس فاطمہ، اقبال کی یاد میں منظومات از شاہدہ زیدی

ساغر

اقبال اور عالم اسلام ایڈیشن: دفتر پندرہ روز ''ساغر'' کراچی ۳۰ نومبر ۱۹۷۴ء، اُردو صفحات: ۱۲۲، انگریزی: نظریہ اقبال اور صنف نازک از بیگم مسیح الدین، ممتاز حسن اور اقبال از بیگم بلقیس صدیقی

سرور، علی محمد خادم (دارہ تحریر)

آفاق، اقبال نمبر ہفت روزہ آفاق لاہور، ۳۰/اپریل ۱۹۴۹ء

حکمت اقبال از زیبا درانی

عطیہ قیصر (مدیر)

شالی زار، اقبال نمبر: گورنمنٹ کالج برائے خواتین، شیخوپورہ

اقبال اور تصوف از عطیہ رشید ص ۴، اقبال کا تصور تقدیر جبر و اختیار از فائزہ حسن ص ۱۷، اقبال کا معیار ایمان و مومن از نسیم قدسیہ ص ۲۱، اقبال کا تصور وطنیت از حسینہ بانو ص ۲۵، اقبال کی نظر میں عورت کا مقام از شاہانہ عثمانی ص ۲۹، اقبال کا شاہین از ذکیہ وڑوص ۳۶، اقبال اور زندہ دلی از ثریا ص ۴۴، مغربی تہذیب پر اقبال کی تنقید از نصرت منظور ص ۵۰، اسلام اقبال کی نظر میں از زرینہ رسول ص ۵۴، ابلیس اقبال کی نظر میں از طاہرہ مجید ص ۵۹، اقبال شاعر یا فلسفی از قدسیہ گھمن ص ۶۲، اقبال کا فلسفہ خودی از تسنیم حنیف ص ۶۸، اقبال اور خودی از تنویر اختر ص ۷۹، اقبال اور تشبیہات از عطیہ قیصر ۱۸۲ اقبال کی نظر میں جوانان ملت از ریحانہ ہادی کنول ص ۸۵

لبِ جُو

گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج، سانگلہ ہل، جلد: ۱۰ شمارہ: ۱۲، نومبر ۲۰۰۲ء

اقبال کا نثری اسلوب از زیب النساء ص ۱۴۹ تا ۱۵۸، علامہ اقبال کا نظریہ تعلیم از ثمینہ خورشید بخاری ص ۱۵۹ تا ۱۶۹، اقبال کا نظریہ فن از فرح خورشید گیلانی ص ۱۷۸ تا ۱۷۰

محمد طفیل (مدیر)

نقوش، اقبال نمبر: ادار فروغ اردو، لاہور، شمار: ۱۲۱، ستمبر ۱۹۷۷ء

اقبال اور تاریخ گوئی از کسریٰ منہاس ص ۳۸۱ تا ۴۱۱

مظفر حسین سالک (مدیر)

کشتِ نو، اقبال نمبر: زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد

اقبال بحیثیت مفکر اسلام و مفسر قرآن از مس ریحانہ قریشی ص ۲۸ تا ۳۲، علامہ اقبال اقبال بحضور قرآن از عابدہ شمیم ص ۵۰ تا ۵۱، اقبال

رہبر انسانیت از عقیلہ صغیر ص ۱۲۵ تا ۱۲۸، اقبال الفاظ کا جادوگر از عابدہ شمیم ص ۱۳۱ تا ۱۳۶، شخصیت اقبال از ریحانہ یاسمین ص ۱۴۳ تا ۱۴۵، اقبال کی فریاد از آمنہ سحر ص ۱۵۱ تا ۱۵۲، اقبال ایک ضرورت از ہما جاوید ص ۱۵۳ تا

۱۵۴ ،علامہ اقبال اور نوجوان از بینش خالد ص ۱۷۸ تا ۱۷۹، اقبال کا مردِ برتر از سعدیہ سلیم ص ۲۸۳ تا ۲۸۶ ،اقبال۔ ہمہ جہت شخصیت از یاسمین گل خان ص ۳۵۰ تا ۳۵۳ ،اقبال ایک شاعر ایک مصلح از ناہید چھینہ از ۳۵۴ تا ۳۵۶ ،عقیدہ ختم نبوت کے سیاسی پہلو پر علامہ اقبال کے دلائل کا جائزہ از رابعہ سرفراز ص ۲۰۴ تا ۲۰۵

یوسف خشک، ڈاکٹر (مدیر)

الماس، تحقیقی مجلّہ (اقبال نمبر)، شعبہ اُردو شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیر پور سندھ، ۲۰۰۲ء، علامہ اقبال کی آفاقی شہرت کا بنیادی سبب از صوفیہ خشک ص ۷۰ تا ۸۷، اقبال کی بے مثال نظم مسجد قرطبہ۔ ایک مطالعہ از نورینہ تحریم بابر ص ۱۸۰ تا ۱۹۴، کلام اقبال میں مناظر قدرت از ڈاکٹر ثمینہ محبُوب ص ۲۰۸ تا ۲۱۶

ان رسائل کے علاوہ اور بھی کئی رسائل موجود ہیں جن میں اقبال کے حوالے کئی اہم مضامین شائع ہوتے رہے جن میں احساس، احسان، ادب لطیف، ''القرآن'' اقبال نمبر، پاک جمہوریت، پیغام اسلام، پیغام حق، تاج اقبال نمبر، تحریک، جامِ نو، جوہر، راوی، شام وسحر، شعور، شہود، ساقی، ساہیوال اقبال نمبر، سویرا، سیارہ، صادق، ضیا بار، علی گڑھ میگزین، غالب، فاران، قومی زبان، کارواں، لیل ونہار، مفکر، مہک، میثاق، نگار، نگارِ پاکستان، نقوش، نوید صبح، اور وفاق ان تمام رسائل میں اقبال شناس مرد وخواتین کے مضامین چھپے۔ عصر حاضر میں بھی جامعات، کالجز کے اقبال نمبر چھپ رہے ہیں جن میں اقبال شناس مرد وخواتین کی تحریروں سے قارئین مستفید ہو رہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ جوں کا توں جاری وساری ہے۔ رسائل وجرائد کی اہمیّت سے کسی دور میں بھی انکار ممکن نہیں۔

ب: جامعات میں اقبال شناس خواتین:

جامعات میں خواتین کی اقبال شناسی کے عنوان کے تحت ایم۔اے، ایم فل، پی ایچ۔ڈی اور ڈی لٹ کے مقالات کی فہرست پیش کی گئی ہے۔ اس فہرست کی تیاری میں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کی کتاب ''جامعات میں اقبال کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ ایک جائزہ''، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، طبع اول، ۱۹۷۷ء اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی مرتبہ ''جامعات میں اُردو تحقیق''، مطبوعہ اسلام آباد: ہائر ایجوکیشن کمیشن، ۲۰۰۰ء سے مدد لی گئی ہے۔ وہ مقالات جو ڈاکٹر معین الرحمٰن کی کتاب ''جامعات میں اقبال کا تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ ایک جائزہ'' اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی کتاب ''جامعات میں اردو تحقیق'' کے بعد لکھے جاتے رہے اُن سے آگاہ ہونے کے لیے مختلف جامعات میں موجود مقالات کی فہرستوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ جو مقالات کی فہرست دی گئی ہے اُسے بالترتیب، ایم۔فل، پی ایچ۔ڈی اور ڈی لٹ تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔۔ فہرست میں موجود چند مقالات کتابی صورت میں

شائع ہو چکے ہیں۔ ہر حصّے میں مقالہ نگاروں کے ناموں کی الف بائی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور کہیں شخصیات، اقبال شناسوں اور اداروں کے ناموں کی الفبائی ترتیب کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

مقالات برائے ایم فل

۱۔ آصفہ ایوب، ''سرگزشت اقبال'' کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۲ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر محمد اکرم]

۲۔ آنسہ زیب النساء۔ فرمان فتح پوری کی اقبال شناسی (اقبال سب کے لیے کے حوالے سے ڈاکٹر)، تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ اسلام آباد، اوپن یونیورسٹی، س ن۔ [زیر نگرانی: مہر نور محمد]

۳۔ اختر النساء۔ گفتارِ اقبال: متن کا تحقیقی مطالعہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۶ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۴۔ اسماء۔ علامہ اقبال اور علامہ عنایت اللہ مشرقی، افکار و نظریات کا تقابلی و توضیحی مطالعہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۳ء۔ [زیر نگرانی: پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران]

۵۔ افشاں منیر بھٹی۔ بالِ جبریل کی شرحوں کا توضیحی و تنقیدی مطالعہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۵ء۔ [زیر نگرانی: انور خالد محمود]

۶۔ امبرین منیر۔ (اقبال) فیض، راشد، مجید امجد اور مختار صدیقی کا تقابلی مطالعہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر سہیل احمد خاں]

۷۔ انجم سلطانہ۔ اردو غزل کو اقبال کی دین۔ حیدر آباد: جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی، ۱۹۸۵ء۔ [زیر نگرانی: سیدہ جعفر]

۸۔ انیلہ محمود۔ علامہ اقبال کا تصورِ توحید۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔ [زیر نگرانی: انور خالد محمود]

۹۔ انیس فاطمہ۔ ڈاکٹر ابو سعید نور الدین کی تصنیف اسلامی تصوف اور اقبال کا تنقیدی و توضیحی مطالعہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔ [زیر نگرانی: اورنگ زیب عالمگیر]

۱۰۔ انیس فاطمہ فاروقی۔ اقبال کی شاعرانہ فنکاری: مختصر حیات اور اُردو کلام کا مطالعہ۔ پٹنہ: پٹنہ یونیورسٹی، ۱۹۷۶ء۔ [زیر نگرانی: اختر اورینوی]

۱۱۔ بشریٰ جبیں۔ پاکستان میں فروغِ اقبالیات، غیر سرکاری اداروں کا کردار۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۴ء۔ [زیر نگرانی: عبد الحمید یزدانی]

۱۲۔ بشریٰ خان۔سر سید اور اقبال کے عمرانی تصورات کا تقابلی مطالعہ۔ملتان: بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ،۱۹۹۵ء۔[زیرنگرانی:عبدالرؤف شیخ]

۱۳۔ بشریٰ ناہید۔جامعہ پنجاب میں اقبالیات پر ایم اے کی سطح کے تحقیقی مقالات کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ (۱۹۸۱ءتا۱۹۹۲ء)۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی۲۰۰۰ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۱۴۔ بلقیس سراج۔اُردو نظم میں اقبال کا کارنامہ۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۴ء۔[زیرنگرانی:مسعود حسین خاں]

۱۵۔ بنتِ حیدر۔اقبال کی ایران دوستی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، 2005ء۔[زیرنگرانی:فرحت بانو]

۱۶۔ پروینہ حبیب۔(پروفیسر) عبدالمغنی کی اقبال شناسی:ایک مطالعہ۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی س ن۔[زیر نگرانی:بشیر احمد نحوی]

۱۷۔ تبسم۔ "Iqbal and Kantian E pistemology .A study in comparison"۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی،۱۹۹۵ء۔[زیرنگرانی:محمد امین اندرابی]

۱۸۔ تسکین کوثر،سیدہ،(اقبال و) ملک الشعراء بہار (فکری وفنی جائزہ)۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[مہر نور محمد]

۱۹۔ تسنیم رضا رضوی۔اقبال کے نظام فکر میں آزادی کی اہمیّت۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیر نگرانی:عبدالمغنی]

۲۰۔ تہمینہ الماس۔جاوید نامہ کے اردو تراجم کا تحقیقی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی ،۲۰۱۱ء۔[زیر نگرانی:ڈاکٹر محمد سرفراز]

۲۱۔ ثریا جبیں۔اقبال کا برصغیر میں لاہور سے باہر قیام اور سرگرمیوں کا تحقیقی مطالعہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۶ء۔[زیرنگرانی:رحیم بخش شاہین]

۲۲۔ ثریا مسعود۔(سید) عابد علی عابد کی اقبال شناسی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۲ء۔[زیرنگرانی:محمود الرحمٰن]

۲۳۔ ثمرین اختر۔(سید) وقار عظیم بحیثیت اقبال شناس۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۶ء۔[زیرنگرانی :نثار احمد قریشی]

۲۴۔ ثمینہ کوثر۔اورینٹل کالج (لاہور) کی اقبال شناسی۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔[زیرنگرانی: سلطان محمود حسین]

۲۵۔ ثمینہ یاسمین۔ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کی سوانح اپنا گریباں چاک کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ۔اسلام آباد

:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی: ریاض مجید]

۲۶۔ ثوبیہ نسیم۔ پیامِ مشرق کا فکری وفنی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۱۱ء۔[زیرنگرانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم مظہر]

۲۷۔ جہاں آرا کاملی۔میر غلام رسول نازکی شاعری پراقبال کے اثرات۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی:تسکینہ فاضل]

۲۸۔ چغیدہ میر۔'Iqbal Ideolgy of iqbal'۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۶ء۔[زیرنگرانی: آل احمد سرور،سلیم قدوائی]

۲۹۔ حفصہ خالدی۔دستاویزاتِ اقبال انگلستان میں۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی: محمد اکرام چغتائی]

۳۰۔ حلیمہ سعدیہ۔(مولانا) صلاح الدین احمد بطور اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر انور سدید]

۳۱۔ حمیرا اکرم۔کلامِ اقبال میں جغرافیائی حوالے۔بہاول پور:اسلامیہ یونیورسٹی،۲۰۱۰ء۔[ڈاکٹر شفیق احمد]

۳۲۔ حمیرا خالد۔عالمِ اسلام کے زوال کے اسباب کلامِ اقبال کے تناظر میں۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی:احسان اکبر]

۳۳۔ حمیرا صادق۔اقبال اور ابن تیمیہ:افکار کا تقابلی کا جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۱۷ء۔[زیرنگرانی: پروفیسر ڈاکٹر خالد مسعود]

۳۴۔ خالدہ سلطانہ۔حیات وشخصیتِ اقبال:خطوط کے آئینے میں۔اسلام آباداوپن یونیورسٹی۲۰۰۲ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۳۵۔ خدیجہ طاہر۔اقبال کی شاعری میں عورت کا تصور۔دہلی:۱۹۸۴ء۔[زیرنگرانی:افتخار بیگم]

۳۶۔ خدیجہ یاسمین۔اقبال اور سائمن کمیشن۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۲ء۔[زیرنگرانی:احمد سعید]

۳۷۔ خدیجہ مہ جبیں۔محمد بقائی ماکان کی تشریحات وتراجم کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:محمد اقبال شاہد]

۳۸۔ رابعہ بی بی۔ڈاکٹر سلیم اختر بطور اقبال شناس، بہاول پور: اسلامیہ یونیورسٹی، ۲۰۰۹ء۔۸[زیرنگرانی :ڈاکٹر شفیق احمد]

۳۹۔ رابعہ سرفراز۔اقبال کا نظریہ فن نقادوں کی نظر میں (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)۔ اسلام آباد :اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی: ریاض مجید]

۴۰۔ رابعہ شبر احمد۔تقسیم برصغیر کا پس منظر،پیش منظر اور اقبال (بحوالہ جسونت سنگھ''جناح اتحاد سے تقسیم تک)۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۱۳ء۔[زیرنگرانی: پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران]

۴۱۔ راشدہ نورین۔علامہ اقبال اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۲ء۔[زیرنگرانی: صدیق شبلی]

۴۲۔ رانی ثریا طاہرہ۔عبدالواحد مغنی بطور اقبال شناس۔اسلام آباد :اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۴ء۔[زیرنگرانی: معین الدین عقیل، یونس حسنی]

۴۳۔ رانی رابعہ کلثوم ،شکوہ جواب شکوہ کا فکری وفنی جائزہ۔اسلام آباد :اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء ۔[زیر نگرانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شبلی]

۴۴۔ راشدہ ناہید۔ڈاکٹر اسرار احمد کی اقبال فہمی کا توضیحی مطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۱۲ء۔[زیر نگرانی: پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران]

۴۵۔ رحمت علی ظفر۔علامہ اقبال اور جواہر لال نہرو : سیاسی فکر ونظر کا تجزیاتی مطالعہ۔ اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی۲۰۱۲ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر انجم رحمانی]

۴۶۔ رخسانہ حسن۔اقبال کی اُردو شاعری میں تصورِ اخلاق۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی: بشیر احمد نحوی]

۴۷۔ رخسانہ شاہین زلفی۔علامہ اقبال کی طویل نظموں پر لکھی گئی کتب کا جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء۔[زیرنگرانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شبلی]

۴۸۔ رضیہ سلطانہ۔اقبال کی اُردو شاعری میں عورت کا مقام۔حیدرآباد: جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی،۱۹۹۱ء۔[زیر نگرانی: انور الدین]

۴۹۔ رضیہ شیخ۔(اقبال اور) حفیظ جالندھری کی شاعری کا تقابلی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی۔[زیر نگرانی: ہارون الرشید تبسم]

۵۰۔ رعنا مشتاق۔اسرارِ خودی کا فکری وفنی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی: کلثوم فاطمہ]

۵۱۔ رفعت چوہدری۔ڈاکٹر وحید عشرت بطور اقبال شناس۔اسلام آباد :اوپن یونیورسٹی ،۲۰۱۲ء ۔[زیر

نگرانی: پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران]

۵۲۔ روبینہ رشید۔اُردو نظم گوئی میں اقبال کا مقام۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرِ نگرانی: معز الدین]

۵۳۔ روزینہ انجم نقوی۔(مثنوی) اسرارِ خودی: نقدِ متن، حواشی و تعلیقات۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء۔[زیرِ نگرانی: صدیق شبلی]

۵۴۔ ریحانہ رابعہ کلثوم۔شکوہ جواب شکوہ کا فکری و فنی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء۔[زیر نگرانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شبلی]

۵۵۔ ریحانہ شاہین صدیقی۔علامہ اقبال کی طویل نظموں پر لکھی گئی کتب کا جائزہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء۔[زیرِ نگرانی: پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شبلی]

۵۶۔ ریحانہ سعید۔بہاول پور (ریاست) میں اقبال شناسی کی روایت۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء۔[پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد]

۵۷۔ ریحانہ کوثر۔اقبال کا جرمنی میں قیام۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء۔[زیرِ نگرانی: صدیق شبلی]

۵۸۔ رئیسہ پروین۔بیسویں صدی کی اُردو شاعری پر اقبال کے اثرات۔دہلی: دہلی یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔[زیر نگرانی: عتیق احمد]

۵۹۔ زاہدہ پروین۔اقبال کی شاعری میں ہئیت کے تجربات کی روایت۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۲ء۔[زیرِ نگرانی: انور خالد محمود]

۶۰۔ زاہدہ پروین۔غالب کا فکر و فن اور اقبال۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی ۱۹۸۲ء۔[زیرِ نگرانی: آل احمد سرور]

۶۱۔ زبیدہ جبیں۔(پروفیسر محمد منور بطور اقبال شناس۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔[زیرِ نگرانی: اورنگ زیب عالمگیر]

۶۲۔ زرینہ بٹ۔اقبال کی اُردو غزل کا تنقیدی مطالعہ۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی، ۱۹۸۱ء۔[زیرِ نگرانی: آل احمد سرور]

۶۳۔ زیب النساء۔اقبال اور بچوں کا ادب۔بنگلور: ۱۹۸۲ء۔[زیرِ نگرانی: فہمیدہ بیگم]

۶۴۔ زیب النساء۔انوارِ اقبال (خطوط) ترتیب و تحشیہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء [زیر نگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۶۵۔ زیب النساء سرویا۔ (کلامِ اقبال میں) انبیاءکرام کا تذکرہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء۔ [زیر نگرانی: وحید عشرت]

۶۶۔ زمرد کوثر۔ ۱۹۴۷ء تک اقبال پر مطبوعہ اہم اردو کتب میں شخصیتِ اقبال کا تحقیقی مطالعہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۵ء۔ [زیر نگرانی: انور محمود خالد]

۶۷۔ زوبیہ لطیف۔ حیاتِ اقبال کا اشاریہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۶۸۔ زنیت فردوس۔ غلام رسول مہر کی بحیثیت اقبال شناسی۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی ۲۰۰۳ء۔ [زیر نگرانی: صدیق شبلی]

۶۹۔ ساجدہ اکبر۔ اقبالیاتِ قومی زبان کا توضیحاتی و تجزیاتی مطالعہ، ابتدا سے دسمبر ۱۹۷۷ء تک۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی ۲۰۰۱ء، [زیر نگرانی: سعداللہ کلیم]

۷۰۔ ساجدہ پروین۔ تاریخِ تصوف (از اقبال) حواشی و تعلیقات۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔ [زیر نگرانی: آفتاب اصغر]

۷۱۔ ساجدہ پروین۔ ''مجلّہ الزبیر کی اقبال شناسی''۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۲ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر شفیق احمد]

۷۲۔ سحرافروز۔ بالِ جبریل اسلامی تاریخ کے حوالے۔ علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی، س ن۔ [زیر نگرانی: محمد ہاشم]

۷۳۔ سحرین فر بخاری۔ An Analytical study of third lecture of iqbal,s reconstruction:The conception of God and the meaning of prayer۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۳ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر علی رضا]

۷۴۔ سعدیہ حسن۔ اقبال کو منظوم خراجِ عقیدت (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۷۵۔ سعدیہ سحر۔ علامہ اقبال پر محمد عبداللہ قریشی کی مطبوعہ کتب کا تجزیاتی مطالعہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۱ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر شاہد اقبال کامران]

۷۶۔ سعدیہ نورین۔ کلامِ اقبال کے منظوم پنجابی تراجم۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء۔ [زیر نگرانی: فخرالحق نوری]

۷۷۔ سعیدہ نواب۔اردو کلام اقبال اور عرب شاعر احمد شوقی بک کی فکری جہات کا موازنہ۔بہاول پور:اسلامیہ یونیورسٹی،۲۰۰۹ء۔۷۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر نجیب جمال]

۷۸۔ سفیرہ بیگم۔(پروفیسر)اسلوب احمد انصاری کی اقبال شناسی :ایک جائزہ۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:بشیر احمد نحوی]

۷۹۔ سلمیٰ بتول۔اُردو شاعری میں تصورِ عشق کی روایت اور اقبال کے تصورِ عشق کا تقابلی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،۲۰۱۱ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر محمد اکرم]

۸۰۔ سنیتا کماری۔اقبال اور ہندو مذہب۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۸۱۔ شائستہ بتول۔اقبالِ کامل(عبدالسلام ندوی) کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:شاہد اقبال کامران]

۸۲۔ شازیہ گل۔ڈاکٹر تقی عابدی بطور اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۵ء ۔[زیر نگرانی:پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران]

۸۳۔ شبانہ سحر۔فارسی غزل گوئی میں اقبال کا مقام۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۴ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر معین نظامی]

۸۴۔ شاہدہ رسول۔اقبال کا تصور کشف (اپنے خطبات کی روشنی میں) ایک تجزیاتی مطالعہ۔ملتان :بہاؤ الدین زکریا،س ن۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر انوار احمد]

۸۵۔ شاہدہ یوسف۔(اقبال اور ٹی ایس)ایلیٹ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی:عبد الغنی]

۸۶۔ شاہدہ یوسف۔(اقبال اور) وڈز ورتھ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی ،۱۹۹۹ء۔ [زیرنگرانی :جیلانی کامران]

۸۷۔ شفیقہ رسول۔اقبال اور ہیومنزم۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۵ء۔[زیرنگرانی:آل احمد سرور]

۸۸۔ شکیلہ فیض۔(اُردو اقبال شناسی کی رایت میں)عشرت حسن انور کا مقام ومرتبہ۔بہاولپور:۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی:عقیلہ شاہین]

۸۹۔ شگفتہ بانو۔(مظلوم اقبال میں شامل ۳۰۱)خطوط کی تدوین وتحشیہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی ،۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی:شفیق احمد]

۹۰۔ شگفتہ شہناز۔ اقبال کی اسرارِ خودی پر تنقیدی کتب و مضامین کا تحقیقی جائزہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء۔ [زیر نگرانی: سعداللہ کلیم]

۹۱۔ شگفتہ صابر۔ زبورِ عجم کا فکری و فنی تجزیہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء۔ [زیر نگرانی: عبدالحمید یزدانی]

۹۲۔ شمیم اختر۔ (ڈاکٹر) سید عبداللہ کی اقبال شناسی۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۳ء۔ [زیر نگرانی: محمد ریاض]

۹۳۔ شہناز اقبال قریشی۔ "Iqbal,s message to youth (An evalution of some selected poems")۔ سری نگر: کشمیر یونیورسٹی ۲۰۰۴ء۔ [زیر نگرانی: تسکینہ فاضل]

۹۴۔ شہناز پروین۔ اقبال شناسی اور ماہنامہ نگار، نگار پاکستان: توضیحی و تجزیاتی مطالعہ۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی ۲۰۱۲ء۔ [زیر نگرانی: پروفیسر ڈاکٹر یونس حسنی]

۹۵۔ صابرہ سلیم صدیقی۔ اقبال کا تصورِ عشق۔ دہلی: جواہر لال نہرو یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء۔ [زیر نگرانی: انوار عالم]

۹۶۔ صالحہ نذیر "Reception of westren thought in iqbal,s philosophy and poetry" س ن۔ [زیر نگرانی: فلپ ڈاروس]

۹۷۔ صائمہ رفعت۔ اقبال شناسی میں بھوپال کا حصّہ۔ س ن۔ [زیر نگرانی: آفاق احمد برکت اللہ]

۹۸۔ صائمہ صادق۔ اسلام میں وسیع النظری (لبرل ازم) کا تصور اور علامہ اقبال۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔ [زیر نگرانی: سعیدہ اقبال]

۹۹۔ صبا مرزا، افکارِ اقبال کے حوالے سے بزم اقبال کا جائزہ۔ لاہور: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، ۲۰۰۹-۲۰۰۲ء

۱۰۰۔ صبغہ فاروق۔ اقبال اور مجلّہ صوفی۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر سہیل احمد خاں]

۱۰۱۔ صغریٰ بی بی۔ اسلامی معاشرے میں عورت کی حیثیت، اقبال کی نظر میں۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی ۱۹۹۵ء۔ [زیر نگرانی: منہاج الدین]

۱۰۲۔ صفیہ صلاح الدین۔ رموزِ بے خودی: نقدِ متن، حواشی و تعلیقات۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۱۰۳۔ صورت جہاں۔ بانگ درا کی منظوم نظمیں۔ سری نگر: کشمیر یونیورسٹی، ۱۹۹۲ء۔ [زیر نگرانی: محمد امین اندرابی]

۱۰۴۔ صوفیہ بٹ۔ (اقبال اور) سیالکوٹ کی معاصر شخصیات۔ اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰ء۔ [زیر نگرانی: ڈاکٹر سلطان محمود]

۱۰۵۔ طاہر ناز۔نسیم حجازی پر اقبال کے اثرات کا جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۰ء۔[زیرنگرانی: عبدالحق]

۱۰۶۔ طاہرہ منظور۔اقبالیات کا تنقیدی جائزہ (۱۹۶۵ء-۲۰۰۰ء)۔دہلی: دہلی یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: عبدالحق]

۱۰۷۔ طالعہ افروز۔اقبال اور فنونِ لطیفہ۔سری نگر، کشمیر یونیورسٹی ۱۹۸۲ء۔[زیرنگرانی: آل احمد سرور]

۱۰۸۔ طلعت کلثوم۔شذراتِ فکر اقبال: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۴۔[زیر نگرانی: وحید عشرت]

۱۰۹۔ ظل ہما۔اقبال اور مذہبی تجزیہ توضیحی مطالعہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۲ء۔[زیرنگرانی: پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران]

۱۱۰۔ عابدہ اقبال زیدی۔اقبال: تحریک پاکستان کے مورخین کی نظر میں۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر فتح محمد ملک]

۱۱۱۔ عابدہ خاتون۔(علامہ اقبال اور) میاں محمد بخش کے افکار و نظریات کا تقابلی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی: محمد اکرم طاہر]

۱۱۲۔ عابدہ مبشر۔علم الاقتصاد: مقدمہ، ترتیب و تحشیہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۶ء۔[زیرنگرانی: وحید عشرت]

۱۱۳۔ عابدہ مقبول۔اقبال اور کشمیری شخصیات: تحقیقی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۴ء۔[زیر نگرانی: ڈاکٹر صابر آفاقی]

۱۱۴۔ عارفہ پروین۔جامعہ پنجاب آئی ای آر (انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ) میں اقبالیات پر ایم ایڈ اور ایم اے کی سطح کے تحقیقی مقالات کا شرح و تنقیدی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی: محمد ابراہیم خالد]

۱۱۵۔ عاصمہ بخاری۔مسئلہ ختم نبوت اور پالیمانی اجتہاد: فکر اقبال کی روشنی میں۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی ۲۰۱۲ء۔[زیرنگرانی: پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران]

۱۱۶۔ عذرا شفیع۔اقبال کی شاعری میں طنز۔اسلام آباد: ااوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۴ء۔[زیرنگرانی: عبدالحمید یزدانی]

۱۱۷۔ عظمت رباب۔اقبال اور رومانیت۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی ۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر محمد خان اشرف]

۱۱۸۔ عظمیٰ عزیز خان۔مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق مع مسافر :تقابلِ متن اور حواشی و تعلیقات۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:ڈاکٹرمعین نظامی]

۱۱۹۔ عظمیٰ گیلانی۔علی عباس جلال پوری کی اقبال کاعلم کلام کاتنقیدی مطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی:وحیدعشرت]

۱۲۰۔ غزالہ توحید۔اقبال کاتصورقوت ومزاحمت۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:ایوب شاہد]

۱۲۱۔ غزالہ نثار۔ذکرِاقبال کاتحقیقی وتنقیدی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:محمدصالح طاہر]

۱۲۲۔ غزالہ ہمایوں۔(اقبال اور)ابنِ رشد کے ذہنی روابط۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی ،۱۹۹۵ء۔[زیر نگرانی:عبدالخالق]

۱۲۳۔ فارحہ ناز۔فتح محمد ملک بطوراقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۹ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹرعبد الروف شیخ]

۱۲۴۔ فرحت زہرہ۔(ڈاکٹر)اکبرحسین قریشی کی اقبال شناسی۔اسلام آباداوپن یونیورسٹی ،س ن۔[زیر نگرانی:میاں مشتاق احمد]

۱۲۵۔ فرحت ریاض۔(لفظیات) بالِ جبریل کاتحقیقی مطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔[زیر نگرانی:صدیق شبلی]

۱۲۶۔ فرحت شاہین۔''اقبال اور جمالیات''از ڈاکٹرنصیراحمد ناصرکاتنقیدی وتوضیحی مطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی۲۰۱۲ء۔[زیرنگرانی:پروفیسرڈاکٹرشاہداقبال کامران]

۱۲۷۔ فرح دیبا۔سیالکوٹ میں اقبال شناسی کی روایت۔سیالکوٹ: گورنمنٹ کالج خواتین یونیورسٹی۲۰۱۶ء۔ ۲۰۱۴ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹرسبینہ اویس اعوان]

۱۲۸۔ فرح شفیع۔سکون وحرکت اقبال کی نظرمیں۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:ممتازاحمد کلیانی]۱۲۹۔فرح۱۲۹۔عزیزہ خاں۔(اقبال شناسی کی روایت میں ڈاکٹر)جاویداقبال کا کلام۔ملتان: بہاؤالدین زکریایونیورسٹی،۲۰۰۴ء۔[زیرنگرانی:ممتازاحمدکلیانی]

۱۳۰۔ فرخ طاہرہ۔اقبال کا سوانحی اشاریہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی ،۱۹۹۹ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۱۳۱۔ فردوس جہاں۔(اقبال کی امیجری) بانگ درا کی روشنی میں۔دہلی :دہلی یونیورسٹی ،۱۹۷۹ء ۔[زیر

نگرانی:عبدالحق]

۱۳۲۔ فرزانہ اقبال۔ڈاکٹرظہوراحمداعوان بحیثیت اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی۔۲۰۱۳ء۔[زیر نگرانی:پروفیسرڈاکٹرانواراحمد]

۱۳۳۔ فرزانہ رانی۔اقبال کی مجلسی زندگی:اجمالی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۹ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹروحیداخترعشرت]

۱۳۴۔ فرزانہ ماجد۔(علامہ اقبال کی فارسی)دوبیتوں،رباعیوں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۸ء۔[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۱۳۵۔ فرزانہ ہما۔اقبال اوررسالت۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۴ء۔[زیرنگرانی:زاہدمنیرعامر]

۱۳۶۔ فریدہ الٰہی۔اقبال اورتحریکِ آزادی فلسطین۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۶ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر فتح محمدملک]

۱۳۷۔ فریال ارشاد۔(اقبالیات)چودھری محمدحسین۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء۔[زیرنگرانی: سلطان محمودحسین]

۱۳۸۔ فوزیہ بتول۔(ڈاکٹر)یوسف حسین خاں کی اقبال شناسی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔[زیر نگرانی:ڈاکٹروزیرآغا]

۱۳۹۔ فوزیہ اشرف۔ڈاکٹرمحمدصدیق جاوید کی تالیف''اقبال نئی تفہیم'' کا تحقیقی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۱۲ء۔[زیرنگرانی:پروفیسرڈاکٹرشاہداقبال کامران]

۱۴۰۔ فوزیہ اقبال۔جاویدنامہ کافنی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی:محمودالرحمٰن]

۱۴۱۔ فوزیہ کاظم۔"Concept of Iqbal ,s ego theory of relativity"اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،2006ء۔[زیرنگرانی:نعیم احمد]

۱۴۲۔ قمرالنساء علامہ اقبال کےنظریات کی روشنی میں قومی پالیسیوں کا جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، س ن۔[زیرنگرانی:محمدمعروف]

۱۴۳۔ کشورتصدق۔علامہ اقبال اورتفہیم علوم،اسلام آباد:نمل یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:آفتاب احمد]

۱۴۴۔ کشورسلطانہ۔علامہ اقبال اورتفہیم علوم:تحقیقی جریدہ۔اسلام آباد:نمل یونیورسٹی،۲۰۰۸ء

۱۴۵۔ کلثوم سلیم۔متونِ اقبال میں رسولِ آخرالزمان حضرت محمد کا تذکرہ تحقیقی وتوضیحی مطالعہ۔اسلام

آباد:اوپن یونیورسٹی۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی:عبدالحمید یزدانی]

۱۴۶۔ کوثر اظہار۔(اقبال اور) حسرت موہانی کے لسانی وسیاسی نظریات کا تحقیقی مطالعہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:نثاراحمد قریشی]

۱۴۷۔ گل زرینہ آفتاب۔بانگ درا،حصّہ اول،حواشی وتعلیقات۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۳ء۔[زیرنگرانی:محمد ریاض]

۱۴۸۔ لبنیٰ کوثر۔اقبال اورقرآن کے موضوع پرلکھی جانے والی کتب کا جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۱۴۹۔ مسرت شاہین۔(ڈاکٹر علامہ اقبال اور) رشید احمد صدیقی کے ذہنی وفکری روابط۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۶ء۔[ریرنگرانی:محمودالرحمٰن]

۱۵۰۔ مصباح شاہین۔(اقبال اور) عاکف۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:جلال سوئیدن]

۱۵۱۔ مصباح شیریں۔جدید ترکی کے اساسی خدوخال،فکراقبال کی روشنی میں:ایک توضیحی مطالعہ۲۰۱۷ء۔[زیرنگرانی:پروفیسر ڈاکٹر انواراحمد]

۱۵۲۔ ملکہ ریحانہ۔(ڈاکٹر) افتخار احمد صدیقی بحیثیت اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۴ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۱۵۳۔ مسرت امیر۔افکارِاقبال اورغلامی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر فتح محمد ملک]

۱۵۴۔ مسرت پروین نیلم۔اردوشعرااوراقبال۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۴ء۔[زیرنگرانی:محمد ریاض]

۱۵۵۔ منیبہ صائمہ۔اقبال کا تصورحیا۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۹ء۔[ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی]

۱۵۶۔ میمونہ ناز۔حیاتِ اقبال:تحقیقی وتنقیدی جائزہ۔ملتان:بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔[زیر نگرانی:ڈاکٹر روبینہ ترین]

۱۵۷۔ ناہید گل۔اقبال اوروجودیت۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۶ء۔[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۱۵۸۔ نائلہ ارم نیازی۔چراغ حسن حسرت کی اقبال شناسی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیر نگرانی:طیب منیر]

۱۵۹۔ نائلہ کوثر۔اقبال (از عطیہ بیگم) کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیر نگرانی:شاہد اقبال کامران]

۱۶۰۔ نبیلہ سجاد۔غالب اور اقبال کے فکری روابط۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۱۶۱۔ نذیرہ بیگم۔(ڈاکٹر) رحیم بخش شاہین بطور اقبال شناس۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔[زیر نگرانی:صدیق شبلی]

۱۶۲۔ نجمہ پروین۔علامہ اقبال اور فنونِ لطیفہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۷ء۔[زیرنگرانی:اسلم ضیاءالدین]

۱۶۳۔ نجمہ شاہین۔(مسلم کانفرنس کا) خطبہ صدارت (مقدمہ،حواشی وتعلیقات،خطبے کا تجزیہ)۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:صدیق شبلی]

۱۶۴۔ نجیبہ ظفر۔بالِ جبریل کی غزلیات،رباعیات،قطعات پر محققانہ حواشی وتعلیقات۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۱۹۹۴ء۔[زیرنگرانی:ڈاکٹر صدیق]

۱۶۵۔ نسیم عباس۔قرۃالعین حیدر پر علامہ اقبال کے اثرات کا جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی:اسلم انصاری]

۱۶۶۔ نسیمہ مسعود۔فقیر وحیدالدین کی اقبال شناسی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۲ء۔[زیرنگرانی:محمودالرحمٰن]

۱۶۷۔ نصرت آرا۔(پروفیسر) آل احمد سرسور کی اقبال شناسی ایک مطالعہ۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۲۰۰۵ء۔[زیرنگرانی:تسکینہ فاضل]

۱۶۸۔ نصرت بانو اندرابی۔حالی،اور اکبر کی پیامی شاعری کا تقابلی جائزہ۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۴ء۔[زیرنگرانی:آل احمد سرور]

۱۶۹۔ نگہت پروین۔پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق مع مسافر فکری وفنی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی ۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی:محمد اکرام]

۱۷۰۔ نیلم ملک۔چودھری رحمت علی اور علامہ اقبال کے تصورِ پاکستان کا تقابلی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی:وحید عشرت]

۱۷۱۔ ہما گل۔اسلامی انقلاب کے بعد ایران میں اقبالیات کے جدید رجحانات۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔[زیرنگرانی:محمد سلیم]

۱۷۲۔ یاسمین اقبال بٹ۔کلامِ اقبال اُردو کے کردار :ایک تحقیقی جائزہ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء،[زیرنگرانی:محمد آصف اعوان]

مقالات پی ایچ۔ڈی

۱۔ ارشد خانم ،''اقبال کے تصورات فنون لطیفہ ،جنوبی ایشیا کے معاشرتی تناظر میں''،نگران ،انوار احمد، ملتان، بہاؤالدین زکریا، ۲۰۰۷ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر انوار احمد]

۲۔ بشریٰ شریف۔خطبات اقبال کے اُردو تراجم و توضیحات کا تحقیقی مطالعہ۔لاہور: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، ۲۰۰۹-۱۲ء

۳۔ بشریٰ لطیف۔اقبال اور فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید (جنوبی ایشیا ہند میں ہند اسلامی فکر کا ارتقاء اور فکرِ اقبال کی معنویت)، کراچی: س ن۔[زیرنگرانی: یونس حسنی]

۴۔ بیگم فردوس جہاں۔اقبال کی شاعری۔دہلی: دہلی یونیورسٹی،۱۹۸۳ء۔[زیرنگرانی: عبدالحق]

۵۔ پروین فیروز حسن۔"The political philosophy of iqbal"لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۷ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر منیرالدین چغتائی]

۶۔ پری بانو مسز۔اقبال کی شاعری میں ارضی مقامات کی اہمیّت و معنویت (اُردو کلام کی روشنی میں)۱۹۹۲ء [زیرنگرانی: آفاق احمد]

۷۔ جمیلہ خاتون۔ 'The place of God ,man and universe in the philosophy system of iqbal" علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی۔[زیرنگرانی: ایم۔ایم اشرف، ایم عمرالدین]

۸۔ حامدہ مسعود بیگم۔اُردو میں نظریہ شاعری: ولی سے اقبال تک۔علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۹۔ خالدہ منیر۔"Islam as a moral and political ideal" مطالعہ متن و ترجمہ ،حواشی و تعلیقات۔اسلام آباد اوپن یونیورسٹی۔۲۰۰۳ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار]

۱۰۔ رافعہ وانی۔(پروفیسر) جگن ناتھ آزاد کی اقبال شناسی۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی، س ن۔[بشیر احمد نحوی]

۱۱۔ رفعت حسن۔ "an analysis of the philosophical ideas and works of iqbal" انگلستان: ڈرہم یونیورسٹی، ۱۹۶۸ء۔

۱۲۔ رفعت علی خاں۔اقبال کا ذہنی ارتقاء۔حیدرآباد: سندھ یونیورسٹی۔

۱۳۔ شاہدہ یوسف۔اقبال اور ٹی۔ایس۔ایلیٹ۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹر عبدالمغنی]

۱۴۔ شگفتہ بیگم "Iqbal and reconstruction of islamic thought"۔لاہور : پنجاب یونیورسٹی،۲۰۰۲ء۔[زیرنگرانی:عبدالخالق]

۱۵۔ شہنازاختر۔اقبال کےفکروفن کےسماجی اورثقافتی رشتے۔دہلی: دہلی یونیورسٹی،س ن۔

۱۶۔ شہناز اقبال قریشی۔"The concept of time and iqbal :A study"۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی،س ن۔[زیرنگرانی:بشیراحمدنحوی]

۱۷۔ صغریٰ بی بی۔اقبال پر قادیانیوں کی تنقید۔۔۔ایک تحقیقی جائزہ۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹرایس ایم منہاج الدین]

۱۸۔ صورت جہاں۔اقبال بحثیت شاعرِفطرت۔سری نگر:کشمیریونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔[زیرنگرانی:محمدامین اندرابی]

۱۹۔ عابدہ خانم۔فارسی مثنوی گوئی میں اقبال کا مقام۔اسلام آباد: اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۳ء ۔[زیر نگرانی: ڈاکٹرخواجہ حمید یزدانی]

۲۰۔ عابدہ مبشر۔فارسی مثنوی گوئی میں اقبال کا مقام۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۱ء۔[زیرنگرانی:عبدا لحمید یزدانی]

۲۱۔ عروبہ مسرور۔کلام اقبال میں مابعدالطبیعیاتی وصوفیانہ عناصر۔لاہور:اورینٹل کالج،پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء۔۲۰۱۲ء۔[زیرنگرانی: ڈاکٹربصیرہ عنبرین]

۲۲۔ عظمیٰ قاضی۔ "The concept of freedom in allama iqbal,s reconstruction and poetry in the context of modernity in islam in the wake of british imperialisim"البرٹا:س ن۔[زیرنگرانی: جوناتھن ہارٹ]

۲۳۔ فردوس جہاں۔شعراقبال کاسیاسی اورسماجی مطالعہ۔دہلی: دہلی یونیورسٹی،۱۹۸۴ء۔[زیرنگرانی:عبدالحق]

۲۴۔ فرزانہ رضوی۔اقبال کےاردوکلام کی شرحوں کا تجزیاتی مطالعہ۔نگران،س ن۔[زیرنگرانی: آفاق احمد]

۲۵۔ فرزانہ ماجد۔فارسی کے مشہور اسالیب اور علامہ اقبال کا فارسی شعری اسلوب۔اسلام آباد :اوپن یونیورسٹی،۲۰۰۰ء۔[زیرنگرانی:کلثوم راج]

۲۶۔ فہمیدہ بیگم۔اقبال کی شاعری میں ہندوستانی تصور۔کلکتہ:۱۹۸۹ء۔

۲۷۔ فریدہ بانو۔اقبال اورکشمیر۔سری نگر: کشمیر یونیورسٹی،۱۹۸۴ء۔

۲۸۔ قمر جہاں۔اقبال پرقرآن کااثر،جبل پور:جبل پور یونیورسٹی۔

۲۹۔ قمر سلطانہ۔فلسفہ اقبال،تصوریت سے منطقی اثباتیت تک۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،۲۰۱۵ء۔[زیر نگرانی:پروفیسر ڈاکٹر شاہد اقبال کامران]

۳۰۔ مسرت پروین نیلم۔ملوکیت اقبال کی نظر میں۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔[زیر نگرانی: گوہر نوشاہی]

۳۱۔ ملکہ ریحانہ۔علامہ اقبال کی خدمات بحیثیت رکن پنجاب اسمبلی۔لاہور:اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء۔۲۰۱۰ء۔[زیر نگرانی:ڈاکٹر ورنگ زیب عالمگیر]

۳۲۔ ناصرہ بیگم۔مغربی تہذیب:اقبال اور اکبر کی نظر میں۔ون کٹیشور:س ن[زیر نگرانی:رضی الدین احمد]

۳۳۔ ناہید سلطانہ۔کلامِ اقبال میں اعلام واماکن کی فکری اہمیّت۔لاہور:پنجاب یونیورسٹی،1979ء۔[زیر نگرانی:افتخار احمد صدیقی]

۳۴۔ نزہت جبین۔سندھی زبان میں اقبال شناسی۔اسلام آباد:اوپن یونیورسٹی،س ن۔[زیر نگرانی:آفاق صدیقی]

۳۵۔ نصرت بانو اندرابی۔حالی،اکبراور اقبال کی پیامی شاعری کا تقابلی مطالعہ۔سری نگر:کشمیر یونیورسٹی، ۱۹۸۰ء۔[زیر نگرانی:آل احمد سرور]

۳۶۔ نور فاطمہ۔ہندوستان میں آزادی کے بعد اقبال کی تنقید۔علی گڑھ:مسلم یونیورسٹی،س ن۔[زیر نگرانی: محمد ہاشم]

مقالات ڈی لٹ

۱۔ مسز آصفہ زمانی،ڈاکٹر۔ "Dr .sir Muhammad iqbal and his persion poetry Acritical survey ' -لکھنو:لکھنو یونیورسٹی،(فارسی)

برصغیر کی حدود سے باہر اس کے اہم مراکز مغرب میں انگلستان، جرمنی،فرانس وغیرہ ہیں جبکہ روس(سابقہ سوویت یونین)میں بھی اقبال شناسی اور عالم اسلام میں مصر،ترکی افغانستان اور ایران میں اعلیٰ پایہ کا تحقیقی وتشریحی کام ہوا۔ بھارت اور پاکستان میں اقبال شناسی کو موضوع بناتے ہوئے اس کی متنوع جہات اور رجحانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اقبال شناسی میں خواتین کا حصّہ ایک وسیع موضوع ہے اقبال شناس خواتین نے ہر زبان میں طبع آزمائی کر کے اقبالیات کے دامن کو مالا مال کیا ہے۔اقبال شناس خواتین کی تحقیقی وتنقیدی اور مرتبہ کتب جو

خصوصاً بھارت، پاکستان اور دیگر ممالک سے شائع ہو چکی ہیں لیکن ان کتب تک رسائی ممکن نہیں تھی اس لیے الفبائی ترتیب کی شکل میں اُن کتب کی فہرست ذیل میں درج کی گئی ہے۔تا کہ فکرِ اقبال کا کوئی بھی پہلو نظروں سے اوجھل نہ ہو سکے۔

۱۔ آمنہ صدیقہ، داستان اقبال، لاہور، القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۵ء

Muhammad Iqbal:(Hayati-Fikrleri -Eserleri)Uyan, Ihsan Eliack
[ترکی]، استنبول، انشا پبلی کیشنز ،۲۰۰۶ء

۳۔ ارشد خانم، علامہ اقبال کے تصورات فنون لطیفہ: ایک محاکمہ، ملتان، بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء

۴۔ ایچ سی ہلر۲۲۸باسط بلال کوشل؟؟؟، Muhaamad Iqbal, Essays on the reconstruction……، ایڈنبرا یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۷ء

۵۔ این میری شمل، Gabriel,s wing، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۹ء

۶۔ این میری شمل، Gabriel,s wing، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء

۷۔ بصیرہ عنبرین، ڈاکٹر، اقبال اور وجودِ زن، لاہور، سرائے غزنی سٹریٹ اردو بازار، ۲۰۱۹ء

۸۔ بصیرہ عنبرین، ڈاکٹر، مقائسہ ''ارمغان حجاز،، فارسی، لاہور، بزم اقبال، ۲۰۰۷ء

۹۔ بیگم صفیہ اسحاق، عالم اسلام کا عظیم فرزند، علامہ محمد اقبال، لاہور، ارمغان حجاز فاؤنڈیشن، ۲۰۱۱ء

۱۰۔ تسکینہ فاضل، اقبال اوران کے معاصر شعرا اور ادبا، سری نگر، فاضل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء

۱۱۔ تسکینہ فاضل، اقبال اور مطالعات اقبال، سری نگر، فاضل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء

۱۲۔ تسکینہ فاضل، اقبال کے نقش ہائے رنگارنگ، سری نگر، فاضل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء

۱۳۔ تسکینہ فاضل(مرتب)، اقبال اور عظمت آدم، سری نگر، اقبال انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۳ء

۱۴۔ تسکینہ فاضل(مرتب)، جادونوا اقبال، سری نگر، اقبال انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۴ء

۱۵۔ تسکینہ فاضل(مرتب)، فکر وفن اقبال کے چند پہلو، عصر حاضر کے حوالے سے، سری نگر، اقبال انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۲ء

۱۶۔ جاوید اقبال، جسٹس (ر)، Encounters With --- [اپنا گریباں چاک] (مترجم: حفیظ ملک + ناصرہ اقبال)، کراچی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۶ء

۱۷۔ جودت کلیچ (Bir Turk dostu ve mevlane hayrani Muhammad ,(Cevdet

kilic)Ikbal[ترکی]،انقرہ،فجر پبلی کیشنز،۲۰۱۴ء

۱۸۔ دل ربا بش،عبدالوہاب عزام بحیثیت اقبال شناس،سری نگر،اقبال انسٹی ٹیوٹ،۲۰۱۱ء

۱۹۔ رابعہ سرفراز،اقبال کا شعری اسلوب،اسلام آباد،ادارہ فروغ قومی زبان،۲۰۱۲ء

۲۰۔ رشدی قدسیہ،''ساقی نامہ،کا تجزیاتی مطالعہ،نئی دہلی،الف بیٹ پبلشرز،۲۰۱۱ء

۲۱۔ رفعت ناہید،تصریحات فکر اقبال،۔۔۔،امریکا،۲۰۱۲ء

۲۲۔ رفعت ناہید،دبستان فکر اقبال۔۔۔۔،امریکا،۱۲۰۵ء

۲۳۔ رئیسہ پروین،بیسویں صدی کی اردو نظم پر اقبال کے اثرات،لاہور،دارالشعور،۲۰۱۵ء

۲۴۔ زاہو چوآن بین؟؟؟۔۔۔۔۔۔۔۔؟؟؟ چینی زبان میں،کان سو،لانزائیو یونیورسٹی آف چائنا،۲۰۱۵ء

۲۵۔ زمرد کوثر،اقبال،اقبالیاتی ادب میں[آغاز تا۱۹۴۷ء]،فیصل آباد،مثال پبلشرز،۲۰۱۶ء

۲۶۔ زیب النساء کاظمی،خضر راہ،علی گڑھ،کتاب گھر،س ن

۲۷۔ سبینہ خان،Life after iqbal،پیٹر برگ،فاسٹ پرنٹ پبلشنگ،۲۰۱۶ء

۲۸۔ سلمٰی یاسین نجمی،نوائے سحر،راولپنڈی،مکتبہ عفت،۲۰۰۸ء

۲۹۔ سمیہ شاہد،اسرار خودی،وضاحتی کتابیات،لاہور،الفیصل،۲۰۱۵ء

۳۰۔ شازیہ گل،ڈاکٹر سید تقی عابدی،نئی دہلی،ایم آر پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء

۳۱۔ شائستہ حمید خاں،اقبال شناسائی،لاہور،نذیر سنز پبلشرز،۲۰۱۳ء

۳۲۔ شکیلہ بانو،ڈاکٹر،حیات اقبال،خطوط کی روشنی میں،نئی دہلی،الائیڈ بکس،۲۰۱۶ء

۳۳۔ شگفتہ بیگم+علی رضا طاہر(مرتبین)،خطبات بیاد اقبال،لاہور،پنجاب یونیورسٹی،۲۰۱۶ء

۳۴۔ شمل،این میری،[Dzibrilivo Krilo [Gabriel,s wing کا بوسنوی ترجمہ]،سراجیو،القلم،
۲۰۱۳ء

۳۵۔ شمل،ڈاکٹر این میری،روح جبریل (مترجم:نعیم اللہ ملک) [Gabriel,s wing کا ترجمہ]،لاہور،ابوذر پبلی کیشنز،۲۰۱۵ء

۳۶۔ شمیم احمد،فکر اقبال کے نثری ماخذ،شمیم احمد،دہلی،۲۰۰۶ء

۳۷۔ شیریں زباں خانم،ڈاکٹر،حافظ اور اقبال،نئی دہلی،ایم آر پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء

۳۸۔ صائمہ بٹ ۲۲۸سمیرا بٹ،علامہ اقبال کوئز[،کوئز کتب]،لاہور،تخلیقات،۲۰۱۴ء

۳۹۔ عالیہ سلیم نوشاہی، Westland and javid Namah، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵

۴۰۔ عطیہ بیگم رحمین [عطیہ فیضی]، زمانۂ تحصیل (مرتب: محمد یامین عثمان): [خود نوشت مع تذکرہ اقبال]، کراچی، ادارہ یادگار غالب، 2010ء

۴۱۔ عطیہ سید، پروفیسر ڈاکٹر، Iqbal's Guidlines for the character building......، لاہور، سنگ میل، ۲۰۱۷ء

۴۲۔ فارحہ جمشید، فتح محمد ملک بطور اقبال شناس، ملتان، سخن ورفورم، ۲۰۱۲ء

۴۳۔ فرحت زیبا، ڈاکٹر، اقبال کی وطنی شاعری کی معنویت، ایک تنقیدی مطالعہ، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۶ء

۴۴۔ فردوس جہاں، شعر اقبال کا سیاسی اور تہذیبی مطالعہ، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۲۰۱۱ء

۴۵۔ فرزانہ چیمہ، ہمارے علامہ محمد اقبال، لاہور، ادارہ مطبوعات سلیمانی، ۲۰۰۹ء

۴۶۔ فرزانہ یاسمین، اقبال کی باتیں، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۸

۴۷۔ گیتا دھرم پال فرک + علی عثمان قاسمی + کاتیا روسٹر (مرتبین)، Revisioning Iqbal، درو پدی ورلج، ہائیڈل برگ ۲۰۱۰ء

۴۸۔ گیتا دھرم پال فرک + علی عثمان قاسمی + کاتیا روسٹر (مرتبین)، Revisioning Iqbal، کراچی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء

۴۹۔ مریم شعبان زادہ (مرتب) موج ز خود رستہ (جلد اول الف۔ص)، زاہدان، دانش گاہ سیستان و بلوچستان، ۱۳۸۸

۵۰۔ مستنصر میر، IKBAL: Velikan ,,,, (مترجم: زینت کارچ؟؟؟ Dzenite Karic): سراجیو، القلم، ۲۰۰۸ء

۵۱۔ مستنصر میر، Iqbal [اقبال] (مترجم: ویتوسالیرنو؟؟؟): [Iqbal کا اڑیا میں ترجمہ]، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۰ء

۵۲۔ مشعل سلطان پوری، تعلیقات اقبال، سری نگر، میزان پبلشرز، ۲۰۰۹ء

۵۳۔ نصرت شمسی، تحفۂ اقبال برائے اطفال، رام پور، نصرت شمسی، ۲۰۱۴ء

۵۴۔ نغمہ زیدی، مطالعہ افکار اقبال، لاہور، مطبع کرسٹل پیک، ۲۰۱۴ء

۵۵۔ نگار سجاد ظہیر، اقبال اور مسلم اندلس، کراچی، قرطاس، ۲۰۱۷ء

۵۶۔ ویتوسالیرنو، Iqbal and italy، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۲ء

اقبال ایک عظیم شاعر، فلسفی، مبصر، ناقد اور مصلح تھے۔ ان کی طبیعت کی وسعت اور ہمہ گیری کئی رنگ میں جلوہ گر ہوئی۔ انہوں نے ایک طرف تو شعر وسخن میں نئی راہیں نکالیں، دوسری طرف فلسفے میں نئی راہیں قائم کیں۔ اقبال اُردو اور فارسی ادب کے اتنے بڑے ستون ہیں کہ آج بھی ہماری ادبی عمارت انہی کے سہارے کھڑی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اُردو اور فارسی ادب سے صرف ایک نام نکال لیا جائے تو شاید پورا ادب دیوالیہ ہو جائے۔ کیونکہ ہم ابھی تک ان کے تصورات وافکار سے آگے نہیں جا سکیا ور ابھی نہ جانے کتنا عرصہ ہمارے اخلاق وادب کو انہی کے فن کی قندیلیں لے کر اپنا راستہ تلاش کرنا پڑے گا اور ان کی عظمت کی ہمہ گیریت کو پرانا کرنے کے لیے کتنے قرن تک زمانے کو وقت کا پہیہ گردش میں رکھنا پڑے گا؟ اقبال جس نے پوری اردو اور فارسی شاعری کا دھارا بدل کے رکھ دیا، اسلامی فکر کو بامِ عروج تک پہنچا دیا، مغربی فلسفے کی بنیادیں ہلا دیں، مسلمانوں میں ایک زبردست سیاسی واخلاقی شعور واحساس بیدار کیا۔ غرضیکہ آل راؤنڈر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، حب الوطنی، اسلامی فلسفے اور فارسی اور اُردو شاعری کو انتہائی رفعتوں سے آشنا کر کیہمہ جہتی، ہمہ گیری اور ہما ہمی کا ثبوت دیا ہے۔

حوالہ جات

1۔شاہد احمد دہلوی،''پاکستان کے ادبی رسائل'' ماہنامہ کتاب، جلد نمبر 1، 1967ء، ص9،8
2۔حسن اکبر کمال، تہذیبی صورت حال اور ادبی رسائل مشمولہ،''نگار''، کراچی، مئی 1999ء ص79
3۔صہبا لکھنوی، ادبی ماہناموں کے مسائل مشمولہ''افکار'' کراچی، ستمبر 2000ء ص10
4۔انور سدید، ڈاکٹر، ماہنامہ افکار کا ایک سال مشمولہ''افکار'' کراچی، مئی 1989ء ص27
5۔شگفتہ حسین، ماہنامہ ادب لطیف کی ادبی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص5
6۔محمد عبداللہ قریشی،''ادبی دنیا کی سرگزشت''، صحیفہ، لاہور مارچ 1982
7۔ابوالخیر کشفی، اردو ادب کے دو تنقیدی جائزے، اردو اکیڈمی سندھ، 1963ء، ص100
8۔انٹرویو ادیب سہیل، مدیر قومی زبان، بمقام انجمن ترقی کراچی، مورخہ 17 جون 1999ء
9۔انور سدید، ڈاکٹر پکستان میں ادبی رسائل کی تاریخ، ص189
10۔حرف آغاز، شمارہ، 5 دسمبر 1964ء ص3
11۔ماہنامہ ماہ نو کراچی، استقلال نمبر، اگست 1952ء ص5
12۔ڈاکٹر عبدالاسلام خورشید، صحافت پاکستان و ہند میں، لاہور: مجلس ترقی ادب، لاہور، ص502
13۔حکیم یوسف خان، پیش لفظ، اقبال نمبر، طبع اول 1932ء
14۔حکیم احمد شجاع،''لاہور کی پرانی ادبی مجلسیں''، مشمولہ''ساقی'' کراچی، 1955ء، ص130

مجموعی جائزہ

مشرق ہو یا مغرب آج دنیائے علم و ادب اور فکر ونظر کے جہاں میں ''اقبالیات'' کی مخصوص اصطلاح درخشاں دکھائی دیتی ہے جو برصغیر پاک و ہند کے عظیم ،شاعراور فلسفی ڈاکٹر علامہ اقبال کے نظریات وافکاراور فکرو سخن کی علامت بن چکی ہے۔ یہ نام دنیا کے ہر طبقے کے لیے تفکر وتدبر کا سامان پیش کرتا ہےاور دعوت عام دیتا ہے کہ میرا کلام پڑھواور میری فکر کو جانو کہ اسی میں تمہاری منزل کا راستہ موجود ہے۔اقبال ان شاعروں میں سے ہیں جن کی شاعری کی بدولت مسلمانوں کو نیا شعور حاصل ہوا۔اقبال نے اپنی شاعری سے دنیا کو نئی آ گاہی اور مسلمانوں کو بدلتی ہوئی اقدار کا شعور عطا کیا۔ وہ ایک ملی راہنما ہیں۔انہوں نے اپنی شاعری میں مسلمانوں کو اپنی تہذیب سے وابستہ رہنے اور مغربی تہذیب کی خوبیوں کو اپنانے کا درس دیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک مقصدی شاعرا ورفلاسفر تھے جو اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی چاہتے تھے۔وہ مسلمانوں کو غلامی کے دور سے نکالنا چاہتے تھے جس کو وہ اپنا مقدر سمجھ بیٹھے تھے۔اقبال نے مسلمانوں کے مسائل کو سمجھا اور پھر ایک فلسفی شاعر کی حیثیت سے اپنی شاعری میں ان کو بیان کیا۔اقبال کی شاعری میں بہت اہم کردار ان کی فکر کا ہے۔ان کی شاعری کی شاعرانہ عظمت کو تب تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک ان کے فکری ارتقا کو نہ دیکھا جائے۔

اقبال کے افکار ونظریات وتجربات سے استفادہ کرتے ہیں کہ انہوں نے زندگی کی بنیادی حقیقتوں کو ان کے اصل مآ خذ سے کشید کر کے ہمارے سامنے پیش کیا۔ یہ مقلد ہونے کے باوجود مجتہد تھے،انہوں نے زمانے کے مسائل اور تقاضوں کو بڑے قریب اور بصیرت کی نظروں سے دیکھا تھا اور پھر اظہار بیان کے اتنے دلکش پیرائے اختیار کیے کہ ان کے الہامی فرمودات زمان ومکان کی حدوں سے ماورا ہو گئے اور آنے والے تخلیق نگاروں کے لیے روشن مینار کی حیثیت اختیار کر گئے۔آج تک ان کے اشعار اور نظمیں پڑھی جا رہی ہیں۔بیسوں طرحی مشاعروں میں انہی کے مصرعوں پر مختلف انداز میں گرہیں لگائی جاتی رہیں۔اُردو ادب میں بڑے بڑے شاعروں ادیبوں کی بے شمار کتابیں ایسی ہیں جن کے نام اقبال کی تراکیب اور مصرعوں پر رکھے گئے۔ایسے مذاکروں اور مباحثوں کی تعداد تو ہزاروں میں ہوگی جن کا موضوع اقبال ہی کا کوئی مصرع یا شعر تھا۔ہمارے اکثر مزاح نگاروں

نے ان کی فلسفیانہ برجستگی اور کاٹ دار طنز سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے کلام و اسلوب کی پیروڈیوں سے اپنے انداز میں کاروبارِ ادب چمکایا۔ حد یہ ہے کہ کسی دینی عالم کی تقریر یا کسی سیاست دان کا منشور بھی ان کے کلام کا سہارا لیے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

اقبال اُردو ادب کا ایک ایسا موضوع ہے جو لگاتار زیر بحث ہے اور رہے گا۔ اقبال نے اپنے قیمتی اور مجتہدانہ آہنگ و اسلوب سے علم و ادب کے شائقین کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ان کی شاعری کی بالیدگی اور نشو و نما کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ان کے قدر شناسوں، معتقدوں اور مداحوں کا حلقہ بھی بڑھتا گیا اور یہ حلقہ روز بروز وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

یوں تو اقبال کے کلام اور افکار پر کام ان کی حیات میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال کی حیات میں بہت سے لوگوں نے اقبال کے فکر اور فلسفے کو سمجھنے اور پرکھنے کے کوشش کی بلکہ اقبال کے افکار اور اشعار کا پرچار بھی۔ یوں یہ لوگ اقبال شناس کہلائے۔ اس حوالے سے ان کی کاوشیں اہم اور قابل تحسین ہیں۔

اقبال شناسی کے وسیع اور بے کراں سمندر میں جہاں مرد حضرات کو شناوری کا فخر حاصل ہے وہاں خواتین بھی اس میدان میں کسی طرح ان سے کم نہیں ہیں۔ اقبال شناس خواتین نے جس محنت، لگن اور جوش و جذبے کے ساتھ اقبالیاتی تحقیق میں حصّہ لیا وہ نہ صرف قابل داد ہے بلکہ قابلِ رشک بھی ہے۔ کیونکہ تحقیق کا عمل ایک نہایت ہی سنجیدہ عمل ہے اور پھر اقبال جیسے عظیم شاعر پر تحقیق کرنا دیگر شعراء ادباء کے مقابلے میں کافی حد تک مختلف ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال شناس خواتین اس میدان میں بھی کامیاب نظر آتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبالیاتی تحقیق کی تاریخ ان خواتین محققوں کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اقبال شناس خواتین نے تحقیقی و تنقیدی کتب، تحقیقی مقالات، رسائل و جرائد اور اخبارات میں اقبالیاتی تحریریں پیش کیں اور ثابت کیا کہ وہ اقبال شناسی میں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ اقبالیات پر اقبال شناس خواتین کے مقالات اور مضامین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے بیشتر مختلف کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اقبال شناس خواتین نے اقبال شناسی کے فروغ کو اپنی زندگی کا مشن سمجھا اور اس بلند پایہ شاعر اور فلسفی کو نہ صرف خراج عقیدت پیش کیا بلکہ دل کش نثر کے ذریعے اقبال کی شخصیت، شاعری، فلسفہ اور پیغام کو عوام تک پہنچایا۔ اقبال شناس خواتین نے بہت محنت اور جانفشانی سے لکھا اور اُردو ادب کی تاریخ میں اقبال کی عظمت کو بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔

اقبال شناسی میں خواتین کا حصّہ ایک وسیع موضوع ہے۔ اقبال شناس خواتین نے مختلف پہلوؤں سے اقبال

کی سوانح عمری پر جو کام کیا اور شاعر مشرق پر جو تحقیقی وتنقیدی کتب تحریر کیں ان کو منظر عام پر لانے کی ضرورت تھی تا کہ اقبال شناسی کے میدان میں خواتین کی خدمات کونظرانداز نہ کیا جا سکے۔اقبال کی زندگی اور کلام کے غیر واضح گوشوں کو روشن کرنے کیلیے اندرون و بیرون ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں اقبال پر لیکچر دیئے۔غرض کہ اقبال کے پیغام اور فکروفن پر تقریروں اور مقالوں کے ذریعے مشرق کے اس مایہ ناز مفکر کو متعارف کرانے اور مقبول بنانے میں انہوں نے جو جہاد کیا ہے اس کا ذکر تحصیل حاصل سے زیادہ نہیں۔اقبال شناس خواتین نے جس مہارت سے اقبال اور اقبالیات کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لیا اس کی مثال اُردو ادب میں نہیں ملتی۔اقبال کی شاعری،افکار اور فلسفیانہ خیالات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے اقبال شناس خواتین کی تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے۔انہوں نے اقبال اور اقبالیات کے ان پہلوؤں کو بھی واضح کیا جو اب تک لوگوں کی نظر سے اوجھل تھے۔اقبال شناس خواتین نے جس انداز میں اقبال اور اقبالیات سے محبت نبھائی،ان کا نام اُردو ادب کی کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جانا چاہیے۔

اقبال شناسی کے میدان میں ڈاکٹر پروین شوکت علی،ڈاکٹر نسرین اختر،بیگم ثاقبہ رحیم الدین،فرزانہ یاسمین ،ڈاکٹر شمیم ملک،زیب النساء بیگم،منزہ ماجد،شاہدہ یوسف،بصیرہ عنبرین،ڈاکٹر صغریٰ،زبیدہ جبیں،فریدہ الہیٰ،زیب النساء سرویا،عروبہ مسرور،شاہدہ رسول،شہناز پروین،عابدہ خاتون،ڈاکٹر اختر النساء اور ریحانہ کوثر جیسی شخصیات نے اپنی تصانیف کے توسط سے علامہ محمد اقبال کو عظیم شاعر و مفکر کے طور پر اجاگر کیا۔یہاں تک کہ ان سے متاثر ہو کر کئی طالبات نے کلام اقبال پر تحقیقی کام کیا۔

گلشن طارق نے اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے بجا طور پر نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اردو میں اقبال کا سرمایہ نظم و نثر کے کسی بھی ادیب یا شاعر سے کم نہیں اور اردو زبان کو علمی،تہذیبی،تخلیقی اور عالمگیر بنانے میں اقبال کا حصّہ تاریخی ہے۔فارحہ جمشید کے مطابق کلامِ اقبال میں معنویت اسلوب اور موضوعات کا جہاں آباد ہے۔۔ ہر ذی شعور انسان کے لیے اقبال کا پیغام ایک بہترین خزنیہ کا درجہ رکھتا ہے۔انہوں نے بچوں کو بھی اپنا پیغام دیا جس سے بچوں کے لیے بھی کلام اقبال میں ایک خاص پیغام موجود ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو یہ بچے ہمارا بہترین مستقبل ثابت ہو سکتے ہیں۔

اقبال شناسی کے حوالے سے کئی کتابیں مرتبہ بھی کی گئی۔ان مرتبہ کردہ تصانیف کو اقبالیات ایک اہم مقام حاصل ہے۔ان مرتبہ کردہ تصانیف میں زہرا معین،شمیم حیات سیال اور محمد حیات سیال،زیب النساء بیگم،اختر النساء،پاکیزہ صباء اور ڈاکٹر جمیلہ خاتون کی مرتبہ تصانیف بھی قابل ذکر ہیں۔انہوں نے اپنی تصانیف

میں کلام اقبال کے کئی اہم گوشوں کو بیان کیا۔ بلا شبہ یہ تصانیف اقبالیات کے حوالے سے یہ قیمتی سرمایہ ہیں۔

دنیا کے ہر طبقہ فکر سے تعلّق رکھنے والے لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں اقبال دانائے راز کو خراج تحسین و عقیدت پیش کیا ہے۔ خانم دوشیزہ پروانہ نوری نے تحریر کیا کہ اقبال اس زمانے کا رومی ہے مگر یہ زمانہ بلخی کے زمانے کی نسبت بدر جہا وسیع تر اور علمی، ادبی و سیاسی لحاظ سے پیچیدہ تر ہے۔

کسی فن پارے یا خیال کا دوسری زبان میں ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ پہلے اس زبان میں اس طرح کی اچھوتی اور منفرد چیز موجود نہیں۔ اور اب تک کلام اقبال کے بیسیوں زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے شعری پیکروں کو ''نقش چغتائی'' یا دیگر مصوروں کے ذریعے مجسم کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں، ان کے کلام کا بیشتر حصّہ مختلف مغنیوں کی آوازوں میں کیسٹوں کے فیتوں میں محفوظ بھی کیا جا چکا ہیاور اگر حساب کیا جائے تو تاحال جتنے ایڈیشن اور جتنی تعداد میں علامہ اقبال کے مجموعہ ہائے کلام شائع ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد کافی زیادہ ہے اور یہ چیز اردو ادب کے علمی ذخیرے کے قابل ستائش ہے۔

دیگر زبانوں کی اقبال شناس خواتین میں ڈاکٹر این میری شمل وہ واحد مستشرق خاتون ہیں جنہوں نے یورپین ہوتے ہوئے ''جاوید نامہ'' کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ کیا۔ اسی طرح ''جاوید نامہ'' کے کچھ حصّے اور مسجد قرطبہ وغیرہ کے منظوم تراجم بھی قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر شمل کو اقبال سے جو گہری عقیدت ہے اس کا اظہار محض تراجم سے ہی نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے فکر اقبال کی تشریح و توضیح پر جو گرانقدر مقالات قلمبند کیے ہیں۔ وہ قابل دید ہیں۔ ان میں موضوعات کے تنوع کے ساتھ فکر کی گہرائی بھی ملتی ہے۔ عطیہ بیگم نے ہائیڈل برگ (جرمنی) میں قیام کے دوران اقبال کی یادوں اور ان کے خطوط کو اپنی کتاب میں پیش کیا۔ جس کا اردو ترجمہ ضیاء الدین برنی نے کیا ہے۔ فرانسیسی خاتون مستشرق لوس کلوڈ میتخ نے اقبال کے فلسفیانہ تصورات کی توضیح میں کتاب لکھی جسے اس کی بے پناہ مقبولیت کی بنا پر انگریزی اردو میں ترجمہ کیا گیا۔ ''فکر اقبال کا تعارف' کے حوالے سے یہ کتاب اقبالیات میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔ کلام اقبال کے اشاریے میں زمرد محمود اور محمود الحسن کا اشاریہ نہ صرف ملکی بلکہ غیر ملکی اور بین الاقوامی محققین اور شارحین اقبال کے لیے معاون و مددگار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اقبال شناسی کے میدان میں جن خواتین نے نفرادی طور پر بہترین کام کیا ان میں ڈاکٹر این میری شمل، عطیہ فیضی، لوس کلوڈ میتخ اور ڈاکٹر جمیلہ خاتون وغیرہ کی اہمیّت کو تو تسلیم کر لیا گیا مگر بحیثیت مجموعی خواتین کے کام کو سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا۔۔ خواتین مستشرق اور اقبال شناس وہاں بین الاقوامی سطح پر خواتین مستشرق جیسے ڈاکٹر این میری شمل، (جرمن)، لوس کلوڈ میتخ (فرانسیسی)، ایل گورڈن پولنسکایا، نتالیا پری گارنیا (روسی اقبال شناس

خواتین)،ڈاکٹر ایوا میورووچ (پیرس)،ڈاکٹر بابرا مٹکاف (امریکہ)،ایم ٹی ستے پنٹیس (روسی)اور ڈاکٹر شیلا میکڈونف (کینڈا) کے نام نمایاں ہیں۔

دنیا میں عربی، فارسی، فرانسیسی، جرمن اور روسی زبان میں اقبال کی مقبولت اوران کے کلامِ اقبال کی اہمیّت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کلام اقبال کو اپنے لوگوں تک ترجمے کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ان کے ہاں اقبال کے افکار کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں مذہبی موضوعات کے بعد سب سے زیادہ تحقیق اقبال اور کلام اقبال پر ہورہی ہے اور ایک سروے کی رو سے اس موضوع پر دو ہزار صفحات روزانہ لکھے جارہے ہیں۔ایران، ترکی، مصر، افغانستان، بھارت، کشمیر، چین، جاپان، جرمنی، برطانیہ، امریکہ اور آٹھ آزاد روسی ریاستوں سمیت متعدد ممالک میں نہ صرف کلام اقبال کی تدریس وتراجم کا سلسلہ جاری ہے بلکہ ان میں اکثر ممالک کی جامعات میں اقبال چیر، قائم کی جاچکی ہے۔

اقبالیات کے حوالے سے دیگر زبانوں میں تحقیق میں اقبال شناس خواتین نے اہم کردار ادا کیا ہے۔انہوں نے کئی کتب تخلیق کیں اور اقبالیاتی سرمائے کو تقویت دی۔دیگر زبانوں کی اقبال شناس خواتین کی یہ کتب ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

رسائل وجرائد میں اقبال کی علمی، ادبی، فنی اور فکری خدمات پر اتنا مواد موجود ہے کہ ان کو یکجا کرنے کے بعد ایک قیمتی اور نادر خزانہ سامنے آئے گا، اگر ان کو یکجا نہیں کیا گیا تو نئی نسل ایک قیمتی دستاویز سے محروم رہ جائے گئی لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ بعض لائبریریوں میں کرم خوردگی، بوسیدگی اور شکستگی کی بنا پر ان کو ہاتھ لگانا بھی مشکل ہے۔فوٹو اسٹیٹ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ان کی تصویریں اتار کر کمپیوٹر پر منتقل کرنے کے باوجود کرم خوردہ عبارت کا متن پڑھنا ممکن نہیں اور انہیں محض قیاس کی بنا پر پُر کیا جاسکتا ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی جاری کردہ شعبہ اقبالیات سے ملنے والی فہرست کے مطابق ہندو پاکستان کے بیشتر رسائل اور جرائد پر علامہ اقبال کے حوالے سے ''مخزن''،''نیرنگ خیال''،''ہمایوں''،''فنون''،''نقوش''، ''اقبالیات''، ''اقبال''، ''قومی زبان''، ''صوفی''، ''پیغام آشنا''، رسالہ ''فیض الاسلام''،''خیابان''،''افکار معلم''، رسالہ ''العلم'' اور ''ادبی دنیا'' کی اقبال شناسی کا جائزہ لیا جاچکا ہے نیز اس کی فراہم کردہ فہرست کے مطابق ''خدابخش لائبریری جرنل''،''اوراق'' اور ''ماہ نو'' پر بھی اقبال شناسی کے ضمن میں تحقیقی، تجزیاتی اور توضیحی مطالعہ کا کام جاری ہے۔

جامعات میں خواتین کی اقبال شناسی کے ضمن میں خواتین کے اقبال شناسی کے حوالے سے کیے گئے غیر

مطبوعہ مقالات (ایم فل، پی ایچ، ڈی اور ڈی لٹ) کی شامل فہرست جو کہ ہنوز نامکمل ہے۔ان تمام مقالات کو اکھٹا کر کے ان کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لینے اور اقبال شناسی کے حوالے سے ان کی اہمیّت متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ اقبال کے فکر وفن پر جن خواتین اسکالروں نے کام کیا ان کی کافی بڑی تعداد موجود ہے۔ انہوں نیا قبالیات پر مقالات لکھے ان میں ارشد خانم، بشریٰ شریف، بشریٰ لطیف، بیگم فردوس جہاں، جمیلہ خاتون، خالدہ منیر، رفعت حسن، شاہدہ یوسف، شگفتہ بیگم، شہناز اختر، صورت جہاں، عابدہ مبشر، عروبہ مسرور، عظمیٰ قاضی، قمر جہاں، قمر سلطانہ، ملکہ ریحانہ، ناہید سلطانہ، نزہت جبین، نور فاطمہ کینام قابل ستائش ہیں۔

''غالب کا فکر وفن اور اقبال،''اقبال کی اُردو غزل کا تنقیدی مطالعہ''،''اقبال اور فنون لطیفہ''،''حالی اور اکبری پیامی شاعری کا تقابلی مطالعہ''،''اقبال اور کشمیر''،''مکا تیب اقبال کا تنقیدی مطالعہ''،''اقبال اور ہیومن ازم''،''اردو نظم میں اقبال کا کارنامہ''،''بانگ درا کی منظری نظمیں''،''اقبال بحثیت شاعر فطرت''،''مکا تیب اقبال کے ادبی پہلو''،''اقبال کی اردو شاعری میں تصور اخلاق۔ایک مطالعہ''،''میر غلام رسول نازکی کی شاعری پر اقبال کے اثرات۔ایک مطالعہ''،''اقبال کی اُردو شاعری میں پرندوں کی علامتی معنویت۔ایک مطالعہ''،''پروفیسر آل احمد سرور کی اقبال شناسی''،''پروفیسر عبدالمغنی کی اقبال شناسی۔ایک مطالعہ''،''پروفیسر اسلوب احمد انصاری کی اقبال شناسی۔ایک جائزہ''،''پروفیسر عبدالحق بحثیت اقبال شناس''،''عبدالوہاب اعزام بطور اقبال شناس۔ایک تحقیقی مطالعہ''اور''اقبال اور ملٹن ایک تقابلی مطالعہ'' قابل ذکر ہیں۔

جامعات میں خواتین کا تحقیقی کام بے شمار مقالات کی صورت میں موجود ہے جو کتابی صورت میں شائع نہ ہونے کے باعث ابھی تک منظر عام پر نہیں آ سکا۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے ہاں نہ تو تعلیمی ادارے تحقیقی و علمی مقالات کی اشاعت میں مالی مدد کرتے ہیں اور نہ ہی اشاعتی مرکز اس میں کوئی دلچسپی رکھتے ہیں۔لہٰذا خواتین کا جو بھی کام مطبوعہ شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے وہ ان کی شخصی و ذاتی تگ و دو کا نتیجہ ہے۔چوں کہ ہمارے معاشرے میں خواتین یہ تگ ودو بوجوہ زیادہ نہیں کر سکتیں۔اس لیے اقبالیات پر مبنی ان کا بیشتر کام مقالات کی صورت میں ہی مختلف جامعات کی لائبریریوں تک محدود ہے۔

اس مقالے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ خواتین اقبال شناسوں کا مرد حضرات کے کیے گئے کام کے ساتھ مقابلہ یا موازنہ کیا جائے یا خواتین کے کیے گئے ہر نوعیت اور ہر درجے کے کام کو خامیوں کے باوجود محض سراہا جائے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جس طرح باقی شعبہ ہائے زندگی اور اردو ادب میں خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں اس طرح اقبال شناسی کی دنیا میں بھی انہوں نے اب تک جو تحقیقی، تنقیدی یا علمی وفنی کام کیا ہے، وہ

مردوں کے تحقیقی وتنقیدی کام سے کسی طرح بھی کمتر درجے کا نہیں ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ بعض خواتین کے ہاتھوں سے ایسے اہم تحقیقی وتنقیدی کام سامنے آئے ہیں جن کی مثالیں اقبالیات میں بہت کم دکھائی دیتی ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر میں اقبالیات پر شائع شدہ چھوٹی بڑی کتابوں اور مجلّات کیخاص نمبروں کی تعداد دو ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ ان کئی ایڈیشن بھی شائع بھی چکے ہیں۔(ہزار ہا مضامین اس کے علاوہ ہیں) اس بحرِ ذخائر کا تقریباً تین چوتھائی حصّہ ''اقبالیاتِ پاکستان'' پر مشتمل ہے۔مطالعہ اقبال میں یہ پیش رفت حیرت انگیز ہے۔اس برق رفتاری اور فروغ پذیرائی کو علامہ اقبال کی طلسماتی شخصیت کا اعجاز سمجھنا چاہیے۔

اقبالیات کی روایت پر نظر ڈالیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس روایت کو آگے بڑھانےمیں خواتین اقبال شناسوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔متعدد خواتین اسکالروں نے اقبالیات میں ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہے۔

۱۹۷۷ء کو ''سالِ اقبال'' کے طور پر منایا گیا اس وقت سے لے اب تک اقبالیات پر بے شمار تصانیف ،مضامین اور مقالات لکھے گئے ان میں خواتین اقبال شناس نے اہم کردار ادا کیا۔ یہاں تک کہ نہ صرف ان کی خدمات کو ادبی حلقوں میں بلکہ زندگی کے مختلف شعبوں میں سراہا گیا۔جس کی وجہ سے علامہ اقبال کے افکار و خیالات کا چرچہ زبان زدعام ہونے لگا۔

یوم اقبال کے موقع پر ہر سال بہت سی کتابیں،مضامین ومقالات لکھے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز تواتر کے ساتھ جاری وساری ہے۔روز بروز اس میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہاں تک کہ ''اقبالیات'' نے ایک مستقل علمی شعبے کی شکل اختیار کر لی ہے۔درحقیقت ''اقبالیات'' کی حدود بہت وسیع ہے۔

اقبال شناس خواتین نے جس محنت ،لگن اور جوش وجذبے کے ساتھ اقبالیاتی تحقیق میں حصّہ لیا وہ نہ صرف قابل داد ہے بلکہ قابلِ رشک بھی ہے۔کیونکہ تحقیق کا عمل ایک نہایت ہی سنجیدہ عمل ہے۔اقبال شناس خواتین نے اس میدان میں بھی کامیاب نظر آتی ہیں۔بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کہ اقبالیاتی تحقیق میں ان خواتین نے اہم کردار ادا کیا اور اقبالیات کی تاریخ ان خواتین محققوں کے ذکر کے بغیر ادھوری رہے گی۔

کتابیات

۱۔آ منہ صدیقہ،داستان اقبال،لاہور،القمرانٹر پرائز زغزنی سٹریٹ اردو بازار،نومبر۲۰۰۲ء

۲۔اختر النساء ،اشاریہ سہ ماہی مجلّہ،اقبال،لاہور،بزم اقبال،فروری۱۹۹۴ء

۳۔اختر النساء ،ڈاکٹر،شروح کلامِ اقبال(تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)،لاہور،بزم اقبال،۲۰۱۵ء

۴۔اختر النساء ،اشاریہ اقبالیات،لاہور،اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۹۸ء

۵۔اختر النساء ،مرتبہ،علامہ اقبال اور زمیندار،لاہور،بزم اقبال،جون ۲۰۱۱ء

۶۔ارشد خانم،ڈاکٹر،علامہ اقبال اور شیخ عبدالماجد(قادیانی)،عقائد وافکار،لاہور،اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۱۰ء

۷۔اُم سلمہ،اقبال اور نذر الاسلام،لاہور،اقبال اکیڈمی پاکستان،۲۰۰۹ء

۸۔بصیرہ عنبرین،تضمینات اقبال،لاہور،فکشن ہاؤس،۲۰۰۲ء

۹۔بصیرہ عنبرین،ڈاکٹر،محسنات شعر اقبال(شعر اقبال میں علم بیان اور علم بدیع کے محاسن)،لاہور،بزم اقبال ۲۰۱۰ء

۱۰۔پاکیزہ صبا،مرتبہ،اقبال کا تجزیاتی مطالعہ،لاہور،نشریات،۲۰۱۸ء

۱۱۔پروین شوکت علی،ڈاکٹر،اقبال کا فلسفہ سیاست،لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۷۷ء

۱۲۔تسنیم کوثر،گیلانی ومصباح الحق صدیقی،مرتبین،علامہ اقبال(افکار وخیالات)،لاہور،فرحان پبلشرز،۱۹۸۳ء

۱۳۔ثاقبہ رحیم الدین،دائمی تحرک اور اجتہاد فکر وعمل کا شاعر،لاہور،اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۸۲ء

14-Jamila Khatoon Dr ''The place of God ,Man and universe in the philosophic system of iqbal'',iqbal acadmy pakistan lahore ,1961

۱۵۔ڈورلیس احمد،Iqbal as i knew him]کا ترجمہ[(مترجم قرۃ العین بخاری)،اقبال میری نظر میں،اسلام آباد،پورب اکادمی،اپریل ۲۰۰۷ء

۱۶۔رابعہ سرفراز،اقبال کا نظریۂ فن(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)،فیصل آباد،قرطاس،۱۲ اپریل ۲۰۰۶ء

۱۷۔روبینہ ترین وانوار احمد،ڈاکٹر،مرتبین،خطبات اقبال،ملتان،شعبہ اردو،بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی،جولائی ۲۰۰۳ء

۱۸۔رشیدہ ،آفتاب اقبال ، بیگم ،اقبال اور ان کے فرزند اکبر آفتاب اقبال ،کراچی ،فیروز سنز پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ ، اگست ۱۹۹۹ء

۱۹۔ریحانہ کوثر،اقبال جرمنی میں،لاہور،جمہوری پبلی کیشنز،۲۰۱۵ء

۲۰۔زبیدہ بیگم،اشاریہ کلام اقبال(اردو)،لاہور،الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار،اگست ۲۰۰۲ء

۲۱۔زبیدہ جبیں، پروفیسر محمد منور بطور اقبال شناس، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۶ء
۲۲۔زبیدہ رئیس، اخلاق اقبال، فیصل آباد، سیرت رائٹرز کلب، ۲۰۰۶ء
۲۳۔زمرد محمود الحسن، مرتبین، اقبالیات کا موضوعاتی تجزئی اشاریہ، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۶ء
۲۴۔زہرا معین، مرتبہ، عرفان اقبال از پروفیسر آل احمد سرور، لاہور تخلیق مرکز شاہ عالم مارکیٹ، ۱۹۷۷ء
۲۵۔زیب النساء بیگم، اقبال اور بچوں کا ادب، ۱۹۹۲ء
۲۶۔زیب النساء بیگم، مرتبہ، نگارشات اقبال، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۳ء
۲۷۔زیب النساء، اقبال کی اردو نثر ایک مطالعہ، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ء
۲۸۔زیب النساء سرویا، کلام اقبال میں انبیاء کرام کا تذکرہ، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۲ء
۲۹۔سلطانہ مہر، مولفہ، اقبال دور جدید کی آواز، کراچی، ادارہ تحریر، ۱۹۹۷ء
۳۰۔سیمیں لالیکا، ہمارا شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال، لاہور، دیا پبلی کیشنز، اکتوبر ۲۰۱۱ء
۳۱۔شاہدہ رسول، اقبال کا تصور کشف، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲ء
۳۲۔شاہدہ یوسف، پروفیسر، اقبال کا شعری و فکری مطالعہ، لاہور، نظریہ پاکستان اکادمی، ۱۹۹۹ء
۳۳۔شگفتہ زکریا، ڈاکٹر، مرتبہ، فکر و فن اقبال، لاہور، سنگت پبلشرز، جنوری ۲۰۰۴ء
۳۴۔شمل، این میری، ڈاکٹر، شہپر جبریل (مترجم ریاض الحق عباسی مولانا)، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۶۳ء
۳۵۔شیما مجید، اقبال از فیض، مرتبہ، لاہور، مکتبہ عالیہ ۱۹۸۹ء
۳۶۔شمیم حیات سیال، مرتبہ، اقبال بڑا اُپدیشک، لاہور، آئینہ ادب ۱۹۷۷ء
۳۷۔شمیم حیات و محمد حیات، سیال (مرتبین)، اقبال غیر مسلموں کی نظر میں، لاہور، مکتبہ شاہکار اردو بازار ۱۹۷۷ء
۳۸۔شمیم ملک، ڈاکٹر، اقبال کی قومی شاعری، لاہور، مقبول اکیڈمی ۱۹۸۴ء
۳۹۔شمیم ملک، مرتبہ، اقبال شناسی اور مجمل، لاہور، بزم اقبال، دسمبر ۱۹۸۸ء
۴۰۔شہناز پروین، پروفیسر، اقبال شناسی اور ماہنامہ نگار، نگارِ پاکستان، توضیحی و تجزیاتی مطالعہ ۱۹۲۲ء تا ۲۰۰۸ء، کراچی، ادارہ یادگار غالب ۲۰۱۴ء
۴۱۔صابر کلوروری، سمیرا نسرین (مرتبین)، اشاریہ کلیات باقیات شعر اقبال، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان ۲۰۰۶ء
۴۲۔صغریٰ، ڈاکٹر، اقبال۔۔۔۔ایک مردِ مومن، لاہور، مجلس دانشوراں، ۲۰۰۶
۴۳۔عابدہ خاتون، علامہ محمد اقبال، اور میاں محمد بخش کے افکار کا تقابلی جائزہ، لاہور، مکتبہ جمال ۲۰۱۵ء
۴۴۔عروبہ مسرور صدیقی، درا (بہ اعتبار زمانہ)، لاہور، اظہار سنز، جون ۲۰۱۲ء
۴۵۔عطیہ بیگم، مترجم، ضیاء الدین برنی، اقبال، لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۵۶ء
۴۶۔عطیہ سید، اقبال مسلم فکر کا ارتقاء، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء
۴۷۔عظمت رباب، ڈاکٹر، اقبال اور رومانویت، لاہور، بزم اقبال، ۲۰۱۶ء

۴۸۔فارحہ جمشید،بچوں کا اقبال،ملتان،کتاب نگر،اگست ۲۰۱۳ء
۴۹۔فارحہ جمشید،پیام سروش،ملتان،سخن ورفورم،۹نومبر ۲۰۱۲ء
۵۰۔فرزانہ یاسمین،اقبال کا بچپن،لاہور،مکتبہ عالیہ،۱۹۷۷ء
۵۱۔فرزانہ یاسمین،اقبال کی باتیں،لاہور،مکتبہ عالیہ،۲۰۰۸ء
۵۲۔فریدہ الٰہی،علامہ اقبال اور تحریکِ آزادی فلسطین،اسلام آباد،جاوداں پبلی کیشنز،مارچ ۲۰۰۷ء
۵۳۔کشور اقبال،فکر اقبال کے تعلیمی تقاضے،لاہور،گلوب پبلشرز،سن اشاعت ندارد
۵۴۔کنیز فاطمہ،یوسف،ڈاکٹر،اقبال اور عصری مسائل،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء
۵۵۔گلشن طارق،فروغ اردو میں اقبال کی خدمات کا تحقیقی جائزہ،لاہور،فکشن ہاؤس،۲۰۱۲ء
۵۶۔لطیفہ خانم،صدیقی و محمد عظیم،ملک،(مرتبین)عکس اقبال،لاہور،مکتبہ میری لائبریری،۱۹۷۵ء
۵۷۔میتخ،لوس کلوڈ،فکر اقبال کا تعارف،پیرس ۱۹۵۵ء
۵۸۔منزہ جاوید،تسہیل اقبال،راولپنڈی،صوفی تبسم اکیڈمی،۲۱ اپریل ۱۹۳۳ء
۵۹۔نسرین اختر،ڈاکٹر،اقبال اور وجودزن،لاہور،ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان،۱۹۷۴ء
۶۰۔یاسمین رفیق،اشاریہ کلام اقبال (اردو)،لاہور،اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۰۱ء

رسائل و جرائد

۱۔ادبی دنیا (قبال نمبر)،شمارہ نمبر ۲۴
۲۔اردو،رسالہ (اقبال نمبر)۔لاہور:انجمن ترقی ادب،۱۹۷۷ء
۳۔اقبال ریویو،مجلّہ۔کراچی:اقبال اکادمی پاکستان،جولائی ۱۹۶۳ء
۴۔اقبال ریویو،مجلّہ۔کراچی:اقبال اکادمی،جنوری ۱۹۷۶ء
۵۔اقبال،سہ ماہی،مجلّہ (اشاریہ)،لاہور:بزم اقبال،اکتوبر ۱۹۵۲ء تا اکتوبر ۱۹۹۱ء،جنوری ۱۹۹۲ء
۶۔اقبال،سہ ماہی،مجلّہ،لاہور:بزم اقبال،جلد نمبر ۶۱،۶۲،شمارہ نمبر ۲،۱۴،اپریل ۲۰۱۴ء تا مارچ ۲۰۱۵ء
۷۔اقبالیات،مجلّہ (اشاعت خاص)،جلد نمبر ۳۵،شمارہ نمبر ۲،جولائی تا ستمبر ۱۹۹۴ء
۸۔اقبال،مجلّہ،سہ ماہی۔لاہور:اپریل تا جولائی ۱۹۷۷ء
۹۔الماس،تحقیقی مجلّہ (اقبال نمبر)،سندھ:شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیر پور،۲۰۰۲ء
۱۰۔المعلم (اقبال نمبر)،لاہور:علامہ اقبال کالج،۱۹۸۷ء
۱۱۔پیغام آشنا،ایران۔پاکستان:ثقافتی تونصلیٹ اسلامی جمہوریہ،شمارہ نمبر ۴
۱۲۔جام نو،رسالہ (اقبال نمبر)،۱۹۷۷ء
۱۳۔خیابان نوادرِ اقبال نمبر،پشاور:شعبہ اُردو جامعہ ۲۰۰۳ء
۱۴۔سب رس (اقبال نمبر)،جلد نمبر ا۔تا فروری ۱۹۷۸ء اور مارچ ۱۹۷۸ء ،شمار نمبر ۳-۴

۱۵۔سیارہ(اقبال نمبر)،اشاعت خاص،۱۹۹۲ء

۱۶۔شالی زار(اقبال نمبر)،شیخوپورہ: گورنمنٹ کالج برائے خواتین

۱۷۔شیراز(اقبال نمبر)،سری نگر: جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگوئجز،جلد نمبر۶۱،شمارہ نمبر۳، ۴، ۵، ۶

۱۸۔صحیفہ(پچاس سالہ اشاریہ)،لاہور: مجلس ترقی ادب،شمارہ نمبر۱۹۲ء۔۱۹۰، جولائی ۲۰۰۷ء۔مارچ ۲۰۰۸ء

۱۹۔فنون،سہ ماہی،لاہور: مزنگ روڈ،مشترکہ شمارہ،۱۰۷-۱۰۸،جنوری تا جون ۱۹۹۸ء

۲۰۔کشتِ نو(اقبال نمبر)،فیصل آباد: زرعی یونیورسٹی

۲۱۔لبِ جُو،سانگلہ ہل: گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج،جلد نمبر۱۰،شمارہ نمبر۱۲۲،نومبر۲۰۰۲ء

۲۲۔ماہِ نو،رسالہ(اقبال نمبر)،لاہور: ادارہ مطبوعات پاکستان،جلد نمبر۳۰،شمارہ نمبر۵،لاہور ستمبر،۱۹۷۷ء

۲۳۔ماہِ نو،(اقبال نمبر)،لاہور: ادارہ مطبوعات پاکستان،جلد نمبر۵۵،شمارہ نمبر۱۱،نومبر۲۰۰۲ء

۲۴۔مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ(اقبال نمبر)،لاہور: کالج برائے خواتین،۱۹۷۷ء

۲۵۔نقوش،(اقبال نمبر)،لاہور: ادارہ فروغ اردو،شمارہ نمبر۱۲۱،ستمبر۱۹۷۷ء

لغات

۱۔مولوی سید احمد دہلوی،(مرتبہ)فرہنگ آصفیہ،جلد سوم تا چہارم،س تا ے،لاہور،اُردو سائنس بورڈ،طبع دوم،جولائی ۱۹۸۷ء

۲۔وارث سرہندی ایم اے،(نظر ثانی) محمد احسن خان،علمی اُردو لغت(جامع)،لاہور،علمی کتب خانہ کبیر سٹریٹ اُردو بازار،طبع دوم ۱۹۹۶

ویب سائٹ

1. IQBAL CYBER LIBRARY
2. WWW.REKHTA.COM